میڈیا کے اعتراضات و جوابات

[بشکل مکالمات]

قرآن وحدیث،فقہ و عقائد ، تاریخ و جغرافیہ ، طبیعیات و سماجیات ،سیاسیات ونفسیات وغیرہ مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر سائنسی حوالوں کے ساتھ عصری اسلوب میں لکھے گئے ہیں، جوعلماء وطلباء کے لئے یکساں مفید ہیں۔

مؤلف :

(مولانا) اقبال محمد ٹنکاروی (صاحب)

مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ، گجرات

میڈیا کے اعتراضات و جوابات

[بشکل مکالمات]

قرآن وحدیث،فقہ وعقائد، تاریخ وجغرافیہ،طبیعیات و سماجیات،سیاسیات ونفسیات وغیرہ مختلف پہلوؤں کومدنظررکھ کر سائنسی حوالوں کے ساتھ عصری اسلوب میں لکھے گئے ہیں،جوعلماءوطلباء کے لئے یکساں مفید ہیں۔

مؤلف:

(مولانا)اقبال محمدٹنکاروی(صاحب)

مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والابھروچ،گجرات

تفصیلات

نام کتاب: میڈیا کے اعتراضات و جوابات بشکل مکالمات

مؤلف : (مولانا) اقبال محمد ٹنکاروی (صاحب)

(مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات)

صفحات : ۳۵۰

سن طباعت: ۲۰۰۹ء مطابق ۱۴۳۰ھ (طباعت اول)

تعداد : ۱۰۰۰

کمپوزنگ : مولانا محمد یوسف سندراوی۔

قیمت : ۵۰/روپئے

ملنے کا پتہ

MO.**IQBAL MUHAMMAD** [S.B]

{ Tankarvi }

DARUL ULOOM ISLAMIYYAH

ARBIYYAH MATLI WALA

Eidgah Road.Bharuch-392001

باسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس کتاب کو مادر علمی ''**دارالعلوم فلاح دارین**، ترکیسر، ضلع سورت، گجرات، کی طرف منسوب کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں، جس کی علمی، ادبی، ثقافتی اور تربیتی فضاء نے اس ناچیز کو کچھ لکھنے بولنے کی قابلیت بخشی، نیز ''فلاح دارین'' کو خونِ جگر سے سینچنے والے استاذ محترم ومربی جلیل **حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتھم** کا بے حد ممنون ومشکور ہوں کہ حضرت والا نے فلاحِ دارین میں وقت کے بہترین صلاحیت وفن والے ماہر وقابل ترین اساتذۂ کرام کو جمع کرنے کا خصوصی اہتمام فرما کر طلبۂ عزیز کی تعلیم وتربیت کے لئے خوب سے خوب تر امکانی تدابیر اختیار فرمائیں۔ فجزاھم اللہ تعالی احسن الجزاء۔۔

باسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائیہ کلمات

از: پیر طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

باسمہ سبحانہ تعالی

محبی المکرّم مولانا محمد اقبال ٹنکاروی صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔

آپ نے جو ''مکالمات'' پر کچھ لکھنے کو لکھا ہے، تو آج ان کو دیکھا، ان کے موضوعات علمی اور تحقیقی ہیں، سوال جواب کے عنوان سے بھی ہیں، جو الحمد اللہ کارآمد ہیں۔

دعا کرتا ہوں کے اللہ تعالی اس کو امت کے لئے کارآمد بنائیں، آپ کی اور طلبہ عزیز کی اس سعی کو قبول فرمائے، اور مزید استعداد اور صلاحیت سے نوازے، اور طلبہ عزیز کو اصلاحِ اعمال کے ساتھ تحسینِ اخلاق کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

والسلام

(حضرت مولانا) قمر الزماں (صاحب دامت برکاتہم) الہ آبادی

کریلی، الہ آباد، یوپی

۱۸/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرَّحیم

تقریظ

مشفقی ومربی استاذ محترم حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث: دارالعلوم فلاحِ دارین، ترکیسر، سورت، گجرات، الہند

انسان حیوان ناطق بھی ہے اور حیوانِ کاتب بھی، اسی طرح انسان حیوانِ عاقل بھی ہے اور حیوان موجد بھی، چناں چہ اپنی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے انسان کو اپنی بات کہنے، سمجھانے، دل میں اتارنے اور سامنے والے کو متأثر کرنے کی پوری قوت حاصل ہے۔

جب انسان کے دل میں کسی کی بات سن کر، کسی کی تحریر پڑھ کر بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں، تو وہ ان کا دل لگتا جواب جاننے کا متمنی رہتا ہے؛ وہ چاہتا ہے کہ سوال کا جواب ایسا ہو کہ جس کو عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہو، اسی لئے جو لوگ معقولی ہوتے ہیں، وہ تحریر ہی ایسی پیش کرتے ہیں کہ جس پر کوئی سوال نہ اٹھایا جا سکے، وہ گفتگو اس انداز میں کرتے ہیں، جس پر کوئی اعتراض یا اشکال نہ ہو سکے، مگر پھر بھی ''**فوق کل ذی علم علیم**'' کی بنیاد پر ہر تحریر اور ہر تقریر و گفتگو پر اعتراض اور سوال کرنے والے لوگ موجود ہیں، نیز ملک میں ایسے واقعات اور حالات رونما ہوتے ہیں، جن کی کوئی توجیہ فوری طور پر سمجھ میں نہیں آتی، تو اہلِ علم اس کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں؛ ہونے والے اشکالات کا جواب دیتے ہیں، اور اس کی کوشش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا، سننے والا مطمئن ہو سکے، اسی طرح مذہبی مسلمات، عبادات، احکامات اور

مسائل کے بارے میں بعض آزاد فکر لوگ سوالات قائم کر کے مذہب کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہیں، پھر بعض فرقے اپنے علیحدہ مکتبۂ فکر رکھنے کی وجہ سے دوسروں کے عقائد ونظریات یا ان کی تحقیقات یا طرزِ فکر پر اعتراض کرتے ہیں، لہذا ایسے لوگوں کو جوابات دینا ضروری ہو جاتا ہے، بہرحال مذہبی بحث ہو یا سیاسی، تہذیبی بحث ہو یا ثقافتی، خیالاتی بحث ہو یا فکری، انتقامی کارروائی ہو یا دشمنی پر مبنی پروپیگنڈا؛ ہر صورت میں سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی جاتی ہے، خصوصًا جب کہ کوئی مسئلہ مذہب سے متعلق ہو یا سماج اور معاشرے کے لئے تکلیف کا باعث ہو، کسی ایک طبقہ پر ظلم وتعدی سے متعلق ہو، تب تو ضروری ہو جاتا ہے کہ بھرپور مدلل اور معقول جواب دے کر اس قسم کے منفی سوچ رکھنے والے ذہنوں کو مطمئن کیا جائے، اور ان کی پھیلائی ہوئی باتوں سے لوگوں کی حفاظت کی جائے۔

اسی ضرورت کے پیشِ نظر کسی مسئلہ کو لے کر اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو سوال جواب کے ذریعہ یا اعتراض اور جواب کی صورت میں فرضی طور پر ایک طالب علم کو سائل یا معترض اور دوسرے کو مجیب مقرر کر کے مدارس کے جلسوں میں جو گفتگو کرائی جاتی ہے؛ اس کو ''مکالمہ'' کہتے ہیں، لوگ جلسوں میں طلبہ کے ذریعہ اس قسم کے عام فہم سوال جواب سے محظوظ ہوتے ہیں اور خود اُن کے دل میں جو شبہات اس مسئلہ کے بارے میں موجود ہوں، تو وہ ان کا مناسب ومعقول جواب پا لیتے ہیں۔

بعض اساتذہ اس قسم کے مکالمے جو مختلف جلسوں کے لئے وقتًا فوقتًا لکھتے ہیں، ان کو یکجا کر کے چھپوا بھی دیتے ہیں، جو بعد میں آنے والے طلبہ کے کام آتے ہیں، چناں چہ اس سلسلہ کے چالیس [۴۰] مکالموں کا ایک مجموعہ اس خاک سار کا بھی متعدد مرتبہ چھپ چکا ہے۔

اس وقت زیرِ نظر مکالموں کا ایک مجموعہ جس میں مختلف، اہم اور حساس انّیس (۱۹)

موضوعات پر مشتمل ایک مجموعہ جو طلبہ کے لئے بڑا ہی معلومات افزا، مدلل اور معقول شکل میں تیار ہوا ہے، اس کو ایک قابل ترین استاذ، مستند عالمِ دین، دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے مہتمم عزیزم مولانا محمد اقبال ٹنکاروی سلمہ ربہٗ نے بڑی عرق ریزی اور کثیر مطالعہ کے بعد تیار کیا ہے، اس کے اکثر مکالمے ادارے کے سالانہ یا انجمن کے جلسوں میں پیش کئے جا چکے ہیں، جن کو حاضرین نے بڑی دل چسپی سے سنا اور معلومات سے لب ریز مدلل اور مفید پایا، لوگوں کے اصرار پر اس مجموعہ کی اشاعت کی جا رہی ہے، امید ہے کہ طلبۂ مدارس و اسکول اس سے مستفید ہوں گے، نیز ان مکالمات کی روشنی میں موقع کی مناسبت اور حالات کے تقاضے کے مطابق خود بھی دوسرے اور مکالمے تیار کرنے کی کوشش کریں گے، میں عزیز موصوف کی اس کاوش پر تہِ دل سے مبارک باد دیتا ہوں، دعا کرتا ہوں اور طلبہ سے استفادہ کرنے کی تمنّا رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو اس اسلامی حمیت اور غیرت بھرے مکالمات کی تصنیف پر دُنیا اور آخرت میں بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

(حضرت مولانا) ذوالفقار احمد (دامت برکاتہم) غفرلہ

۶/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

۳۰/ جون ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر | مضامین | صفحہ

﴿۱﴾ اسلام اور سائنس

﴿۲﴾ کیا اسلامی قانونِ فقہ رومن قانون سے لیا گیا ھے ؟

نمبر مضامین صفحہ

﴿۳﴾ ہندوستان کی تحریک آزادی میں علماء کرام کا بنیادی کردار

﴿٤﴾ اسلام اور سیکولرزم

نمبر مضامین صفحہ

نمبر　　مضامین　　صفحہ

﴿٧﴾ مسلم پرسنل لا

﴿٨﴾ عالم گیریت (گلوبلائیزیشن) اور اسلام

نمبر	مضامین	صفحہ

﴿۹﴾ ارُن شوری کی کتاب دھ ورلڈ آف فتواز (The World Of Fatwas) کا تحقیقی جواب

نمبر　　　مضامین　　　صفحہ

﴿۱۰﴾ مدارس کی اھمیت اور علمائے کرام کی قوم و ملت کے لئے قربانی۔

﴿۱۱﴾ ختم نبوت مع رد قادیانیت

نمبر مضامین صفحہ

﴿۱۴﴾ بین المذاہب مذاکرات ،امکانات، فوائد،نقصانات۔

﴿۱۵﴾ شہادتِ حضرت حسینؓ اور عظمت صحابۂ کرام

نمبر　　مضامین　　صفحہ

﴿۱٦﴾ غیر مقلدین کا اصلی چھرہ

﴿۱۷﴾ مدرسہ بورڈ کے نقصانات ، نتائج

نمبر	مضامین	صفحہ

۱۸ شرعی عدالتوں کی قانونی حیثیت

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلیٰ

آلہ واصحابہ اجمعین ،اما بعد!

مختلف عنوانات پر یہ چند مکالمات کا مجموعہ ہے ، جو دارالعلوم ماٹلی والا کے طلبہ کی انجمن ''نصیحۃ الاخوان'' کے مختلف اجلاس اور دارالعلوم کے سالانہ دستار بندی کے اجلاس کے لئے تیار کئے گئے ہیں طلبۂ عزیز نے اچھی طرح یاد کرکے اس کو اجلاس میں سنایا، مکالمات کے عنوانات موقع اورمحل کے اعتبار سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات اوراخبارات اور میڈیا کے ذریعہ پھیلائی جانے والی بدگمانیوں کے پیش نظر تجویز کئے گئے ہیں، مکالمات میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ تمام اعتراضات کے جوابات قرآن وحدیث، فقہ وعقائد، تاریخ و جغرافیہ،طبیعات وسماجیات ، سیاسیات ونفسیات وغیرہ مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر دئے جائیں،تاکہ موجودہ اذہان جوسائنسی اکتشافات اورعصری اسلوب میں لکھے گئے مضامین اور طریقۂ استدلال کوہی پسند کرتے ہیں،ان کے ذوق کی بھی رعایت ہوجائے ،اس لئے کچھ جوابات اپنے مطالعہ ومعلومات کی روشنی میں دئے ہیں،اور کچھ مختلف کتابوں سے مضمون کے مناسب سمجھتے ہوئےنقل کئے ہیں، یہ مکالمات گذشتہ بیس سال میں مختلف حالات کے اعتبار سے لکھے گئے ہیں،لہذاان کوپڑھتے وقت اس وقت کے سیاسی ،سماجی ،طبعی اورنفسیاتی حالات کابھی لحاظ کیا جائے ،کچھ مکالمات میں مخصوص سیاسی حالات اورافراد یا جماعتوں کا ذکر ہے، اس میں کافی تبدیلی ہوچکی ہے،اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے،مکالمات میں امکانی طور

پر موضوع کے متعلق عصرِ حاضر کا خیال کرتے ہوئے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن پھر بھی یہ ایک بشری طالب علمانہ کاوش ہے، ضروری نہیں ہے کہ تمام جوابات تسلی اور تشفی بخش ہی ہوں، ویسے حق سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کو بندۂ عاصی کیا سمجھ سکتا ہے، زیادہ تر مکالمات طلبہ کی انجمن کے اجلاس کے موقع پر لکھے گئے ہیں، ان اجلاس میں ایک ہی موضوع متعین ہوتا تھا، اور طلبۂ عزیز کی تمام تقاریر و مکالمات بلکہ نظمیں بھی اسی موضوع کے ذیلی عناوین کے مطابق ہوتی تھی، لہذا مکالمہ میں وہی باتیں لکھی جاتی تھیں، جو تقاریر میں مذکور نہ ہوں، تاکہ مضامین کی تکرار سے اکتاہت نہ ہو۔

یہ مکالمات عوام کی سطح سے قدرے علمی رکھے گئے ہیں، کیوں کہ طلبہ ہی میں سننے سنانے کے لئے تھے، اور یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ طلبۂ مدارس کی فضاء میں کچھ آفاقی سوچ پیدا ہو چند گھسے پٹے فروعی مضامین اور اپنے خول سے باہر نکل کر مطالعہ کو وسعت دی جائے، تحقیقی وتخلیقی ذوق پروان چڑھے اور فراغت اسکے بعد اس قسم کے اعتراضات کے جوابات دیتے وقت مخاطب کی رعایت کی جاوے، ''یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم'' کا مصداق نہ بنیں۔

مدارس کی زبان اور سوچ وفکر کا ایک مخصوص زاویہ ہے، غیر مسلمین اور پڑھے لکھے مسلمانوں کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی آفاقیت ثابت کرنے کی زبان واسلوب دوسرا ہوتا ہے، وہاں مناظرانہ ومجادلانہ گفتگو کے بجائے ان کے مسلمات کی روشنی میں جواب دینے سے وہ نفسیاتی طور پر مرعوب ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب کے مسودہ کی تبییض کے لئے عزیز القدر مولانا رشید احمد منوبری، مولانا یوسف سندراوی اور مولانا یٰسین کرماڈی (اساتذۂ دارالعلوم ماٹلی والا) کا بے حد ممنون ومشکور ہوں، خاص کر کے عزیزم مولانا رشید احمد جنہوں نے خصوصی دل چسپی لیتے ہوئے اس کو جہد

مسلسل اور پیہم سعی کر کے نظر ثانی و ثالث کے مراحل سے گذار کر ترمیم و تنسیخ کے عمل تک پہو نچایا، حق سبحانہ وتعالیٰ ان تمام حضرات کے علمی، عملی و روحانی درجات میں ترقی نصیب فرمائے۔آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ

نوٹ :۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مکالمہ کا انداز تکلم تحریر کے سنجیدہ اسلوب سے مختلف ہوتا ہے۔

(حضرت مولانا) **اقبال محمد ٹنکاروی** (صاحب)

مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ

۹؍جون **۲۰۰۹ء** بروز منگل

اسلام اور سائنس

ساجد : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ھارون : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ کیا بات ہے ساجد بھائی آپ بہت دنوں سے کالج میں نظر نہیں آتے ؟ کہیں پکنک کے لئے گئے ہوئے تھے؟ یا پھر پڑھنا چھوڑ کر کسی اچھے کام میں لگ گئے؟

ساجد : بھائی آپکو معلوم نہیں کہ میں دار العلوم ماٹلی والا میں عالمیت کا کورس کر رہا ہوں، اسکول کی تعلیم بقدر ضرورت حاصل کر لی ہے ،اب مولانا بن رہا ہوں، جس میں اسلامی علوم وفنون کے ساتھ تاریخ وجغرافیہ، دستور ہند وشہریت، جدید معیشت، مذہب وجدید چیلنج، انگریزی، کمپیوٹر اور جنرل نالج کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

ھارون : ارے بھائی ! آپ کسی مولوی صاحب کے چکر میں آگئے ہیں، جو آج کے موڈرن سائنس کے زمانے میں بھی آپ کو جہالت کے دور (Dark Ages) میں لے جانا چاہتے ہیں، آپ جیسے عقلمند اور ہوشیار لڑکے کو تو کالج میں سائنس، کمپیوٹر اور فزکس کے مضامین لینے چاہئے ،آج مسلمان سائنس وٹیکنالوجی میں دوسری قوموں سے کتنے پیچھے ہیں۔ ماہرین تعلیم نے جو اندازہ لگایا ہے اسکے مطابق ہندوستانی مسلمانوں میں خواندگی کی شرح ۳۰ فیصد سے کم ہے، اور مسلم خواتین کی شرح خواندگی تو ۱۰ فیصد سے بھی کم ہے۔ ایک سروے میں گوپال سنگھ کمیٹی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ انجینیئر نگ کے ۲۶۹۸ طلبا میں مسلم طلبا کی تعداد صرف ۹۲ تھی، یعنی ۳.۶۱ فیصد؛ جبکہ ملک کی آٹھ ریاستوں کی آٹھ یونیورسٹیوں میں ڈاکٹری (MBBS کورس) حاصل کرنے والے طلباء کی مجموعی تعداد ۲۸۹۵ میں مسلم طلباء کا تناسب ۹۸ یعنی ۳.۴۴ فیصد تھا، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے سروے کے مطابق مسلم لڑکیوں کی پرائمری

سطح پر تعداد ۵۸.۱۴ فیصد بتائی گئی تھی، مڈل اسکول کی سطح پر ۱۳.۱۲ فیصد، ہائی اسکول کی سطح پر ۳۱.۷۶ اور ہائر سکنڈری کی سطح پر ۳۵.۵۰ فیصد بتائی گئی تھی۔ ۱۹۹۵ میں ڈاکٹر اے ایم خسرو صاحب نے مسلمانوں کی تعلیم کا جو اعداد و شمار ذکر کیا ہے؛ اسکو سن کر مسلمان قوم کا سر شرم سے جھک جانا چاہئے۔ آئی، اے، ایس اور آئی، پی، ایس کی ملازمتوں میں ۸ فیصد ہے، کلاس نمبر (ا) میں ایک فیصد، بینک میں ایک فیصد ملازمتیں ہیں، ملک میں بڑی صنعتوں کی تعداد ۱۶۴ ہیں، جس میں مسلمانوں کا حصہ صفر ہے۔ ان صنعتوں میں بورڈ آف ڈائریکٹرس کے ڈائریکٹروں کی کل تعداد ۱۶ ہزار ہیں، اسمیں مسلمان ڈائریکٹروں کی تعداد ۱۱۶ ہیں، جس قوم کی ۵۰ فیصد مائیں جاہل ہوں، انکی گود میں پلنے والی نسل کا مستقبل کیا ہوگا؟ وہ آپ کے سامنے واضح ہے، یہ اس قوم کی صورت حال ہے جسکے پیارے رسول ﷺ پر نازل ہونیوالی وحی کا پہلا لفظ ہی علم کے سیکھنے کی تاکید کے ساتھ نازل ہوتا ہے، اور جس نبی نے علم سیکھنے کیلئے چین تک جانے کی ہدایت کی تھی، جس نبی نے جنگی قیدیوں کو مسلمانوں کی تعلیم کے عوض میں آزاد کر دینے کی شرط لگائی تھی، مگر اسکی امت کا یہ حال ہے کہ وہ علم سے بے نیاز اور شکست خوردہ سپاہی کی طرح غیبی مدد کے انتظار میں بھیانک مستقبل کی طرف بڑھتی جارہی ہے۔ اس میں آپ جیسے ہونہار کالج چھوڑ کر مدرسہ کی طرف جارہے ہیں، اور یہ علمائے کرام دنیوی تعلیم سے آپ کو تو دور کر ہی رہے ہیں، امت کو بھی دنیوی تعلیم کے حصول کی طرف رغبت و شوق نہیں دلا رہے ہیں۔

گانا اسے سمجھ کر خوش نہ ہو سننے والے	-	دکھے ہوئے دلوں کی فریاد، یہ صدا ہے
اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا	-	ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نشتر

ساجد : بھائی! دنیوی تعلیم میں مسلمانوں کا پچھڑاپن یقیناً انتہائی افسوس کی بات ہے، اسکی ہمارے علمائے کرام کو بھی آپ سے زیادہ فکر ہے؛ بلکہ آپ کو ہندوستان کی تاریخ کا علم نہ ہو تو آپ سے یہ واضح کرتا ہوں کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد بھی آخر ایک عالم

دین اور دینی فکر رکھنے والے ہی تھے، جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد بھی تو شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ ہی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ علمائے کرام نے دنیوی تعلیم کی نشر واشاعت میں بھی محنت ولگن سے کام لیا؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بات آپکو بتاؤں کہ علم کی دینی ودنیوی تقسیم اور مذہب بیزاری انگریزی سامراج کی ہی پیداوار ہے، ورنہ ایک ہزار سالہ اسلامی دور میں علماء کرام ہی دنیوی علوم کے ماہر ہوتے تھے یا دنیوی علوم کے ماہرین دین کے بھی زبردست عالم ہوتے تھے، اسلام کی ہمہ گیر تعلیم کی وجہ سے علمائے اسلام نے علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں یک رنگی اور وحدت پیدا کی تھی، انہیں میں سے فلاسفہ، اطباء، ریاضیات وانجینیئرنگ کے ماہرین اٹھے، انہیں کی صف سے میدان سیاست کے شہ سوار اور قرآن وحدیث کے باکمال ماہرین بھی پیدا ہوئے، شیخ الہند کا ۱۹۰۶ میں جمعیۃ الانصار قائم کرنے کا منشاء یہی تھا کہ مسلمان دینی ودنیوی دونوں علوم میں مہارت پیدا کرے، شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ ہم نے دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا، میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنے یا کسی دوسری قوم کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتوی نہیں دیا، ہاں یہ بیشک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہ دیکھا گیا کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں۔

اور یہ اھل کلیسا کا نظم تعلیم	-	ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

علی گڑھ یونیورسٹی کی بنیاد ڈالتے وقت اورلدھیانہ مشن اسکول میں لیکچر دیتے ہوئے سرسید احمد صاحب نے بھی الحاد وبے دینی کے خطرات کا اندازہ لگانے کے بعد یہی بات کہی تھی، اپنے وسیع انگریزی تعلیم کے تجربہ کی روشنی میں اکبر مرحوم نے کیا خوب منظر کشی فرمائی ہے۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں ٹہلو	-	جائز ہے غباروں پراڑو عرش کو چھولو

ہاں مگر ایک سخن بندۂ عاجز کی رہے یاد	- اللہ تعالیٰ کی اوراپنی حقیقت کو نہ بھولو

ھارون : ساجد بھائی! لیکن ہمیں دنیا میں ضروریات زندگی روٹی، کپڑا، مکان اور دوسری بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے، اسکے لئے کچھ کمانا تو ضروری ہے، آسمان سے منّ وسلوی تو نہیں نازل ہوں گے، اسی طرح زندگی کی راحت کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی سے رات دن ہم فائدہ اٹھاتے ہیں، یورپی قوم اس سے آج دنیا کی امام اور رہبر بنی ہوئی ہیں، اور ہم مسلمان دنیا میں سب سے جاہل اور پیچھے ہیں، دنیا کی موجودہ ترقی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے، تو اسطرح دنیا کی قوموں کے ساتھ ہم کیسے چل سکتے ہیں، مسلمانوں نے اپنی ایک ہزار سالہ حکومت میں کھاپی کر صرف تاج محل، لال قلعہ جیسی عمارتیں ہی بنائیں، سائنس، فلسفہ، اور ٹیکنیکل لائن میں کوئی دلچسپی نہیں لی تو غیر قوموں کو موقع مل گیا، میں سائنس کا طلب علم ہوں؛ جسمیں سائنس کی پوری تاریخ پڑھائی جاتی ہے لیکن ایک بھی مسلمان سائنس داں کا نام نہیں ملتا، آپ کے پاس اسکا کیا جواب ہے؟

ساجد : بھائی! یہ یورپ کی اسلام دشمنی اور عصبیت کا نتیجہ ہے کہ اس نے سائنس کی تاریخ اسطرح لکھی کہ طالب علم کو یونانی فلسفے کے بعد سیدھا یورپی فلسفہ پر پہونچایا جاتا ہے، اور درمیان کے مسلم سائنس کے دور کو تاریک زمانے Dark Ages سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو اسوقت یورپ کے لئے تو یقیناً قرون مظلمہ تھا؛ لیکن اسی زمانہ میں جبکہ ساری یورپی دنیا سائنس وٹیکنالوجی سے ناواقف تھیں، یورپ کا صرف ایک مسلم ملک اسپین علم اور سائنس کی روشنی سے خوب روشن اور جگمگا رہا تھا، ایک ہزار سال تک مسلمانوں کو دنیا میں وہی حیثیت رہی جو آج امریکہ وروس کو ہے، عربی زبان دنیا کی واحد علمی اور سائنسی زبان تھی جیسے کہ آج انگریزی زبان ہے، اور پوری دنیا سے سائنس کے طالب علم اسلامی علمی سینٹر دمشق، بغداد اور

اسپین کے دو بڑے شہر قرطبہ اور غرناطہ کا اسی طرح سفر کرتے تھے جیسے آج سائنس کے طلبہ کیمبرج ،آکسفورڈ اور واشنگٹن کی یونیورسٹیوں کا قصد کرتے ہیں،عیسائی دنیا دوسوسال تک مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتی رہی؛ جو صلیبی لڑائیوں (Crusades spiritual) کے نام سے مشہور ہے، بالآخر یورپ کی مکمل ناکامی پر یہ جنگ ختم ہوگئی لیکن یورپ کو تجربہ ہوگیا کہ مسلمانوں کی فتح علم اور سائنسی ترقیات کی وجہ سے ہے،مسلمانوں کے پاس اس وقت کے بہترین ہتھیار تھے،جس سے مصری فوجوں نے منجنیقوں کے ذریعہ فرانسیسی لشکر کو شکستِ فاش دی تھی ، اسکے بعد یورپ نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو انکے ہی علم وہنر اور انکے ہی فلسفہ وسائنس سیکھ کر شکست دے سکتے ہیں، چنانچہ اولا تو اسلامی سائنس اور عربی زبان سیکھنے کی یورپ کے مذہبی لوگوں نے مخالفت کی ، یہاں تک کہ انگلینڈ کے مشہور فلسفی اور سائنسداں فرانس کن بیکن نے ۱۲۱۹ء میں عربی زبان سیکھنے کی اہمیت پر زور دیا،تو آکسفورڈ کے علماء چلا اٹھے کہ بیکن مسلمان "Saracen" ہوگیا ، لیکن پھر بھی یورپ مسلسل محنت اور کوشش کرتا رہا،اس نئے انقلاب کو یورپ نے نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کا نام دیا،اس نام سے یورپ کے سائنس داں یہ تأثر دینا چاہتے تھے کہ یہ مسلمانوں کا علم نہیں ہے؛ بلکہ اپنے گھر یونان (Greek) کی ہی یہ چیز ہے،حالانکہ یورپ نے تو اسکو مسلمانوں سے اسپین کی اسلامی یونیورسٹیوں میں ہی حاصل کیا تھا، اور یونانی فلسفہ کو مسلمانوں نے بہت زیادہ ترقی دے کر خالص اپنی محنت سے سائنس وٹیکنالوجی کو آگے بڑھایا تھا ، جسکا یورپ کو اعتراف بھی ہے، چنانچہ بریفالٹ (Robert Briffault) اپنی کتاب Tha making of humanity میں لکھتے ہیں کہ یورپ کی سائنسی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اسکے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو،صرف فزکس ہی نہیں بلکہ اسلامی

کلچر نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے، اور اسکی ابتداء اسی وقت سے ہوئی جب اسلام کی پہلی کرن اسپین پر پڑنے لگی۔

ھارون : آپنے سائنس وفلسفہ کو مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ محنت کا نتیجہ بتایا، تو سائنس کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے آپ سے مسلمانوں کی سائنسی تحقیقات کی کچھ مثالیں اور بڑے بڑے مسلم سائنس دانوں کے کچھ نام دریافت کرنا چاہتا ہوں؟

ساجد : آپ نے تو میرے دل کی بات ہی کہہ دی، تو سنئے! آج سائنس کی دنیامیں یہ بات مان لی گئی ہے کہ سائنس کی موجودہ ترقی کی اصل استقرائی طریقہ (Logicinductive) ہی ہے جس میں عملی تجربہ سے (نہ کہ قیاس وانداز ہ سے) تحقیقات کی جاتی ہے، اسکی سب سے پہلے بنیاد بقول ڈاکٹر گستاؤلیبان (Gustave Lebon) مسلمانوں نے ہی ڈالکر سائنس کو تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھایا، لیکن یورپ والے عمومی طور پر فلسفے کے سب سے پہلے موجد بیکن کو (Francis Bacon) اور سائنس میں کوپرنیکس وگلیلیو کو کہتے ہیں، علم معاشرت کی بنیاد میں آدم اسمتھ کا نام لیا جاتا ہے، حالانکہ آدم اسمتھ سے بہت پہلے قرآن کریم اور احادیث نبویؐ اور بعد کے فقہائے کرام نے بہت تفصیل سے علم معاشرت پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

جغرافیہ میں ۹ ویں صدی عیسوی کے نصف اول میں خوارزمی نے زمین کا محیط اور اسکے نصف کی پیمائش اسوقت کی جبکہ سارا یورپ زمین کے چپٹی ہونے کا قائل تھا۔ بارہویں صدی کے وسط میں الإدریسی نے دنیا کا نقشہ بنایا، اور اسمیں دریائے نیل کا منبع بھی دکھایا، جسکو یورپ والے انیسویں صدی میں جا کر دریافت کرنے کے قابل بنے۔

عبداللہ بیطار نباتات کا سب سے بڑا ماہر تھا، بقول ڈاکٹر فلپ ہٹی کے بیطار کی تحقیقات یورپ میں علم نباتات کی تحقیق کا ذریعہ بنیں۔ مسلم سائنسدانوں نے علم کیمیا کو کیمیاگری کے

دائرے سے نکالکر کیمسٹری میں تبدیل کیا، فزیکل علوم میں خارجی تجربہ کو رواج دیا، جابر بن حیان اور الرازی کی کیمیکل سائنسی تحقیقات یورپ میں آخری سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

چیچک (Smallpox) کی خطرناک بیماری کا علاج سب سے پہلے طبیب الرازی نے تلاش کیا، بقول انگریز مؤرخ آرنلڈ ٹائن بی اور فلپ ہٹی ''ابن خلدون نے سب سے پہلے فلسفۂ تاریخ کو وجود بخشا''۔

اسطرح علم سیاست ،نفسیات ، قانون ، کیمیا، فزکس وغیرہ تمام علوم کے بانی مسلم سائنس داں ہیں۔

قدیم یونان میں زمین اور سورج کی گردش کے بارے میں دو فلسفی ارسٹاکس اور ٹالمی کا اختلاف تھا، عیسائی مذہب کو قسطنطین بادشاہ کی وجہ سے یورپ میں غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے ٹالمی کے سورج کے زمین کے گرد گھومنے کے نظریہ کو زبردستی منوایا، کیونکہ عیسائی عقیدے میں حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانا گیا تھا، لہٰذا زمین کو یہ بزرگی حاصل تھی کہ وہ خداوند مسیح کی جنم بھومی ہے، اور جو کرّہ (نعوذ باللہ) خدا کی جنم بھومی ہو، وہ سورج کے تابع (Satellite) کس طرح ہوسکتا ہے، لیکن جب مسلمان سائنسی دنیا میں آئے؛ تو خلیفہ مامون رشید کے زمانے میں سنجار (Palmyra) شہر میں زمین کے کل احاطہ کی (Circumference) ایک سادہ آلہ (Quadrant) کے ذریعہ پیمائش کی، تو معلوم ہوا کہ زمین کے گھومنے کا نظریہ سائنس سے زیادہ قریب ہے، اس طرح کی بہت سی تحقیقات ہیں جو مسلمانوں نے دنیا کو دی؛ لیکن آج کی دنیا خالد بن یزید، زکریا رازی ، ابن سینا، خوارزمی ، ابوریحان البیرونی ، فارابی، مسعودی ، کندی ، جوہری ، مروزی ،حرّانی ، ہروی ، زہراوی ،اسفرازی ، غزالی ، خیام ، الادریسی اور بغدادی جیسے سینکڑوں عظیم الشان مسلم سائنسداں کے نام اور انکے کارناموں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے سائنس کی دنیا میں مسلمانوں کو جاہل سمجھتی ہے۔ مسلمانوں کی سائنسی ترقی

کی تفصیلات کے لئے پروفیسر فلپ ہٹی کی کتاب تاریخ عرب (History Of The Arab) دیکھی جاسکتی ہے۔

ھارون : جب اسلام اور سائنس وٹیکنالوجی میں کوئی ٹکراؤ نہیں ؛ تو پھر یورپ وامریکہ میں مذہب وسائنس میں کیوں جوڑ نہیں، وہاں کے سائنس دانوں کو اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ، وحی، آخرت وغیرہ تمام دینی بنیادوں اور مسلم معاشرہ سے کیوں دشمنی ہے؟ کیا دونوں جمع نہیں ہوسکتے یا پھر حقیقت میں اسلام اور سائنس میں جوڑ ہی نہیں ہے؟

ساجد : ماجد بھائی! اسلام اور سائنس میں کیسے دشمنی ہوسکتی ہے، اسلام کے توحید کے عقیدے کی برکت سے ہی تو دنیا کو سائنسی فائدے حاصل ہوئے، ورنہ آپ نے دیکھ لیا کہ یورپ میں حضرت مسیح کو خدا ماننے کے لئے سورج کے گھومتے ہونے کا عقیدہ تجویز کیا گیا، ہندو لوگ دریا پار کرکے علم کے لئے نہیں جاسکتے تھے، سورج چاند کو دیوتا ماننے والی قوم چاند پر کیسے جاسکتی تھی؟ اسلام کے عقیدۂ توحید نے ہی صرف ایک خدا کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو مخلوق کا درجہ دیا، اس طرح اسلام نے فطرت کی تحقیق کا راستہ کھولا۔ ڈاکٹر آرنلڈ ٹائن بی کے الفاظ میں اگر اسلام نہ آتا تو سائنسی ترقی کا دروازہ انسان پر بند ہوتا، یونانی حکماء کے یہاں کیمیا صرف چاندی سے سونا بنانے کا آلہ تھا، خالد بن یزید پہلے مسلم فلسفی ہیں جنہوں نے کیمیا کو ایک طبیعی علم (فزکس) کا درجہ دیکر اس سے بہت سے فوائد دنیا کو پہنچائے۔

جہاں تک سائنس اور مذہب کی لڑائی کا تعلق ہے، تو اسکی حقیقت یہ ہیکہ سائنسی علوم وفنون کی زمام جب تک مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی وہاں تک سائنس ومذہب میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا، کیونکہ قرآن وحدیث تو مسلمانوں کو خدائی طاقتوں میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں؛ بلکہ آسمان وزمین کی فطری طاقتوں میں غور وفکر کرنے والوں کو عقلمند قرار دیا گیا۔ **ان فی خلق السموات والارض**... الآیہ اسپین کے مسلمانوں سے علم حاصل کرنے کی وجہ سے یورپ

میں فکر ونظر اور سائنسی و نیچری تحقیقات کا شوق بڑھا تو عیسائی مذہب کو سائنسی علوم اپنے لئے خطرہ معلوم ہوئے۔ کیونکہ اس مذہب میں اتنی جان نہ تھی کہ وہ تحقیق وریسرچ کی حوصلہ افزائی کر سکے، اسکے بہت سے خیالات وعقائد کو سائنس کی وجہ سے خوف لاحق تھا، عیسائی مذہب نے دوربین کی ایجاد کو کفر اور بائبل کا ترجمہ کرنا گناہ کبیرہ قرار دیا تھا، اس طرح چرچ اور سائنس کے درمیان کشمکش شروع ہوئی، ہزاروں سائنس دانوں کو موت کے گھات اتارا گیا، ہزاروں کو پھانسی دی گئی، لیکن اسپین سے قریب ہونے کی وجہ سے سائنس کی طاقت بڑھتی گئی، آج کے ترقی یافتہ یورپ میں خفیہ غاروں اور بند کمروں میں سائنسی تعلیم دی جاتی تھی، بالآخر بہت کچھ ظلم وتشدد برداشت کرنے کے بعد سائنس کو فتح ہوئی، اور عیسائی مذہب کو شکست ہوئی، لیکن سائنسدانوں کو ماضی کے چرچ کا ظلم وتشدد یاد تھا، انہوں نے اولاتو عیسائی مذہب کو سائنسی ترقی کا دشمن سمجھا، اور رفتہ رفتہ انتہا پسندی کے جوش اور (Reaction) میں بغیر سوچے سمجھے اسلام کو بھی ایک مذہب کی حیثیت سے رد کر دیا، چرچ کے ظلم وتشدد کی لمبی داستان امریکی مصنف جان ولیم ڈریپر کی کتاب مذہب اور سائنس کا ٹکراؤ (Conflict between science and religion) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ مذہبی عدالتیں (Inqulsition courts of religion) جو رومن کیتھولک چرچ کی جانب سے اٹلی، جرمنی اور فرانس میں قائم کی گئی تھیں، انہوں نے ۳ لاکھ آدمیوں کو سزا دی، ۳۲ ہزار کو زندہ جلایا گیا، ان ہی زندہ جلائے جانے والوں میں فزکس وفلکیات کا ماہر سائنسداں برونو (Brunde) بھی تھا، جسکا سب سے بڑا گناہ چرچ کے سامنے یہ تھا کہ وہ زمین کے علاوہ دوسری دنیاؤں کو بھی مانتا تھا، مشہور فزکس کے ماہر گلیلیو (Galelio) کے لئے اس بنا پر موت کی سزا تجویز کی گئی تھی کہ وہ سورج کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا؛ اگرچہ ۷۰ سال کی عمر میں چرچ کے سامنے گھٹنے

ٹیک کر بائبل پر اپنے ہاتھ رکھکر معافی مانگنے کے بعد اسکو چھوڑا گیا۔

برسوں کی غلط فہمی کے بعد اسلام کے بارے میں یورپ میں اب حالات بدل رہے ہیں، قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق بڑھ رہا ہے، ڈاکٹر ماریس بوکائی (Dr.Maurice Bucaille) نے ایک کتاب لکھی ہے، جسکا انگریزی نام (The bible the Qura'n and science) ہے، جسمیں انہوں نے قرآن کریم اور سائنسی علوم کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہیکہ جو باتیں سائنس نے ہمیں آج بتائیں ہیں، قرآن کریم نے اسکو ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کی ہیں؛ جبکہ بائبل کی کئی باتیں ایسی ہیں، جو سائنس کی دنیا میں غلط ثابت ہو چکی ہیں۔

بحمد اللہ تعالی حق کا بول بالا ہونے والا ہے	–	سیاہی چھٹ رہی ہے اب اجالا ہونے والا ہے

ھارون : آج کی سائنسی تحقیقات نے علمی دھماکہ (Knowledge Explosion) کر کے زندگی کے ہر مسئلہ کو نئے انداز سے سوچنے پر مجبور کیا ہے، اور تمام مذاہب کے بنیادی عقیدوں کو ہلا کر رکھدیا ہے، ایسے میں مذہب کی طرف واپسی ایک گریجویٹ اور سائنسداں کے لئے عجیب چیز معلوم ہوتی ہے، چنانچہ دنیا کے تمام سائنس داں اور پڑھے لکھے لوگ مذہب کو فرسودہ اور Out of date سمجھتے ہیں، اسلام کا بھی تو یہی حال ہوگا کہ وہ سائنس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور زمانے کے نئے حالات وتقاضوں کا اسکے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا؟

ساجد : بھائی! افسوس ہے کہ آپ نے اسلام کو بھی دوسرے مذاہب اور قانون (law) کی طرح سمجھا، جس میں انسانی فطرت کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے کتنے دعوے ہیں، جو آج کی دنیا میں دلیل بن کر سائنس سے حل ہو رہے ہیں؟ سائنس نیچر کے مطالعہ کا نام ہے؛ قرآن کریم نے یہی صفت مؤمن کی بتائی ہے **یتفکرون فی خلق السموات والارض** لیکن سائنس داں کا عمل صرف تحقیق کے لئے ہے، جبکہ مؤمن کا عمل

عبرت کے لئے ہے، کناڈا کی ٹورنٹو یونیورسٹی کے ڈاکٹر کیٹھ مور جو وہاں کی یونائیٹڈ چرچ کے ممبر بھی ہے، انہوں نے جدہ کی شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں قرآن شریف کی بہت ساری آیتوں سے موڈرن ڈاکٹری کے مسائل حل کیئے، اور کہا کہ مرد عورت کے نطفوں کے ملنے سے انسان کی پیدائش ہونے کا دعویٰ سائنس میں اسپلان جانی (Spalanzani) نے ۱۸ویں صدی میں پیش کیا؛ جبکہ قرآن کریم نے ساتویں صدی عیسوی میں **من نطفة امشاج** (مخلوط قطرہ) سے اسکی تشریح کردی ہے۔

ڈاکٹر مور کو یقین ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور آپ ﷺ کے ارشادات وفرامین مذہب اور سائنس کے درمیان مدتوں سے چلے آئے پارٹیشن کو دور کرسکتے ہیں۔ یہ سب باتیں تفصیل سے لکھتے ہوئے کناڈا کے اخبار CITIZEN نے سرخی لگائی ہے ''قدیم مقدس کتاب اپنے وقت سے ۱۳۰۰ سال آگے'' (Ancient holy book 1300 Years a head of its time) اور ٹائمس آف انڈیا نے سرخی لگائی ہے (Qur'an Scores over Morden Science) قرآن کریم موڈرن سائنس پر فوقیت لے گیا۔ قرآن کریم سائنس کی کتاب نہیں ہے، لیکن پھر بھی قرآن کریم جن عقائد کو ماننے کی دعوت دیتا ہے، اسکے لئے وہ نیچر کی نشانیوں (زمین، آسمان، دن، رات، انسان، جانور، دریا، پانی وغیرہ) کو بطور دلیل پیش کرتا ہے، سائنس میں بھی ان ہی نیچری چیزوں کی تحقیق ہوتی ہے، ڈاکٹر بوکائی نے اپنی کتاب میں بہت ساری آیتیں ذکر کرکے زمین، آسمان، سورج، چاند، انسانی پیدائش، عالم نباتات، رحم مادر میں بچہ کے تخلیقی مراحل، اجرام سماویہ کی نوعیت، کائنات کا پھیلاؤ وغیرہ بہت سی باتیں ذکر کرکے دعوی کیا ہے کہ سائنس سے ۱۳۰۰ سال پہلے کی یہ باتیں جنکو سائنس رد نہیں کرسکتا، اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کسی انسانی ذہن کی تخلیق نہیں ہے؛ بلکہ اس خداوند قدوس کا ہی کلام ہوسکتا ہے، جسکا علم ماضی، حال اور مستقبل سب

زمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

ھارون : آپکی باتیں سن کر میرا ایمان تازہ ہوگیا، میں آپ سے اس سلسلہ میں یہ سوال کرنا چاہوں گا کہ آج کی سائنسی دنیا جو راحت وآرام کے سارے اسباب مہیا ہونے کے باوجود بے چین ہے، جاپان اورامریکہ کے کروڑ پتی انسان خودکشی کرتے ہیں، انسانی زندگی بالکل جانور جیسی ہوگئی ہے، بڑے بڑے سائنسداں بھی اپنی ساری تحقیقات کے باوجود ذہنی سکون کے لئے کبھی جوتشی اور نجومی کا سہارا لیتے ہیں تو کبھی دوسری وہمی چیزوں کا؛ تا کہ کسی طرح انکو سکون مل سکے، مشہور سائنس داں ڈاکٹر نارلیکر کے الفاظ میں یہ عملی تضاد (سائنس اور غلط توہمات) ذہنی سکون کے لئے ہے، لیکن پھر بھی سائنس داں کو سکون نہیں مل رہا ہے کیا اسلام انکی بے چین روحوں کو مکمل سکون دے سکتا ہے؟

ساجد : جب قرآن کریم نے فطری مسائل کو بھی حل کیا ہے، جو اسکا بنیادی موضوع نہیں تھا، اورآج کی موڈرن دنیا ہزاروں قانون وضع کرلینے کے باوجود اپنے نیچری مسائل کو حل نہیں کرسکی ہے، تو قرآن کریم انسان کی اخلاقی اور روحانی ضرورت کیوں نہیں پوری کرسکتا؟ جو اسکا بنیادی موضوع ہے۔ اسلام میں انسانی جسم اور روح دونوں کو سکون بخشنے کا سامان موجود ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ آج کے انسان نے کھانا، پینا، عیش وآرام اور مادی چیزوں کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہے، لیکن روح کی اس نے بالکل فکر نہیں کی، دنیا کی زندگی کو ہی اصلی زندگی سمجھی، اور رات دن مادہ کے پیچھے محنت کرنے کی وجہ سے آخرت کی زندگی سے بے خبر ہوکر اسی زندگی میں ساری راحتیں حاصل کرنے کی کوشش کی، اسکے لئے ظلم وزیادتی، لالچ، نفاق، خودغرضی، قساوت قلبی، دنیا طلبی، موڈرن انداز کی چوری، قانونی رنگ کی ڈکیتی اور حقیر سے حقیر غرض وخواہشات کے لئے ہزاروں انسانوں کی جان ومال سے کھیلنے میں لطف محسوس کیا کرتا ہے، جس سے دنیا میں بے چینی، بے اطمینانی، بے اعتمادی، مایوسی، قوم پرستی

وتعصب وغیرہ کی فضاء بن کر عیش و آرام کے نقشہ میں بھی یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن گئی ، نہ مالداروں کو چین ہے، نہ غریبوں کو اطمینان ہے، اسکی سچی اور صحیح تصویر انسانوں کے خالق اور مالک نے یوں بیان فرمائی: **من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی** ترجمہ:اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کریگا تو اسکے لئے تنگی کا جینا ہوگا،اور قیامت کے دن ہم اسکو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔آج کی دنیا میں خوش منظر ، دلفریب سامانوں اور دیزائنوں کی بہتات ہے،لیکن عیش و آرام اور امن وسکون مفقود ہے؛ بلکہ عیش کی جگہ تنگ حالی ،امن کی جگہ ماردھاڑ ،چین کی جگہ تشویش ہے،آج کا تعلیم یافتہ انسان صورۃً تو انسان ہے،لیکن سیرت و کردار اور بداخلاقی میں وہ جانوروں سے کم نہیں ہے۔ یہ سب اپنے خالق و مالک کی یاد سے غافل ہونے کی وجہ سے ہے۔عقل وخرد کے ان دعویداروں کا پردہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں چاک کیا ہے: **فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیاۃ الدنیا ذلک مبلغھم من العلم** . ترجمہ:تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اسکو کوئی مقصود نہ ہو۔علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے اشعار میں انکی خوب نقاب کشائی فرمائی ہے۔

ڈھونڈ ھنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا	-	اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا	-	زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے پیچ و خم میں الجھا ایسا	-	آج تک فیصلۂ نفع وضرر کر نہ سکا

کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس Sir James Jeans پچاس سال کے تجربہ کے بعد کہتے ہیں کہ جب میں چرچ میں جا کر خدا تعالی کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں ،تو میری تمام ہستی اللہ تعالی کے جلال سے لرزتی ہے،اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ تو بہت بڑا ہے تو مجھے بے حد سکون وخوشی محسوس ہوتی ہے۔یہی بات اسٹالین نے بھی کہی

جب موت کے وقت اسکی زبان سے کسی نے اللہ تعالی کا نام سنا تو کہا کہ ایک کمیونسٹ ہوکر آپ خدا تعالی کو مانتے ہو! اس نے کہا کہ مانتا تو ابھی بھی نہیں ہوں؛ لیکن اسکے بولنے میں ہی سکون محسوس ہوتا ہے۔

ھارون : آپ سے آخری بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام اور سائنس میں جب اتنی مطابقت ہے، تو پھر ہمیں سائنس سے جتنے فائدے ہونے چاہئے، اور انسانیت کو جتنا چین وسکون ملنا چاہئے وہ کیوں نہیں مل رہا ہے؟ یا پھر سائنس میں کچھ خرابیاں ہیں جو ہمارے دین وایمان اور دنیوی مقاصد کو نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ کیا آپ کے دینی مدارس اور دینی علوم پڑھانے والوں کے پاس اسکا کوئی حل ہے؟

ساجد : ماجد بھائی! ذاتی طور پر سائنس کا علم نیچر کا علم ہے، اسمیں کوئی برائی نہیں ہے، مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک اسمیں محنت کر کے ترقی کی ہے؛ لیکن جب سے ہم نے اسمیں محنت کرنا چھوڑ دیا، اور یورپ کی طاقتوں نے اس پر اپنا مکمل قبضہ کر لیا، تو دین، ایمان، آخرت اور حساب وکتاب کے عقیدے سے محرومی کی وجہ سے انہوں نے دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ کر ایسی چیزیں ایجاد کر دی، جو ایمان میں کمزوری پیدا کرتی ہیں، آدمی آخرت سے غافل ہو کر بد اخلاقی و بے مروّتی کے کام کر لیتا ہے، جس نے آج کے انسان کو سب کچھ نعمتیں ہونے کے باوجود چین وسکون سے محروم کر دیا ہے، اور جسکی وجہ سے انسانی سماج کو بہت سی ایسی چیزیں بھی سائنس دانوں نے دے دی ہے، جو اخلاقی بگاڑ کا سبب ہے، اور جو خود سائنسی ترقی میں بھی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ ٹی، وی کی فحاشی وعریانی والی سیکسی فلمیں، بے پردگی، ناچ گان، مرد عورت کے آزادانہ اختلاط اور سودی بینک کاری جیسی چیزیں جس سے سائنس داں بھی پریشان ہیں، یہ چیزیں سائنس سے ہونے والے فائدوں کو بھی نقصان میں بدل دیتی ہیں، اور جس نے انسان کو مہذب جانور بنا دیا ہے، ایسے حالات میں اسلام ہی زندگی کی صحیح

راہ متعین کرسکتا ہے اور مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جانے والے قرآن وحدیث کے علوم ہی شب تاریک کو سحر میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

ھارون : بھائی! آپکا بہت وقت لیا، آپ تو ماشاء اللہ بڑے عالم ہونے کے ساتھ سلجھی ہوئی بہت اچھی سائنسی معلومات بھی رکھتے ہیں، یہ بتلائیے کہ یہ سب آپ نے کونسی یونیورسٹی میں حاصل کیا تاکہ میں بھی وہاں داخل ہوجاؤں۔

ساجد : بھائی میں کسی یونیورسٹی میں نہیں گیا، یہ سب ہمارے اسی دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے حضرات اساتذۂ کرام کا سکھایا ہوا علم ہے یعنی جن مدارس اور دارالعلوم کو آپ آوٹ اوف دیٹ، سماج پر بوجھ، دوسروں کا دست نگر اور وقت کے تقاضوں سے ناواقف سمجھتے ہیں۔

ھارون : بھائی! میری بہت بڑی غلطی ہوئی کہ میں ان مدارس اور دارالعلوم کو اتنا حقیر سمجھتا رہا، آپ سے تبادلۂ خیالات نے میری سوچ وفکر کی دنیا ہی بدل دی، یقیناً آپ لوگ تو روئے زمین پر امت کے سب سے بہترین ہمدرد، مخلص، رضا کار اور انسانیت کا سچا عملی درس دینے والے حضرات ہیں۔

اخیر میں اس طویل تلخ زبان درازی پر آپ سے معافی چاہتے ہوئے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کیا اسلامی قانون فقہ رومن قانون سے لیا گیاھے؟

ھارون : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شعیب : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ، ارے مولانا ھارون صاحب ،آپ کب سے مسٹرھارون بن گئے؟ اور ہدایہ آخرین کی جگہ یہ بڑے ضخیم دفتر اور فائلیں لیکر کیا کسی کورٹ میں جارہے ہیں؟

ھارون : میں اب مولانا نہیں بلکہ .B.A.L.L.B کا کورس کررہاھوں اور یہ جوضخیم کتابیں ہیں ،اسمیں دنیا کے سب سے ذہین اوردانا ملکوں کے منتخب دستوراورآئین ہیں ، جنکا تقابلی مطالعہ کررہاہوں،اس کتاب میں برطانیہ،امریکہ،سوویت یونین ،سیوزرلینڈ،فرانس ،جاپان، کناڈااورآسٹریلیا کا آئین جہاں داری ، پارلیمنٹری نظام ، عدلیہ، کابینہ اورسیاسی جماعتوں کے بنیادی رہنمااصول لکھے ہوئے ہیں۔رومن قانون جودنیا کاسب سے قدیم ومستند قانون ہے،اسکا لبِّ لباب اس میں آگیاہے،اورایک علمی تحقیقی انکشاف آپ سے کرنا چاہتاہوں، جسکی شاید آپ کواورآپکے علماءکرام کو ہوابھی نہیں لگی ہوگی ، وہ یہ کہ یہ جوآپ کے ہاتھ فقہ حنفی کی مستند کتاب ہدایہ رکھی ہوئی ہے ،وہ بھی محققین ماہرینِ قانون کے قول کے مطابق اسی رومن قانون سے چوری کیئے ہوئے سب اصول وقوانین ہیں، بلکہ پورااسلامی اصول وقواعد کا ذخیرہ رومن قانون سے ہی مستفاد اوراسکا چربہ ہے،جس پرلاطینی وسریانی کے بجائے عربی کا لبادہ چڑھادیا گیاہے،اوریادرکھیئے میں کوئی بھی بات بغیر دلیلِ برہانی کے نہیں کہتاہوں،سب ٹھوس حوالےان کتابوں میں موجودہے۔

تقلید ہے رات، تحقیق ہے شمع	-	شب کو نہ چلو شمع ھدایت کے بغیر

شعیب : ارے بھائی! آپ تو Santillane (سانتیلانا) Goldziher (گولڈزیہر) ایموز، بروکلان، ہنری، مارگیولوشا، H. Masse (ماسے) وغیرہ کے بھی استاذ معلوم ہوتے ہو، میں تو آپ سے دوستانہ انداز میں مذاق کر رہا تھا، اور آپ نے تو کچھ اور ہی ایران توران کی بکواس شروع کر دی۔

ھارون : جی ہاں! شیخ سعدی بہت پہلے کہہ چکے ہیں: چوں حجّت نماند جفا جوئی راپر خاش درہم کشد روئے را۔ دلائل کی روشنی میں سنجیدگی سے میری بات کا جواب دیجئے، میں قانون داں آدمی قانونی زبان ہی جانتا ہوں، مجھے آپ جیسی ایل پھیل باتیں نہیں آتی ہے، اگر آپ کے پاس میری باتوں کا مدلّل با حوالہ جواب ہو تو لاؤ، ورنہ خاموش رہو۔

شعیب : نگفتہ ندارد کسے با تو کار - ولیکن چوں گفتی دلیلش بیار بھی شیخ سعدی نے ہی فرمایا ہے، آپ سے ان الزامات کے محقق دلائل تو بعد میں دریافت کروں گا، پہلے تو آپنے اپنے مزعومہ علم کی بنیاد پر ہم کو آپ کے کئے ہوئے اعتراض سے ہی جاہل سمجھا، تو سن لیجئے: آپنے فقہ حنفی یا مجموعی اسلامی قانون کو رومن قانون کا جو خوشہ چین بنایا، میں آپکے سامنے اسکی مکمّل تاریخ اسکے تمام کل پرزوں کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں، جسکی شاید آپکو ہوا بھی نہ لگی ہو، کیا آپ کان کے پردے کھول کر سننے کی تاب لا سکیں گے؟

ھارون: ارے! بندۂ ناچیز تو خالص علمی و تحقیقی آدمی ہے، میں تو اس شعر کا مصداق ہوں ''مریں گے ہم کتابوں پر، ورق ہوگا کفن اپنا'' آپ میرا دار المطالعہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے، کتابوں کا انبار لگا ہوا ہے، مطالعہ و تحقیق کے سوا کسی بھی چیز کی اس جویائے علم کو فرصت ہی نہیں، آپ ضرور بیان کریں، لیکن مولویانہ بے ڈھنگے اسلوب و انداز میں نہیں، موڈرن اسلوب والے دلائل و شواھد سے بیان کریں۔

شعیب : میں آپ کی معلوماتی بدہضمی سے مرعوب نہیں ہونے والا ہوں، اصل اعتراض کی حقیقت سنئے ؛اطالوی مستشرق ڈاکٹر سی۔اے۔نال لینو کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلا وہ شخص جس نے یہ دعوی کیا کہ اسلامی قانون مادّی حدتک رومی قانون سے مأخوذ ہے، وہ ۱۸۶۵ میں ڈومے نی کوگات تیسکی تھا، اسے نہ عربی آتی تھی نہ ترکی، ڈاکٹر نال لینو کے کہنے کے مطابق تیسکی نے محض مفروضے کی حدتک یہ بات کہی، اور دلائل بھی فرضی وامکانی سطح کے ہی پیش کیئے، مگر بعد کے مستشرقین نے اسکو مستقل موضوع بنایا، اور کذب وافتراء کے میدان میں آپ جیسا ہر بعد میں آنے والا پہلے سے سبقت لے گیا، جن میں ڈاکٹر بروکلمان، ہنری ہیوز، مارگیولوشا، شاخت اور مسٹر شیلڈون ایموز وغیرہ سرفہرست ہیں، جس میں ایموز کے اعتراضات اور اسکا مختصر جواب علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرت النعمان میں دیا ہے، اسلامی قانون پر یہ اعتراض اٹھارہویں صدی کے بعد ہی کیا گیا، اس سے پہلے کیوں نہیں ہوا؟ حقیقت میں یہ صلیبی شکستوں کے انتقام کا ایک پہلو ہے، ماضی قریب میں صدیوں سے جہالت میں رہنے والی قوم نے شعور کی آنکھیں کھولی، اور سائنسی دریافت میں آگے بڑھ گئی، تو اپنے اسپین وبغداد کے اساتذہ اور دنیا کی متمدن ومہذب مسلم قوم کی خدمات پر خاک اڑانے کیلئے یہ الزام تراشیاں شروع کیں۔

حقیقت میں اسلامی فقہ کے عظیم ذخیرہ نے انکی آنکھوں کو خیرہ کردیا، بدقسمتی سے اس الزام کو مزید تقویت اس وقت ملی جبکہ پچھلے دوسوسال سے مغربی سامراج میں جکڑے ہوئے مسلم ممالک نے اپنی حالیہ قانون سازی میں ذہنی غلامی وخارجی اسباب سے یورپی قانون کو رہنما خطوط کے طور پر سامنے رکھا۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا	-	کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ھارون : میں نے آپ کو پہچاننے میں غلطی کی، واقعی آپ تو اس مسئلہ میں کچھ معلومات

رکھتے ہیں، میں نے تو اس مسئلہ میں بہت کچھ پڑھا ہے اور بہت سے اعتراضات میرے ذہن میں گھوم رہے ہیں، جنکا میں نے تشفی بخش جواب اسلامی کتابوں میں نہیں پایا، کیا آپ ان اعتراضات کا جواب دینے کی ہمت کرسکتے ہیں؟

شعیب : ہم نے تو آپ کے یورپی آقاؤں کے تمام ہی اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا ہے، لیکن تعصّب وتنگ نظری اور غرور وپندار نے حق بات سننے اور سمجھنے سے ہی انکو محروم کررکھا ہے۔

ھارون: پروفیسر کوگات تیسکی رومن قانون کے اخذ کی نسبت فقہاء پر ہی لگاتے ہیں، البتہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ علمائے کرام نے شاید رومی قوانین کے مطابق احادیث گھڑ کر اپنے رسول ﷺ کی جانب منسوب کردیا ہو، تاکہ رومی قانون سے اخذ واستنباط کا راز نہ کھل جائے، لیکن کچھ دوسرے یورپین مفکرین نے یہ بات پیغمبر اسلام ﷺ کی جانب بھی منسوب کی ہے، کہ آپ ﷺ کو قانونِ روما سے گہری واقفیت تھی، اور اسکے جزئیات کو وہ اپنے موافق احوال میں تحلیل کرکے موقع بموقع بیان کرتے رہتے ہیں۔

شعیب :

عقل تو زنجیرئے افکار غیر	–	درگلوئے تو نفس از تار غیر
بر زبانت گفتگوہا مستعار	–	دردلت آرزوہا مستعار

نعوذ باللہ، ایسا سنگین اور بے بنیاد الزام آقائے مدنی، تاجدارِ دوعالم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر لگانا، اس سے بڑھ کر علمی وتاریخی جہالت وسفاہت اور کیا ہوسکتی ہے؟ آپ کے جانی ومالی دشمن مشرکین مکہ جنھوں نے الزام تراشی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، جن کی الزام تراشی کو قرآنِ کریم نے اپنے اسلوبِ بلیغ سے تعجب کے ساتھ فرمایا: **انظر کیف ضربوا لک الامثال** (دیکھئے ہمارے حبیب ﷺ آپ کے لئے دشمنوں نے کیسی مثالیں تجویز کی ہیں)

مشرکین نے بھی کاہن، شاعر، ساحر یا مجنون وغیرہ کے الزامات تو ذکر کیئے، لیکن یہ الزام کبھی نہیں لگایا کہ حضرت محمد ﷺ کی طرف سے وحی کے نام سے سنائی جانے والی یہ سب باتیں رومی قانون کے اجزاء ہیں، نیز آپ ﷺ ایسے ماحول میں پیدا ہوئے جو خالص عربی تھا، وہاں رومی تہذیب یا قانون کا قطعًا کوئی اثر نہ تھا، اور نہ عربوں کا مزاج اجنبی قانون سیکھنے کا تھا، چنانچہ ڈاکٹر نال لینو نے قبل از اسلام رومی قانون کی عربی قوانین پر اثر پذیری کو تاریخی طور پر رد کردیا ہے، نیز آپ ﷺ زندگی میں دو مرتبہ ہی عرب سے باہر تشریف لے گئے، نیز وہاں کسی بھی رومی قانون داں سے ملاقات ثابت نہیں، اس میں پہلا سفر تو بارہ سال کی عمر میں اور دوسرا ۲۵ سال کی عمر میں تجارت کی غرض سے تھا، اس طرح یہ پہلو بھی مدِّ نظر رکھنا چاہئے کہ آپ ﷺ امّی تھے، لکھنے پڑھنے سے اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو محفوظ رکھا تھا، قرآنِ کریم میں ہے: **وما كنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطّه بيمينك اذا لارتاب المبطلون** . یعنی آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، نہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے، ورنہ تو باطل پرست لوگ شک کرتے، پھر کیسے آپ نے رومی قانون کا مطالعہ کیا، جسکی زبان بھی لاطینی ہو، نیز تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ اس وقت تک رومی قانون کی کسی بھی کتاب کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا، بلکہ بعد میں خلفائے بنی عباسیہ کے دور میں بھی دوسرے سارے علوم وفنون کا عربی میں ترجمہ ہوا، لیکن قانون کی کسی بھی کتاب کا ترجمہ نہ ہونا خود یورپی محققین کے نزدیک تاریخی اعتبار سے مسلم ہے، لہذا اس قسم کی آواز کا ماضی قریب میں اٹھنا یقینًا کسی چھپے ہوئے جذبۂ انتقام اور گہرے تعصب کی خبر دیتا ہے۔

ھارون : آپ کی باتیں کچھ صحیح تو معلوم ہوتی ہیں، لیکن ڈاکٹر ایموز کے قول کے مطابق عربوں نے غیر قوموں پر شروع میں جزیہ وصول کرنے کے علاوہ کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا (اگرچہ اس میں بھی کلام ہے)، جب بغداد، قاہرہ اور اندلس میں مطالعہ وغور کا موقع ملا تو

طب ، ریاضت ، منطق اور علوم نفسیہ میں ترقی ہوئی ، اور جس طرح عربوں نے ارسطو سے منطق سیکھی ، اسی طرح بسیل ، ملبو اور ان کے یونانی شارحین سے علم قانون اخذ کیا ، اس خیال کی قطعیّت کیلئے ڈاکٹر ایموز یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اس قدر کم احکام ہیں کہ ان پر قانون کی بنیاد قائم نہیں ہوسکتی ، فقہائے کرام کے اتنے وسیع فقہی وتمدّنی مسائل کے استنباط کیلئے یہ احکام ناکافی ہیں ، لہذا لامحالہ مسلمان فقہائے کرام نے رومی قانون کے پرانے ملبے پر ہی قانونِ اسلامی کی یہ بلند وبالا عمارت کھڑی کی ہے۔

شعیب : ارے بھائی ! آپ کے پہلے یورپی آقا کو گات تیسکی کی ہم نے پکڑ کی ، تو آپ دوسرے آقا رومن سول کے مصنف پروفیسر ایموز صاحب کو پکڑ لائے ، انکو بھی ہم خاموش کریں گے ، تو نہ معلوم اور کس آقا کا دامن پکڑیں گے ، سچی بات یہ ہے کہ تحقیق وریسرچ کے عنوان سے آپ کے یورپی آقاؤں نے حقائق کو جتنا مسخ کیا ہے ، اور تاریخی واقعات کی جوگت بنائی ہے ، انسانی تاریخ میں علم وتحقیق ہی کے جھنڈے نیچے علم کی ایسی توہین آج تک کسی نے نہیں کی ہے ، پھر بھی وہ علوم وفنون کے علمبردار بلکہ اجارہ دار سمجھے جارہے ہیں ؛ سنئے ، قرآن کریم یقیناً کتاب ہدایت ہے ، لیکن اس نے جس انداز سے انسانوں کی اخلاقی ، اعتقادی ، روحانی ، تمدّنی ، معاشرتی ، قانونی اور سیاسی تربیت فرمائی ہے ، اور مختصر کلمات میں زندگی کا جوگر سکھلایا ہے اسکی ادنی مثال دیتا ہوں۔

سرمایہ داری اور کمیونزم دونوں نظام دنیا میں فیل ہوچکے ہیں ، دونوں کے فضائل وقانون کے دفاتر بھرے پڑے ہیں ، لیکن قرآن کریم نے راہِ اعتدال اپناتے ہوئے کمیونزم کی تردید میں ایک ہی جملہ ارشاد فرمایا : **اھم یقسمون رحمة ربک – نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیاة الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات**

لیتخذ بعضھم بعضا سخریا (ترجمہ: کیاوہ تیرے رب کی رحمت کو بانٹتے ہیں ہم نے انکے درمیان دنیوی زندگی میں انکی روزی کو بانٹ دیا ہے، اوران میں سے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فضیلت دی، تاکہ ان میں کے بعض بعض کو خدمت گار بنائیں) اورسرمایہ دارانہ نظام کی تردید میں فرمایا: **کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم** (یعنی دولت تم میں سے چند مالداروں کے درمیان سمٹ کر نہ رہ جائے) یہ اشارہ حضرات فقہائے کرام کیلئے کافی تھا، اس پرانھوں نے اسلام کے نظام تقسیم دولت بلکہ معیشت وتجارت کے تمام احکام میں انکو بنیاد بنا کر ہزارسال تک دنیا میں اس نظام کو چلایا، پروفیسر صاحب اصولِ فقہ، احکام القرآن، فروق، مصالح شرعیہ اورقواعدِ فقہیہ کی کتابیں اٹھاتے توانکوقرآنی آیات کا پتہ چلتا، اورآیات سے اخذ واستنباط کے طریقے اورمسائل کے درمیان لطیف فرق کا احساس ہوتا، پھر وہ یہ اعتراض نہ کرتے، ارے ہارون بھائی! شاید آپکو پروفیسر ایموز صاحب کے پورے مقالے کا علم نہ ہو کیونکہ آپ کا علم تو رٹا رٹایا ہوا ہوتا ہے، اس سے زیادہ کی اُونچ نہیں ہوگی، لیکن علمائے اسلام نے ڈاکٹر ایموز کے تمام دلائل کی دھجیاں بکھیڑ دی ہے، ڈاکٹر ایموز خود قبول کرتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے آخری زمانہ تک مسلمان غیرقوموں سے بالکل الگ رہے، اورانکے قانون سے کسی قسم کی واقفیت حاصل نہیں کی اس لئے دمشق، بیروت اور اسکندریہ کے اس وقت کے رومن لا (Law) کے جو مدرسے تھے، بقول ڈاکٹر ایموز کے اسلامی فقہ پراسکا کوئی اثر نہیں پڑا تھا، ڈاکٹر ایموز قانونِ وراثت ووصیت کو رومن لا (Law) سے چوری کیا ہوا مانتے ہیں، دوسری طرف یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں رومی قانون کی بنیاد کا بالکل پتہ نہیں چلتا، حالانکہ وراثت ووصیت کے مسائل تو قرآن وحدیث سے مأخوذ ہیں، ڈاکٹر ایموز نے اور بھی مسائل گنوائے ہیں، جوان کی رائے میں رومن قانون سے مأخوذ ہیں، مختصرً اتنا جواب کافی ہے کہ وہ تمام مسائل اس زمانہ کے ہیں جن کی نسبت

پروفیسر ایموز نے یہ بات خود تسلیم کی ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کو غیر قوموں کے قوانین واحکام سے واقفیت تو درکنار، دلچسپی بھی نہیں تھی، بلکہ وہ تو جزیہ وصول کرنے میں مشغول تھے، دراصل پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن شریف میں قانونی مسائل نہ ہوتے ہوئے فقہ کا اتنا بڑا ذخیرہ کہاں سے آ گیا، تو لامحالہ رومن لا (Law) سے لیا ہوا ہوگا؟ یہ ہے علمی تحقیق کے دعوی کرنے والوں کا انداز سوچ وفکر اور مبلغ علم، پروفیسر صاحب تو دنیا سے رخصت ہوئے لیکن آپ جیسے ان کے ہونہار شاگردوں سے عرض کرنا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے قانونی مسائل کو تو رومن لا سے چوری کئے ہوئے مان لیں، لیکن طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ خالص اسلامی احکامات کی قرآن میں بہت کم تفصیلات ہے، فقہائے کرام نے اجتہاد واستنباط سے ایک ایک باب پر کتب خانے بھر جائے اتنی کتابوں کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، کیا یہ سب بھی رومن لا سے مأخوذ ہے؟ اور دوسرے اسلامی علوم اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر، اصولِ فقہ، فنِّ اسماء الرجال وغیرہ علوم وفنون جو مسلمانوں کی دقّت نظر، تیزی طبع اور وسعتِ خیال کے غماز ہیں، کیا یہ علوم وفنون بھی مسلمانوں نے روم ویونان سے سیکھے تھے؟ بلکہ یاد رکھئے: فلسفہ، طب، ہندسہ، نجوم، کیمیا، صنعت، تاریخ وغیرہ تمام علوم کی کتابوں کے تراجم ہوئے، لیکن قانون کی ایک بھی کتاب کا ترجمہ عربی میں نہ ہونے کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ فقہائے مجتہدین نے غیر قوموں کی خوشہ چینی کو اپنی اصطلاح میں حرام سمجھا تھا، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، مالکؒ واحمدؒ جیسے بزرگانِ کرام جو کتاب وسنّت کے علوم حاصل کرنے میں تقوی وطہارت کی بھی کمی برداشت نہیں کرسکتے تھے، وہ روم ویونان کے ملحدین سے علوم حاصل کریں گے؟ حاشا وکلّا۔

هارون : مولانا صاحب، کھوپڑی شریف کے ٹانکے کچھ کمزور پڑ رہے ہیں، اندر سے کچھ بھوسہ نکلتا ہوا نظر آ رہا ہے، لیکن آپ کے مضمون سے ایک اور اعتراض کی طرف توجہ

مبذول ہوئی ،اگر چہ آپ کے قول کے مطابق ڈاکٹر ایموز نے تواسکا انکار کیا ہے ،لیکن دوسرے مستشرقین نے اسکوذکر کیا ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں نے جب رومی علاقوں کو فتح کیا اس وقت ان علاقوں میں بہت سے اسکول و مدارس تھے ،جس میں رومی قوانین کی تعلیم دی جاتی تھی ،خصوصاً بیروت واسکندریہ کے مدارس کا بڑا اثر تھا ، ہزاروں کی تعداد میں شامی ومصری طلباء اس میں تعلیم حاصل کرتے تھے ۔فتح اسلامی کے بعد بھی کافی دنوں تک یہ مدارس قائم رہے،انہی مدارس کے اثرات سے رومی علاقے متأثر ہوئے ،اوراسلامی علماء وفقہاء نے بھی اس سے فائدہ اٹھا کر اسلامی قوانین میں اسکو منتقل کرلیا ہوگا۔

شعیب : ھارون صاحب ! میں آپکے دماغ میں گھسایا ہوا سارا بھوسہ نکال کرآپکوفری کرنا چاہتاہوں ،لہذا آپکے ترکش میں جتنے تیر ہوں وہ سب نکال لیجئے ،امتِ مسلمہ تو چودہ سو سالہ طویل تاریخ میں یہ سب طعنے اورالزامات سننے کی عادی ہوچکی ہے ،اورقرآن مجید میں اللہ تعالی نے پہلے سے ہی فرمادیا ہے:**ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا** کہ تم ضرور بالضرور یہود ونصاری ومشرکین سے اذیت و تکلیف کی باتیں سنتے ہی رہوگے ،اس آیتِ کریمہ نے ہم کو توڈھارس بندھادی ہے ،لیکن حسرت وافسوس تو آپ کے نام نہاد مفکرین یورپ پر ہے، ڈاکٹر ایموز نے بہت کچھ الزام لگانے کے باوجود بیروت واسکندریہ کے مدارس سے استفادہ کا بالکلیہ انکار کردیا، تو دوسرا مستشرق اس کا دعوی کرتا ہے ،ہم کس کی باتیں سچی مانیں اورکس کا جواب دیں؟ پھر بھی آپ ہم پر الزام کا قرض باقی نہ رکھیں ،اس لئے میں انتہائی مستند یورپی تاریخی حوالوں سے ثابت کرنا چاہتاہوں کہ یہ الزام بھی غلط ہے: سنئے ، جدید وقدیم تمام مؤرخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شہنشاہ جسٹینین نے ۱۶/دسمبر ۵۳۳ء یعنی آپ ﷺ کی ولادت سے بھی ۳۷ سال پہلے ایک قانون جاری کر کے تین اسکولوں کے علاوہ رومی قانون کے تمام اسکولوں کو بند کرنے کا حکم دیا

تھا، وہ تین مدارس، اسکول یہ ہیں، ۱- مدرسہ بیروت، ۲- مدرسہ قسطنطنیہ، ۳- مدسہ روما۔
(۱) بیروت کا مدرسہ اگر چہ ۵۳۳ء میں بندنہیں ہوا، لیکن پیرس یونیورسٹی میں قانون کے ایک فرانسسی پروفیسر کولینا کے بقول تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ ۵۵۱ء میں مسلسل ایسے حادثات اور زلزلے بیروت میں آئے جس سے پورا شہر تقریبا مسمار ہوگیا تھا، اسی کی زد میں یہ مدرسہ بھی آیا، اور پھر ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا، اور اس حادثہ کے تقریبا ۸۵ سال بعد ۶۳۶ء مطابق ۱۵ھ میں ملک شام اسلامی فتوحات میں داخل ہوا، وہاں تک تو اس مدرسہ کے تمام اثرات ختم ہو چکے تھے، اطالوی محقق ڈاکٹر نال لینو نے ثابت کیاہیکہ اسکندریہ و بیروت کے مدارس اسلامی فتوحات سے سوسال پہلے ہی بند ہو چکے تھے (۲) دوسرا مدرسہ قسطنطنیہ ہے اس پر گفتگو اسلئے نہیں کرتا کہ قسطنطنیہ کی فتح اسلامی قانون کے عروج کے بھی بہت بعد میں یعنی ۱۴۵۳ء میں ہوئی۔ (۳) تیسرے مدرسۂ روما سے متأثر ہونے کی بات کسی دشمنِ اسلام نے بھی نہیں کہی کیونکہ تاریخی طور پر اسکا امکان بھی نہ تھا۔

اسکندریہ (مصر) کا مدرسہ جسکے بارے میں اسلامی فقہاء کے فائدہ اٹھانے کا دعوی کیا جاتا ہے، وہ بھی ۵۳۳ء میں بند کر دیا گیا تھا، جبکہ مصر کو مسلمانوں نے ۶۴۱ء میں فتح کیا۔ اسکندریہ کا مدرسہ اس لئے بھی زیرِ بحث نہیں آسکتا کہ یہ مصر میں واقع ہوا ہے، اور مصر میں مذاہبِ اربعہ مشہورہ میں سے کسی کی بھی نشو ونما نہیں ہوئی، امام شافعیؒ اپنے آخری دور میں مصر ضرور تشریف لے گئے تھے، مگر اصول وکلیات حجاز وعراق سے لیکر گئے تھے، اس لئے انکے قولِ جدید پر اسکندریہ کے اسکول کے اثر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اسی طرح حضرت لیث بن سعد اگر چہ مصر ہی میں تھے لیکن انکا مذہب ان کے ساتھ ہی ختم ہوگیا، امام اوزاعیؒ جو شام کے بڑے عالم تھے، لیکن وہ بھی مدرسۂ حدیث سے تعلق رکھتے تھے، اہلِ رائے میں سے نہیں تھے بلکہ بقول امام شافعیؒ وہ رجالِ حدیث میں سے تھے جو قیاس کو ناپسند کرتے تھے، اسکندریہ کی

لائبریری، جسکے جلانے کا اور استفادہ کرنے کا متضاد الزام مسلمانوں پر ہے، وہ تو ۳۹۱ھ میں مسیحیوں کے ہاتھوں جلادی گئی تھی، اور ایک لائبریری تو حضرت عیسیٰؑ سے بھی ۴۸ سال قبل ہی جلادی گئی، مجھے تو ان واقعات کے پڑھنے سے آپ ﷺ کی صداقت کا اور پختہ یقین ہوگیا کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی مختلف اسباب کی وجہ سے ان مدارس کا بند ہوجانا آپ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے، تاکہ دنیا ان سے خوشہ چینی کا اعتراض ہی نہ کرسکے۔

ھارون : مولانا، ایک دوسرا اعتراض کرکے بات ختم کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ یہ دلیل پیش کی جاتی ہیکہ اسلامی فتوحات کے وقت رومی عدالتیں موجود تھیں، جن میں رومی قانون کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، اور یہ عدالتیں اسلامی فتح کے بعد بھی باقی رہی، ان کے اثرات اسلامی قانون پر پڑے، کیونکہ انہی دنوں میں قانونِ اسلامی کی تدوین کا کام بھی جاری تھا۔

اسی طرح اسلامی علماء وفقہاء روم کے مختلف مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئے، تو ہر فقیہ اپنے اپنے علاقوں میں رائج رومی قانون سے متأثر ہوا، انکی فقہیات پر رومی عرف وعادت اور تصنیفات کے گہرے اثرات پڑے، اور اسی پر علماء نے اپنے قوانین کی بنیاد رکھی، اسکی دلیل یہ ہے کہ بہت سے مسائل میں رومن لا (Law) اور فقہ اسلامی میں اتحاد و یگانگت پائی جاتی ہے۔

شعیب : اسلامی فتوحات کے وقت کی رومی عدالتوں کے سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ فتحِ اسلامی کے وقت کی تمام مستند تاریخیں رومی عدالتوں کے بارے میں خاموش ہیں اگر وہ عدالتیں موجود ہوتی تو مستند تاریخوں میں اسکا ذکر ضرور ہوتا، آپکے یورپی مصنفین کے حوالہ سے بات کروں تو ڈاکٹر نال لینو کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس موضوع کا بڑی سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے، اور اپنی کتاب ''مشرقی قوانین'' میں لکھا ہے کہ اولا یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ اسلامی فتح کے وقت یہ عدالتیں باقی تھیں۔ (۲) اگر باقی تھیں تو وہ کھوکھلی عدالتیں تھیں، اور

فیصلہ کا اختیار عملاً مذہبی گروہ کے ہاتھ میں جا چکا تھا۔(۳) اسلامی فتوحات کی خبر سن کر حکومتی اور عدالتی مجسٹریٹ سب فرار ہو چکے تھے۔(۴) رومی عدالتیں اسلامی فتوحات کے بعد بھی باقی رہتی تو بھی مسلمانوں کا اس سے فائدہ اٹھانا مشکل تھا، کیونکہ فتوحات کے بعد مسلمانوں نے صرف حاکمانہ فرائض سے ہی کام رکھا، کسان، تاجر اور زمین دار نہیں بنے، لہٰذا مقدمات لے جانے والے فریقین عموماً عیسائی ہوتے، اور اسلامی عدالتیں انکی سماعت ہی نہیں کرتی تھی، اور اگر اتفاقاً ان سے رجوع کیا بھی جاتا تو وہ ان مقدمات کا فیصلہ اسلامی اصول کی بنیاد پر کرتے تھے، نہ کہ عیسائی قانون کی بنیاد پر (۵) مسلمان مذہبی طور پر اپنے قانون کے پابند تھے، وہ مذہبی حمیّت کیلئے جتنے اُس دور میں مشہور تھے اتنے کسی بھی دور میں نہیں رہے، کیونکہ انکو حکم دیا گیا تھا: **ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الظلمون** یعنی جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے وہ ظالم قرار پائیں گے، یہ ہے ایک غیر مسلم محقق کے دلائل جو آپ کی تسکین کیلئے کافی ہونے چاہئے۔

دوسرا اعتراض بھی حل ہو گیا کہ روم کے مختلف مفتوحہ علاقوں میں فقہاء نے وہاں کے رائج رومی قانون سے مسائل اخذ کئے، کیوں کہ جب نہ رومی قانون داں رہے، نہ عدالتیں رہیں، اور نہ عربی زبان میں رومی قانون کی کسی کتاب کا ترجمہ ہوا، نیز فقہائے کرام کے اختلافات و دلائل پر کتابوں کا عظیم کتب خانہ موجود ہے، لیکن کسی بھی مسئلہ میں اختلافِ رائے کے وقت کسی فقیہ کا رومی قانون سے تائید یا تردید میں کسی دلیل پیش کرنے کا ثبوت اب تک ہمیں نہیں ملا ہے، فقہ کا پورا ذخیرہ کسی بھی رومی قانون کے ذکر سے خاموش ہے، ہاں شریعتِ اسلامیہ میں ہر علاقے کے عرف و عادات اور حالات و تقاضی کا لحاظ ضرور کیا گیا ہے، اور یہ اس شریعت کی ہمہ گیری و آفاقیت کی دلیل ہے، اور اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر کر نہیں سکتے کہ اسلامی مملکت صرف رومی علاقوں تک ہی منحصر نہیں تھی، اسمیں عراق، ایران، یمن، ماوراء النہر،

ترکستان وغیرہ ممالک بھی تھے جنکا اپنا مستقل کلچراور قانونِ زندگی تھا،اسی طرح فقہائے کرام میں امام اوزاعی اورلیث بن سعد (جن کا حال پہلے سن چکے) کے علاوہ سب ہی فقہاء رومی علاقے کے علاوہ حجاز،ایران،عراق اور ماوراءالنہر میں پیدا ہوئے، جہاں رومی قانون کا کوئی اثر نہ تھا، یہ بھی اسلام کا اعجاز ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جیسے رومی مدارس بند ہوگئے، اسی طرح فقہائے کرام کی ایک بڑی جماعت رومی علاقوں کے علاوہ میں پیدا ہوئی، تاکہ یہ اعتراضات ہی پیدا نہ ہو،رومی قانون کا سریانی ترجمہ ”**الکتاب السوری الرومانی**“ عربی زبان میں پہلی مرتبہ پانچویں صدی ہجری کے آخر میں منتقل ہوا، جبکہ اسلامی فقہ وقواعد کی تدوین کا کام مکمل ہو چکا تھا۔

ھارون : مولانا صاحب، میں نے آپ کا بہت سارا وقت لیا،اورآپ کو بہت دق کیا، آپ نے میرے مطالعہ وذہن میں آنے والے تمام اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیکر مجھے مطمئن کردیا، میں آپ کا بہت ممنون ومشکور ہوں۔

شعیب : بھائی، مختصر وقت میں آپکے اعتراضات کا تفصیلی وتحقیقی جواب نہیں دے سکا، لیکن آپ ہمارے پروگرام کے دوسرے مضامین اورمعزز مہمان وصدرِ محترم کا پرمغز بیان غور سے سنیں گے جن میں انسانی وضعی قانون کی تاریخ اور قانون کی اصل تعریف کرنے میں ہی قانون دانوں کی عاجزی اور پریشانی کا ذکر یورپین ماہرین قانون کی زبانی سنایا جائے گا،تو آپ کوضرور فائدہ ہوگا۔

ھارون : کیوں نہیں،ضرور، میں تو ایسی علمی وتحقیقی مجالس کا منتظر رہتا ہوں۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ------

ہندوستان کی تحریک آزادی میں علماء کرام کا بنیادی کردار

ناصر : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہارون : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ارے! یہ سب فائلیں لیکر دوڑتے بھاگتے کہاں جارہے ہو؟ ایسا لگ رہاہیکہ پورے ہندوستان کا نظام آپ ہی چلا رہے ہیں؟

ناصر : آپ کو معلوم نہیں کہ آئندہ کل ۱۵ر اگست ہندوستان کا یوم آزادی منایا جارہا ہے، ہماری انجمن نصیحۃ الاخوان کے طلبۂ کرام نے بھی آزادی کے سلسلہ میں ایک جلسہ کا انعقاد کیا ہے، آپ کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دے رہا ہوں۔

ہارون : بھائی! جشن آزادی سے ہم غلاموں کو کیا واسطہ؟ آزادی نے ہم کو کیا دیا؟ خاص کر کے ہندوستانی مسلمانوں کا حال تو آزادی کے بعد بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے، اور پھر دینی تعلیم کے اداروں میں سیاسی مسائل سے دلچسپی ان کی علمی ترقی میں رکاوٹ کا ذریعہ ہوتی ہے، اور مجھے تو ان جلسوں ولسوں سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، تم اپنے جلسے کرتے رہو تم کو مبارک، ہم تو انجمن سے بھاگنے کے عادی ہونے کی وجہ سے بہانہ تلاش کرنے میں بھی ماہر ہے، لہذا سٹک کر اپنے لفڑوں میں ادھر ادھر چلے جائیں گے۔

ناصر ارے! ایک طرف تو آپ کو اپنی علمی ترقیات کی فکر دامن گیر ہے کہ انجمن کے اس قسم کے علمی، ادبی، ثقافتی اور دعوتی تربیت والے پروگرام بھی آپ کو علمی ترقی میں رکاوٹ نظر آرہے ہیں، اور دوسری طرف غلام ہونے کے دعوے کے باوجود آقا بنتے ہوئے اپنے

تفریحی اور بے مقصد پروگرام اٹینڈ کرنے کیلئے کبھی دارالعلوم کی پچھلی دیوار تو کبھی قبرستان کی دیواریں پھانڈ کر بھاگتے ہوئے شرم نہیں آتی ، یاد رکھئے آپ جیسے تفریحی ورنگین مزاج بادشاہ محمد شاہ رنگیلا نے ہی یہ سونے کی چڑیا انگریزوں کے حوالے کردی، اوراسی طرح گا بچے مارتے ہوئے للّو بھائی نے بھروچ کے نواب کے خلاف نمک حرامی کرتے ہوئے بھروچ انگریزوں کے حوالے کردیا تھا۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے؟	-	شمشیر وسنان اول طاؤس ورباب آخر

یاد رکھئے، لمحوں نے خطاء کی، صدیوں نے سزا پائی ہے ۔ ہم صرف جشن آزادی نہیں منارہے ہیں، بلکہ اس عنوان سے ملک کی آزادی کیلئے ہمارے اکابر اور بزرگوں کی قربانیاں اور کارناموں کی یاد تازہ کر کے نئی نسل سے آئندہ کا لائحہ عمل طے کروانا چاہتے ہیں، اور یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ اس وقت ملک جن سنگین حالات سے دوچار ہے، اس کا حل ہمارے پاس موجود ہے۔

ھارون : بھائی! یہ تو ماضی کی داستان تھی جو گذر چکی. **تلک الایام نداولھا بین الناس** (ترجمہ) اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں۔ (آل عمران:۱۴۰) **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم** ۔ (ترجمہ) واقعی اللہ تعالی کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے (سورۂ رعد:۱۱)۔ اور یہ نکتہ یاد رکھئے **واذا اراد اللہ بقوم سوء فلا مرد لہ**۔ (ترجمہ) اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کر لیتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں (سورۂ رعد:۱۱)۔ اور ہمارا ایمان ہے: **ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ** ۔ (ترجمہ) اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں، اور جسکو بند کردے سو اس کے بعد اس کا کوئی

جاری کرنے والانہیں (سورۂ فاطر:۲)۔ **وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر** . (ترجمہ) اور جسکو آپ چاہیں غالب کردیتے ہیں اور جسکو آپ چاہیں پست کردیتے ہیں۔(آل عمران:۲۶)

اس ملک میں صرف انگریز ہی نہیں آئے ، بلکہ پہلے آرین نسل شمال مغرب سے آئی، اسکے بعد مسلمان بھی قریب اسی راستے سے آئے ،اوراخیر میں انگریز کی تقدیر تھی تو وہ بھی آئے ، جب تک اللہ پاک نے چاہا سب نے ملک پر حکومت کی، کچھ اچھائیاں ہوئی تو کچھ برائیاں بھی ساتھ میں ہوئی ،آریوں نے یہاں کے قدیم باشندوں پر ظلم وستم کرکے ان کو جنگلات میں بھیج دیا ،اپنی حکومت برقرار رکھنے کیلئے انسانوں کومختلف ذات پاٹ اور برادریوں میں تقسیم کردیا، مذہبی کتابیں لکھی گئیں ،جن میں برہمن کو دوسروں پر فوقیت دی گئی ،اور ہرایک کا کام تقسیم کردیا، ڈراوڈوں پر اس قدر ظلم کرنے کے باوجود آریوں کو نہ کسی نے نکالا نہ مسلمانوں کو نکالا گیا، صرف بے چارے انگریز کا ہی کیا قصور تھا کہ ان کو نکالنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا ،اور اتنی لمبی چوڑی جنگ لڑنی پڑی ،اور اسکے نکالنے پر ۶۴ سال کے بعد بھی جشن منا رہے ہو، ارے! ان کی دشمنی میں آپ کے بزرگوں نے تو یہاں تک کہا تھا کہ دریا میں دو مچھلیاں بھی لڑرہی ہوتو سمجھ لینا کہ انگریز کا اسکے پیچھے ہاتھ ہوگا میں نہیں سمجھتا کہ انگریز کو نکال کر ہم نے کوئی اچھا کام کیا ہو اسی لئے تو ۱۹۴۷ء میں انگلینڈ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل نے صحیح کہا تھا کہ ہم بھارت کو ۵۰ سال پہلے آزادی دے رہے ہیں، ابھی یہ آزادی کے لائق نہیں ہیں۔اور یہ بھی کہا تھا کہ تم ملک کس کے حوالے کرکے جارہے ہو، چورلٹیروں اور بدمعاشوں کے حوالے کرکے ہندوستان کی رعایا کو مصیبت میں ڈال رہے ہو، یہ سب باتیں اور حالات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

ناصر : ماشاء اللہ آپ کو مولوی کہوں یا مسٹر کہوں یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے،’’ آدھے تیتر اور آدھے بٹیر‘‘ والے آپ کے دلائل نے مجھے حیرت میں ڈال دیا، آپ نے بہت سی

باتیں خلط ملط کردی اور قرآنی آیات کا بھی غلط سلط مطلب سمجھا ہے، پہلے تو سنئے ماضی کو بھلا کر مستقبل میں ہم کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتے، کامیاب منصوبے ہمیشہ ماضی کی تاریخ سامنے رکھکر ہی بنائے جاتے ہیں۔

دوسری بات آپکا یہ کہنا کہ آرین نسل اور مسلمان بھی اس ملک میں باہر سے آئے لیکن صرف انگریز کو ہی کیوں نکالا گیا؟ اور ان کے خلاف ہی ہندو مسلمان کیوں متحد ہوگئے؟ یہ تو آپ کو سوچنا ہیکہ آخر کیا وجہ ہوگی کہ انگریز کی اتنی شدت سے مخالفت ہوئی۔

سنئے! آریہ نسل شمال مغرب سے آکر ہندوستان کی ہی ہوکر رہی، انہوں نے دوبارہ شمال مغرب میں جانے کا یا ہندوستان کی دولت ملک سے باہر لے جانے کا کبھی نہیں سوچا، جبکہ انگریز نے ہندوستان کو اپنا وطن نہیں بنایا بلکہ ہندوستان کی دولت کو مال غنیمت سمجھ کر صرف لوٹ، کھسوٹ اور ڈاکہ زنی ہی زندگی کا مقصد بنایا، جہاں ان کا بس چلا اسکو لوٹ لیا، ہندوستانیوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لڑایا، کٹوایا اور پھر بندر بانٹ کی طرح ملک کو ہڑپ لیا، ہندوستان کی ہر خام چیز انگلستان پہنچانے کی ہی فکر کی، اسکی مزید وضاحتی تفصیل پڑھنی ہو تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کتاب ''نقش حیات'' پڑھئے حضرت نے تفصیلی طور پر اسکو ذکر کیا ہے، انگریز نے تاجروں کے بھیس میں ۱۶۰۶ء میں ۳۰ ہزار پاؤنڈ کا سرمایہ جمع کرکے ایسٹ انڈیا کمپنی بنا کر بنگال کو اپنا مرکز بنایا، تجارت کی آڑ میں اپنی فوجی طاقت بھی بڑھاتے رہے، اس درمیان شاہان مغلیہ کے دربار میں اپنے کو تاجر ظاہر کرکے بادشاہ سے پروانۂ امن حاصل کیا، لیکن سلطان اورنگ زیبؒ کی وفات ۱۷۰۷ء تک مغلیہ حکومت کے مضبوط ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکے، سلطان عالمگیرؒ کی وفات کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کمزور پڑگئی، تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کئے، جس کا افسوس ناک سانحہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں بنگال کے نواب سراج الدولہ کو اپنوں کی ہی سازش اور انگریزوں سے ملی بھگت سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اس وقت انگریزوں

نے بنگال کی آبادی پر جو ظلم وستم ڈھایا اور جس بری طرح بنگال میں لوٹ کھسوٹ چلائی وہ ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ اس واقعہ کے بعد کمپنی کی ہمت اور بڑھ گئی، اکثر نواب وامراء نے آپسی چپقلس کی بناء پر کمپنی سے مصالحت کرلی، آخر میں صرف ایک بہادر اور نڈر جنرل سلطان ٹیپو شہیدؒ رہ گئے تھے، مگر وہ بھی ۱۷۹۹ء میں گیڈر کے بجائے شیر کی موت قبول کرتے ہوئے شہید ہوگئے، تو انگریز کمانڈر لارڈ ہاؤس نے سلطان شہید کی لاش دیکھ کر بے اختیار کہا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے، دہلی کے مغلیہ حکومت کا چراغ سحری برائے نام ہی ٹمٹمار ہا تھا، اسکو بھی ۱۸۰۳ء میں مجبور ومقہور بادشاہ شاہ عالم سے جبرًا یہ معاہدہ لکھوالیا کہ "خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، اور حکم کمپنی بہادر کا"، اس اعلان نے ہندوستان سے مسلم اقتدار رخصت کرواکر غیر ملکی اقتدار ثابت کروادیا، پھر انگریز نے اپنے آہنی پنجے ملک پر گھاڑتے ہوئے سب سے پہلے نشانہ مسلمانوں اوران کی عبادت گاہوں کو بنایا، کوئی امیر ونواب اپنی بچی کھچی نوابی بچانے کیلئے انگریز کے خلاف زبان کھولنے کے روانہ تھے، مگر ایک بوریہ نشین فقیر دہلی میں بیٹھ کر اپنی چشم بصیرت سے حالات کا بغور مطالعہ کرر ہا تھا اور مستقبل کے عزائم ومنصوبے بنار ہا تھا، ایسے نازک ماحول میں وہ انتہائی جرأت وحمیت اور دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا تفصیلی وجوہات کے ساتھ فتوی جاری فرمایا، یہی فتوی ہندوستان کی آزادی کا نقطۂ آغاز ہے جس نے دردمندان ملت سے یہ اپیل کی کہ دین کی حفاظت اور مادر وطن کیلئے سفید فام استعمار سے ٹکرلینا ضروری ہے، یہ بوریہ نشین ہندوستان میں مسند حدیث کے تنہا وارث حضرت شاہ عبدالعزیز تھے، جو اپنے والد شاہ ولی اللہؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں کی علمی، روحانی اور سیاسی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہے تھے، آپ نے اپنے فتوی پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جب ۱۸۰۸ء میں مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر اوران کے منہ بولے بھائے نواب امیر خان نے انگریز کے خلاف متحدہ محاذ بنایا تو اپنے خاص مرید ومعتقد حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلی کونواب

صاحب کی فوج میں شامل ہونے کا حکم دیا، نواب کی انگریزوں سے صلح کی خبر سن کر ۱۸۱۸ء میں سید صاحب نے مستقل تحریکِ جہاد و آزادی کی جد و جہد کا آغاز فرمایا اس موقع پر تحریک کے سرپرست اعلیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے روانگی کے وقت اپنی سیاہ دستار اور سفید کرتا پہنا کر رخصت کیا، لیکن اپنوں ہی کی بے وفائی سے اس عارضی اسلامی حکومت کو سکھوں کے مقابلے میں دغابازی سے بالاکوٹ کے معرکہ میں شکست ہوئی، سید احمد شہیدؒ نے اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ۷/مئی ۱۸۱۳ء میں جام شہادت نوش فرمایا۔

بنا کردند خوش رسمے خاک و خون غلطیدن	-	خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ھارون : اچھا! میں نے تاریخ میں پڑھا ہیکہ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں اور غیر مسلموں نے ملکر انگریز کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا تھا اور بہادر شاہ ظفر کو دہلی کا بادشاہ تجویز کیا اس وقت بھی ۳۱/علمائے کرام کی دستخط کے ساتھ جہاد کا فتویٰ صادر ہوا تھا اور جنرل بخت خان کے ساتھ ملکر بغاوت کی تھی، اسکی ناکامی پر بھی انگریز کی طرف سے کوئی ظلم وتشدد ہوا تھا؟

ناصر : یہ بھی انگریز کی مکاری ہیکہ ہماری تحریک آزادی کو بھی ہماری تاریخ میں غداری اور بغاوت کے برے نام سے موسوم کروایا، اور سنئے! دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد انگریز نے نہایت بے دردی کے ساتھ ہزاروں ہندوستانیوں کو قتل کر دیا، ۲۷ ہزار افراد کو پھانسی پر لٹکا دیا، جو بھی معزز مسلمان انگریز کے ہاتھ چڑھ گیا اسکو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لے جاتے، اسکی گردن میں پھندا ڈالکر ہاتھی کو آگے بھگاتے، جس سے آنکھیں ابل پڑتیں، زبان باہر نکل آتی، بقول ایک انگریز عورت کے پھانسیوں پر لٹک جانے والوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر انگریزی ہندسہ کا 8 کا عدد بن جاتی، ایک ہندو مؤرخ رام گپت نے لکھا ہیکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ۵ لاکھ مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔

سچی بات یہ ہے کہ سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے بعد بھی علماء کرام اور مسلم عوام مسلسل جہاد میں مصروف رہے، شاہ اسحاق، مولانا نصیر الدین، علماء صادق پور، مولانا ولایت علی،

عنایت علی، مولانا یحییٰ، مولانا سرفراز علی وغیرہ علماء کرام کی مساعیٔ جمیلہ اور جہد مسلسل نے ۱۸۵۷ء تک آزادی کی تحریک کو زندہ رکھا تھا۔

ھارون: اچھا علماء دیوبند نے اس تحریک میں کچھ حصہ لیا تھا؟

ناصر: علماء دیوبند خاص کرکے اکابرین حاجی امداداللہ، حافظ ضامن شہید، حضرت گنگوہی، مولانا نانوتویؒ وغیرہ بزرگوں نے شاملی (جو اس زمانہ میں فوج کا مرکزی مقام تھا) پر حملہ کیا، تھانہ بھوَن کی شکست اور سقوط کے بعد اکابرین کی گرفتاری عمل میں آئی، حاجی صاحب دوسال روپوش رہ کر مکہ مکرمہ ہجرت کرکے تشریف لے گئے، حضرت نانوتوی بھی عام معافی تک روپوش رہے، حضرت گنگوہی کو گرفتار کرکے چھ ماہ قید وبند میں رکھا گیا، ان بزرگوں کی تلاش کیلئے انگریز کے مخبروں نے کوئی کسر نہ اٹھارکھی، لیکن نصرت خداوندی ہر وقت شامل حال رہی۔

ھارون: اچھا آپ سے یہ سوال کرنا ہیکہ تحریک آزادی کی تاریخ میں ریشمی رومال، مالٹا کی قید، جمعیۃ الانصار، نظارۃ المعارف، مکہ معظّمہ کے ترکی گورنر غالب پاشا کا غالب نامہ، کابل میں مولانا عُبید اللہ سندھیؒ کی سرگرمیاں، حضرت شیخ الہند اور شیخ الاسلام کی مکہ مکرمہ میں گرفتاری، ترکی خلافت سے براہ راست شیخ الہند کا رابطہ اور خط وکتابت، دوسری طرف جرمنی کے قیصر کو اعتماد میں لینا، کابل میں جلاوطن سرکار قائم کرنا، جس کے صدر مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور وزیر مولانا عبید اللہ سندھی کو بنانا، یہ سب کیا بھول بھلیاں اور اسرار ورموز ہیں جو آپ لوگ بہت زور شور کے ساتھ تحریک آزادی کے نام پر ذکر کرتے رہتے ہیں؟

ناصر: بھائی! آپنے بہت اچھا اور اہم تاریخی سوال اٹھایا ہے جس میں تسلسل کے ساتھ ۱۸۵۷ء کے بعد سے آزادی تک کی علماء دیوبند کی ایک عظیم مجاہدانہ وسرفروشانہ، قائدانہ وعاقلانہ دوراندیشی وباریک بینی کے ساتھ انتہائی خفیہ ورازدارانہ تحریک کا تذکرہ ہے، یقیناً یہ

ایک بہت بڑی اسکیم و پلان تھا، جو ہندوستان کی آزادی کیلئے ہندوستان سے باہر انگریز کے دو بڑے طاقتور دشمنوں سے ساز باز اور خفیہ طریقہ سے انجام دیا جارہا تھا یہ اگر کامیاب ہوجاتا تو ہندوستان والے ۱۹۲۰ء میں ہی بڑی آن بان سے شاندار اور فاتحانہ طور پر انگریز کو ملک بدر کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔

ھارون: ذرا تفصیل سے یہ واقعہ ذکر کیجئے کیونکہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں بھی اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے، جبکہ آپ کے کہنے سے پتہ چلتا ہیکہ شاید اتنی منظّم عالمی تحریک تو پوری تحریک آزادی کے ۱۵۰/سال میں کبھی بھی وجود میں نہیں آئی تھی۔

ناصر: جی ہاں! آپ کی بات صحیح ہے، ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد علماء دیوبند نے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی، یہ صرف ایک مدرسہ نہ تھا بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کیلئے رجالِ کار تیار کرنے تھے، جو انگریزی فتنہ کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دس سال بعد بانی دارالعلوم حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے ایماء پر فرزندان دارالعلوم کو ایک اجتماعی نظم میں مضبوط کرنے کیلئے باقاعدہ ایک انجمن ثمرۃ التربیت قائم کی گئی، حضرت نانوتویؒ کے انتقال کے بعد انفرادی طور پر شیخ الہند نے ۳۰ سال تک نہایت راز داری کے ساتھ انجمن کے مقاصد کی تکمیل کیلئے آبیاری فرمائی، آپ کے شاگردِ خاص علامہ عُبید اللہ سندھیؒ نے سندھ میں دارالرشاد نامی مدرسہ قائم فرما کر شیخ الہند کا دورۂ سندھ کرواکے آزادئ ہند کی اس خفیہ تحریک کو پروان چڑھایا، اسی طرح دوسرے علاقوں میں مراکز قائم ہوئے، شیخ الہند نے ازسرِنو تنظیم کیلئے ۱۳۲۷ھ میں جمعیۃ الانصار کی تشکیل فرمائی، اور علامہ سندھیؒ کو دیوبند بلالیا، اولاً ۱۹۱۱ء میں دارالعلوم میں عظیم الشان جلسۂ دستار بندی کا انعقاد کیا، ۳۰ ہزار افراد نے شرکت کی اور شیخ الہند سے فکری وابستگی رکھنے والے علماء نے مل بیٹھکر آئندہ کا لائحۂ عمل طے کیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند کے حکومت کی نظر میں آجانے کے خوف سے دہلی کو مرکز

بنا کر نظارۃ المعارف قائم ہوا، ۱۹۱۴ء میں برطانیہ و جرمن میں جنگ عظیم رونما ہوئی تو شیخ الہندؒ نے اس سے بھر پور فائدہ اٹھا کر انگریز سے باقاعدہ جنگ چھیڑ دی اسکے لئے افغانستان کی حکومت سے امداد کیلئے علامہ سندھیؒ کو بھیجا، اور خلافت عثمانیہ ترکی سے گفتگو کرنے کے لئے خود شیخ الہندؒ نے حجاز مقدس کا سفر کیا، ۱۹/اکتوبر ۱۹۱۵ء ترکی کے گورنر غالب پاشا سے ملاقات کر کے ہندوستان کی صورت حال سے مطلع فرمایا، غالب پاشا نے مسلمانانِ ہند کے نام ایک پیغام حضرت شیخ الہند کے حوالے کیا، جس میں ظالم انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کی گئی تھی، یہی پیغام غالب پاشا کے نام سے جانا جاتا ہے۔

دوسری طرف مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے کابل پہونچ کر ہندوستان کی جلاوطن حکومت تشکیل دی اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو اسکا صدر بنایا لیکن و کان امر الله قدرًا مقدورا کے پیش نظر ترکی اور جرمنی کی جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا، امریکہ کی مداخلت اور روس و برطانیہ کی حمایت میں لاکھوں فوجیوں کو بھیجنے سے ترکی و جرمنی کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

دوسری طرف انگریز کی سازش سے شریف مکہ نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی، جس کے نتیجے میں عرب علاقوں سے ترکی خلافت کے خاتمہ کے ساتھ امداد ملنا بند ہوگئی، بلکہ انگریز آقا کو راضی کرنے کیلئے شیخ الہند کی گرفتاری بھی عمل میں آئی، اور آپ کو قید کر کے مالٹا کی جیل میں بھیج دیا گیا جس کی وجہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ایک خط جو آپنے ریشمی رومال پر تحریر کر کے شیخ الہندؒ کے نام روانہ کیا، لیکن نامعلوم وجوہات سے یہ خط انگریز کے جاسوس رب نواز نامی شخص کے ہاتھ پہونچ گیا، اس نے ملتان ڈویزن کے کمشنر کو دیا، اسکے واسطے سے یہ راز فاش ہو گیا، ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ انگریز نے ایک ہندوستانی ایجنٹ مبارک علی کے ذریعہ شریف مکہ سے علماء حرم کے ذریعہ ترکوں کی تکفیر کا فتوی تیار کروایا، یہ مضمون شیخ الہندؒ کے پاس بھی پہونچا، آپ نے اتنے بڑے محسن ترکوں کے خلاف دستخط کرنے سے انکار

کیا،سب سے پہلے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی گرفتاری عمل میں آئی، پھرانگریز کی طرف سے دھمکی دی گئی کہ اگر شام تک شیخ الہند کو حاضر نہ کیا گیا تو ان کے دونوں ساتھیوں مولانا عزیز گل اور حکیم نصرت حسین خاں کو گولی ماردی جائے گی تو شیخ الہند بھی حاضر ہو گئے، ۱۲/جنوری ۱۹۱۷ کشتی پر سوار کر کے مصر کیلئے روانہ کئے گئے، قاہرہ سے شہر جیزہ کے قید خانے میں لے گئے، وہاں سب سے انفرادی طور پر سختی کے ساتھ تفتیش کی گئی، لیکن سب کے جواب یکساں ہی ملے، انتہائی کوشش کے باوجود مطلوبہ مفاد ہاتھ نہ آیا، ورنہ پھانسی کی سزا تجویز کر دی تھی۔ پھر وہاں سے مالٹا کیلئے ۱۶/فروری ۱۹۱۷ کو روانہ کیا، اور ۱۲/مارچ ۱۹۲۰ کو آپ اور آپ کے رفقاء کو رہا کیا گیا، یہ ہے وہ دل خراش داستان جو تحریک آزادی کی ایک تاریخی پہیلی ہے۔

ھارون: بھائی آپ نے تو داستان درد وغم اس طرح بسط وتفصیل سے سنائی کہ اب اسکی تکمیل کے بغیر آپ کو چارہ ہی نہیں ہوگا، لہذا آپ سے اگلا سوال یہی ہیکہ آزادی کا وہ مجاہد اوراس کے رفقائے کار مالٹا کی رہائی کے بعد ہندوستان واپس آئے؟ یا اپنوں سے مایوس ہو کر اور حالات کی سنگینی کی تاب نہ لا کر اپنے لئے کسی گوشۂ گمنامی کو ہی پسند کر لیا؟ یا پھر نئے حوصلے اور نئے جذبات کے ساتھ تحریک آزادی کو تجربات وحالات کی روشنی میں نیا رخ دیا؟

ناصر: شیخ الہندؒ وہ مرد آہنی تھے جنکے بزرگوں نے ۱۸۵۷ کی شکست کے بعد جیسے نئے مورچے کے طور پر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تھی، تو شیخ الہندؒ نے بھی مالٹا سے رہائی کے بعد ترک موالات کا اعلان کر کے تحریک آزادی کو نیا رخ عطاء کیا، آپ کی مالٹا اسیری کے دوران آپ کے ہونہار شاگرد حضرت مفتی کفایت اللہؒ وغیرہم نے ۱۹۱۹ء میں دہلی خلافت کانفرنس کے موقع پر اجلاس میں شریک علماء کرام کے مشورہ سے جمعیۃ علماء ہند کے نام سے اپنی باضابطہ دستوری جماعت تشکیل کرنے کا فیصلہ کیا، اور خلافت کمیٹی کے اجلاس امرتسر کے موقع پر جمعیۃ علماء کا پہلا اجلاس بلایا جو مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس کے عارضی

صدر مفتی کفایت اللہ صاحب کو بنایا گیا، اس درمیان شیخ الہند مالٹا سے بمبئی ساحل پر اترے، تو ہزار ہا افراد نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا، استقبال کرنے والوں میں مہاتما گاندھی جی اور گاندھی جی کو مہاتما کا خطاب دینے والے مولانا فرنگی محلی بھی شامل تھے، شیخ الہند نے سب سے پہلے ترک موالات کے ذریعہ انگریز سے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا، جامعہ ملیہ دہلی کا قیام بھی تحریک ترک موالات کا ہی نتیجہ تھا، شیخ الہند کے ہاتھوں ۱۹۲۰ میں جامعہ ملیہ کا آغاز ہوا، اسی درمیان جمعیۃ علماء کا دوسرا اجلاسِ عام شیخ الہندؒ کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوا، لیکن شدید ضعف کی وجہ سے آپ شریک نہ ہو سکے، اور اسکے ۹ر دن بعد ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ کو قائد حریت اور وقار علماء ہند نے دہلی میں وصال فرمایا، لیکن آپ کے شاگردوں اور دیگر علماء کرام نے انتقال کے بعد آپ کے مشن کی تکمیل کیلئے جان کی بازی لگادی، اور ملک کی تاریخ میں یہ تاریخ ساز فیصلہ ۱۹۲۶ میں کلکتہ جمعیۃ علماء کے اجلاس میں کیا کہ ہندوستان کی کامل آزادی ہمیں مطلوب ہے، اجلاس جمعیۃ علماء سے پہلے جزوی آزادی کے مطالبات کیئے جاتے تھے، یہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ علماء کرام نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا، نہرو رپورٹ کی مخالفت بھی جمعیۃ نے اسلیئے کی تھی کہ موتی لال نہرو کی قیادت میں جو مسوّدہ تیار ہوا تھا اس میں مکمل آزادی سے بچتے ہوئے حکومت سے کچھ رعایات حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا، بالآخر کانگریس نے اپنے اجلاس لاہور منعقدہ ۱۹۲۹ میں اسکو خارج کر کے جمعیۃ علماء کی طرح مکمل آزادی کی تجویز منظور کی، اس طرح کانگریس سے ۵ سال پہلے جمعیت علماء نے کامل آزادی کا اعلان کر کے کلیدی حیثیت حاصل کی۔

ھارون: اچھا! بات طویل ہوتی جارہی ہے لہذا صرف ۲، ۳ بنیادی سوال کر کے اپنی بات ختم کرنے جارہا ہوں، یہ مسلم لیگ کا قیام اور پھر فرقہ وارانہ بنیاد پر پاکستان کا مطالبہ اور پھر اِلیکشن کرانے کا انگریز گورنمنٹ کا اعلان اور پاکستان کا نشہ مسلمانوں میں مسلم لیگ نے ایک

حدتک چڑھا دیا اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے بھی دعوی کیئے، جمعیت علماء نے ایک حدتک اس کے ساتھ صلح کا بھی رویّہ اپنایا، مفتی کفایۃ اللہ صاحب اور مسٹر جناح میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی وساطت سے گفتگو بھی ہوئی تو جمعیۃ علماء نے آزاد ہندوستان میں ہندو مسلم مسئلہ کو حل کرنے کیلئے کیا سوچا تھا؟ مسلم لیگ نے تو ایک ملک کی مانگ رکھی تھی آپ کے علماء کرام نے کیا لائحۂ عمل یا فارمولہ پیش کیا؟

ناصر: بھائی! جمعیۃ علماء کے قائدین ملک وملت دونوں کیلئے حد درجہ مخلص تھے، وہ آزاد ہندوستان میں ایسی نظام حکومت کے قیام کیلئے کوشاں تھے، جس میں ہندو اور مسلم برابر شریک ہوں کسی کو کوئی نقصان نہ ہو، لہذا جمعیۃ نے تقسیم ہند کے مقابلے نہایت معتدل فارمولہ پیش کیا۔

[۱] آزاد ہندوستان میں مسلمان مذہبی، تہذیبی، معاشرتی ہر اعتبار سے آزاد ہوں گے اور وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جن کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

[۲] آزاد ہندوستان میں صوبے خود مختار ہوں گے اور ان سب کا ایک مرکز ہوگا جسے صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کردیں۔

[۳] مرکزی پارلیمنٹ کے ممبروں کی تعداد کا تناسب اس طرح ہوگا: مسلمان ۴۵، ہندو ۴۵، دیگر اقلیتیں ۱۰۔

[۴] اگر کسی بل یا تجویز کو مذہبی آزادی کے مخالف ہونے کی بنا پر مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت تسلیم نہ کرے تو ایسا بل مرکزی حکومت میں پاس نہ ہوسکے گا۔

[۵] ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ججوں کی تعداد برابر ہو۔

یہ فارمولہ اگر مان لیا جاتا تو مستقبل کے ہندوستان میں بالخصوص مسلمانوں کے لیے زبردست فائدہ کا ذریعہ بنتا، اس لیے کہ صوبوں کی خود مختاری کی صورت میں ان تمام صوبوں میں مسلم حکومتیں قائم ہوجاتیں، جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، مثلاً غیر منقسم پنجاب، بنگال،

صوبہ سرحد، سندھ وغیرہ، اور مرکزی حکومت میں مسلمان اتنے مؤثر ہوتے کہ ان کی منشا اور مرضی کے خلاف کوئی قانون منظور نہیں ہوسکتا تھا۔ (نیز اس فارمولے کے ذریعہ اگر بالفرض بعد میں غیر مسلموں کی طرف سے ناانصافی سامنے آتی تو بہت سی مسلم حکومتیں الگ سے بھی وجود میں آسکتی تھی) الغرض یہ فارمولہ ہر طرح سے مسلمانوں کیلئے نفع بخش تھا۔

ھارون: آخر کیا وجہ تھی کہ علماء کرام اتنی شدت سے تقسیم کی مخالفت کررہے تھے؟

ناصر: یہ حق پرست علماء اپنی دوررس نگاہوں سے مجوزہ پاکستان کے بھیانک انجام کو دیکھ رہے تھے، ان کو اندیشہ تھا کہ:

الف: جو کروڑوں مسلمان ہندو اکثریت کے علاقوں میں اقلیت بن کر رہ جائیں گے وہ پوری زندگی بے سہارا رہیں گے، اور دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی گذاریں گے۔

ب : جو مسلمان ہجرت کر کے پاکستان جائیں گے، سالوں رہنے کے باوجود اپنے آپ کو وطنی اور نسلی امتیازات کے دائرے سے نہ نکال پائیں گے۔

ج : پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا جو سنہرا خواب دکھایا جارہا ہے وہ محض ''سراب'' ثابت ہوگا۔ اس لیے کہ مسلم لیگ کی زمام قیادت ایسے ملحدین اور بددینوں کے ہاتھ میں تھی جن کی عملی زندگی میں اسلام اور اسلامی شعائر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ صرف سیاسی فائدے کے لیے ہی اسلام کا نام لیتے تھے، بلکہ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے پاکستان کی مجوزہ حکومت کے دینی یا دنیوی ہونے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ اسے مہمل سوال کہہ کر ٹال دیتے تھے۔

د : مجوزہ پاکستان میں مشرق ومغرب کے دو الگ الگ ایسے حصے کئے گئے تھے جن میں اتحاد قائم رہنا فطرت کے خلاف تھا، اور ان میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے شدید ترین خون خرابہ کا خطرہ یقینی تھا۔

ہ : پھر ہندوستان کے مختلف حصوں بالخصوص دہلی اور مغربی یوپی میں مدارس ومساجد اور مسلم

اوقاف کا جو وسیع جال بچھا ہوا تھا ان سب کے ضائع اور ویران ہونے کا شدید اندیشہ تھا۔

یہی سب وجوہات تھیں جن کی بنا پر جمعیۃِ علماء ہند آخری وقت تک تقسیم ہند کی مخالفت کرتی رہی ہے، جمعیۃ علماء ہند نے اپنی مجلس عاملہ منعقدہ مئی ۱۹۴۷ میں اعلان کیا ’’ہمیں افسوس ہے کہ کانگریس اس نازک مرحلہ پر اپنی جگہ مستحکم نہ رہ سکی اور اس نے اپنی روایات کے برخلاف تقسیم پنجاب کے مسئلہ پر مہر تصدیق کر کے قومی نقطۂ نظر کو سخت نقصان پہنچایا، جمعیۃ علماء ہند ان تاریک پہلوؤں کے متعلق صاف صاف اعلان کر چکی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے مزعومہ پاکستان اور ہندو مہا سبھا کے اکھنڈ ہندوستان اور کانگریس کی حالیہ تجویز تقسیم پنجاب یعنی تقسیم در تقسیم کو ایک لمحہ بھی گوارا نہیں کر سکتی۔

ھارون: آخر کانگریس جو ملک کے سبھی فرقوں کی نمائندگی اور قومی اتحاد کی زبردست دعویدار تھی اس نے بھی ملک کی تقسیم کی تائید کیسے کی؟

ناصر: کانگریس کے صف اول کے رہنماؤں کی ایک مخصوص لابی جس کی قیادت سردار پٹیل کر رہے تھے، حکومت میں مسلمانوں کی حصہ داری کے خلاف تھی، اور حکومت کے تجربہ کی روشنی میں اس نے دل میں یہ بات بٹھالی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ حکمرانی میں نبھاؤ ناممکن ہے، یہ لابی مسٹر گاندھی اور جواہر لال نہرو کا ذہن بنانے میں بھی کامیاب ہوگئی، اور شدید مایوسی اور حسرت کے عالم میں کانگریس نے اپنی روایات کو خود اپنے ہاتھوں روندتے ہوئے مسلم لیگ کے دو قومی نظریئے کے سامنے گھٹنے ٹیک کر تقسیم کی منظوری دے دی، مولانا ابوالکلام آزادؒ ۱۴؍جون ۱۹۴۷ کی میٹنگ کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’میں اس کمیٹی کے بہت سے جلسوں میں شرکت کر چکا ہوں مگر اب تک ایسے عجیب وغریب جلسہ میں شرکت کی نوبت نہیں آئی تھی، وہی کانگریس جس نے ہمیشہ ملک کی آزادی اور اتحاد کے لیے جان کھپائی تھی، اب ملک کی تقسیم کے بارے میں خود ایک تجویز پر غور کرنے جارہی تھی‘‘۔

ہارون: آزادی کے اعلان کے بعد جوفرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے، وحشت و بربریت کا عفریت ننگا رقص کرنے لگا، کتنے قافلے جوترک وطن کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے تھے راستہ ہی میں موت کا نوالہ بن گئے، ان دوطرفہ ہنگاموں میں اندازا کتنے آدمیوں کی جانیں ضائع ہوئی، نیز اتنے بڑے پیمانے پر قتل وغارت گری کا اصل سبب کیا بنا؟ اوراس سنگین جرم کے ذمہ دارکون لوگ ہیں؟

ناصر: پنڈت سندرلال کا بیان ہے کہ خونی انتقال آبادی کے واقعہ میں کم ازکم فریقین کے پانچ لاکھ افراد مقتول ہوئے، اربوں روپیہ کا مالی نقصان ہوا، ہزار ہاہزار افراد کو جن میں خواتین بھی شامل ہیں، اغوا کر کے مذہب کی تبدیلی پر مجبور کیا گیا، مہینوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

یہ قتل وغارت گری اس وجہ سے ہوئی کہ تقسیم کے ساتھ آبادی کے تبادلہ کا بھی فیصلہ کیا گیا، جس کا بڑا سبب پنجاب اور بنگال کی فرقہ وارانہ تقسیم کا کانگریسی نظریہ تھا، اگران دونوں صوبوں کی تقسیم نہ ہوتی اور یہ کہہ دیا جاتا کہ دونوں آبادیاں ہندوستان کا حصہ رہیں گی اور ہرجگہ کے باشندوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے تو غالبا تبادلہ آبادی کی نوبت نہ آتی اور ملک کی زمین اس بدترین خونی انقلاب سے رنگین نہ ہوتی، اس لیے تاریخ کے حوالے سے ہر منصف یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ پنجاب اور دہلی کے قتل عام کی ذمہ داری اگر مسلم لیگ پر ہے کہ اس نے تقسیم کی تحریک چلائی تو کانگریس کا دامن بھی بے شمار انسانوں کے خون سے تربتر ہے، جس کی تجویز پر پنجاب اور بنگال کی فرقہ وارانہ تقسیم عمل میں آئی، اور تبادلہ آبادی کا رجحان ابھرا، یہ تقسیم درتقسیم ہی بظاہر اتنے بڑے پیمانے پرخون ریزی کا سبب بنی، اگر کانگریس اور ہمارے برادران وطن کچھ ایثار سے کام لیتے تو ممکن تھا کہ قتل وبربریت کے اس ننگے ناچ کا وجود نہ ہوتا۔

ھارون: ایسے نازک ماحول میں مسلم لیگ وکانگریس بالخصوص مسلم لیگ کے قائدین نے کیا کردار ادا کیا؟ اور جمعیۃ علماء کرام نے کیا کردار ادا کیا؟ مسلمانوں کوسہارا دینے والا اور مجروح جذبات کوتسکین دینے والا کوئی تھا یانہیں؟

ناصر: تقسیم کے بعد مسلم لیگ کے سبھی قائدین مسلمانوں کو بے یارومددگار چھوڑ کر پاکستان جاچکے تھے، اور ہندوفرقہ پرستی کی تلوارسر پرلٹک رہی تھی، ایسے ماحول میں جمعیت علماء ہند کے قائدین بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، سحبان الہند مولانا احمد سعید، مجاہد ملّت مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے ہندوستان میں مسلمانوں کو جمائے رکھنے اوران کی سراسیمگی دورکرکے انہیں عزم وحوصلہ عطا کرنے میں جوعظیم خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر عالم اسباب میں دارالحکومت دہلی میں حضرت مجاہد ملت کا وجودِ باسعادت نہ ہوتا تواس شہر کی مسلم آبادی، اوراسلامی آثار وشعائر اس طرح کھرچ دیئے جاتے کہ جن کا بعد میں نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا، حضرت مجاہد ملتؒ نے مسٹر گاندھی اور جواہر لال نہرو سے مل کر دہلی میں مسلمان پناہ گزینوں کی حفاظت اوراُجڑے ہوئے مسلمانوں کی بازآبادکاری کا کام سردار پٹیل جیسے فرقہ پرست وزیرداخلہ کے علی الرغم انجام دیا، قتل وغارت گری کوروکنے کے لیے مسٹر گاندھی نے جومَرن بَرت رکھا تھاوہ بھی دراصل اکابر جمعیۃ کی مخلصانہ جدوجہد کا ایک مظاہرہ تھا، جس نے حکومت کا رخ بدلنے میں نہایت مؤثر کردارادا کیا۔ اسی طرح دہلی کے اطراف میں میوات کے تقریباً تین لاکھ مسلمانوں کواپنی جگہ استقامت کے ساتھ جمائے رکھنے میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بنیادی کردارادا کیا ورنہ فرقہ پرستوں کا پلان یہ تھا کہ یا تو میواتی مسلمانوں کوترک وطن پرمجبور کیا جائے یاانہیں مرتد بنالیا جائے، حضرت مجاہد ملت کی کوششوں سے یہ شرپسند اپنے منصوبہ میں

کامیاب نہ ہوسکے، اسی طرح بزرگان دین کی درگاہوں، درگاہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور درگاہ سرہند شریف کو واگذار کرانے میں حضرت مجاہد ملتؒ نے زبردست جدوجہد فرمائی، اللہ تعالی ان کی خدمات کا انکو بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے دہلی کی جامع مسجد میں ہزارہا ہزار مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر بھی غور کرلو، تمہیں محسوس ہوگا کہ یہ غلط ہے، آخر کہاں جارہے ہو اور کیوں جارہے ہو؟ یہ مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کردیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے، حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ کے مکان پر سہارنپور میں دو حضرت رائپوری و حضرت مدنی اور حضرت شیخ الحدیث کا مشورہ ہوا حضرت رائپوریؒ نے پاکستان جانے کے فوائد بیان فرمائے مگر حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ گرچہ میرا وطن مدینہ منورہ ہے اور چھوٹے بھائی محمود وہاں بلا بھی رہے ہیں لیکن میں ہندوستانی مسلمانوں کو اس بے سروسامانی اور قتل وغارت گری میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا ان اکابر ثلاثہ کے ہندوستان میں ہی رہنے کے فیصلے نے ہزاروں مسلمانوں کے پاکستان جانے کے لئے بندھے ہوئے بسترے کھول دیئے اور آج ان علاقوں کی علمی و تمدنی رونق ان حضرات کے تاریخ ساز فیصلے کا ہی اثر ہے۔

آزادی کے بعد علماء بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے (جو دونوں ہندوستان کی دستور ساز کونسل کے رکن رکین تھے) اول اس جانب توجہ کی کہ نئی ہندوستان کا دستور ایسا بنے جس میں یہاں کے ہر باشندے کو یکساں حیثیت ملے اور مکمل مذہبی آزادی عطا کی جائے، چنانچہ اس میں کامیابی ملی اور کانگریس میں علماء کے اثر ورسوخ

سے یہ بڑا فائدہ مسلمانوں کو پہنچا کہ پاکستان بن جانے کے باوجود دستوری اعتبار سے ان کے حقوق میں کمی نہیں کی گئی، یہ الگ بات ہے کہ عملی اعتبار سے بہت سی ناانصافیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں، لیکن ان ناانصافیوں پر مسلمانوں کو شکایت کا حق اسی دستوری آزادی کی وجہ سے ہے جس کی تیاری میں علماء کا زبردست کردار ہے، یہ دستوری استحقاق علماء کی ایسی عظیم الشان خدمت ہے جس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔

الحمدللہ آج بھی علماء اور ان کی جماعت ''جمعیۃ علماء'' اسی راہ عمل پر قائم ہے۔ جو اس نے آزادی کے بعد اپنے لیے متعین کر لی تھی، بڑے بڑے ناسازگار جذباتی حالات میں بھی علماء کی قیادت پر اعتماد کیا ہے، ان کے لئے بھلائی اور خیر کے راستے سامنے آئے ہیں، اور جب مسلمانوں نے علماء کرام کو چھوڑ کر دین سے بے بہرہ لیڈروں کا دامن تھاما ہے، انہیں دُشواریوں اور ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، ماضی اور حال کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

هارون: ماشاء اللہ آپ نے تحریک آزادی میں علماء کرام کی روشن وتابناک تاریخ سے واقف کرا کے میرے عزم وحوصلے بڑھائے، میں ضرور آپکے جلسے میں استفادہ کی غرض سے حاضر رہوں گا۔

ناصر: چلئے۔ تو پھر۔

هارون: ضرور السلام علیکم.......

اسلام اور سیکولرزم

ھارون : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الیاس : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔کیا بات ہے،آپ تو پہچانے ہی نہیں گئے ، یہ سیاسی لوگوں جیسا جبّہ، پائجامہ، کندھے پر رومالیہ اور ہاتھ میں فائل لیکر کہاں جارہے ہیں؟

ھارون : ارے آپ کونسی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں! آپ کو معلوم نہیں کہ ۲۵ راگست کو پارلیمنٹ کا الیکشن ہونے جارہا ہے، جسمیں میں نے پارلیمنٹ کی ممبری کا فارم داخل کیا ہے ،بہت سے لوگوں نے ممبری فارم داخل کئے تھے، بھاؤ بہت چل رہے تھے،لیکن بڑے لوگوں سے اچھے تعلقات کی وجہ سے پچاس لاکھ روپئے دیکر ممبری حاصل ہوگئی ،الیکشن کی تیاری ہے،اس لئے رات دن انتخابی مہم میں مصروف ومشغول رہتا ہوں،آپ کو بھی فرصت ہوتو کسی دن ہمارے ساتھ چلئے ،یا کم از کم اپنے دوست واحباب اور حلقۂ اثر میں ہماری کامیابی کی مہم چلائیں،ہم آپ سے بعد میں سمجھ لیں گے! سمجھ گئے نا؟

الیاس : میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ،نہایت تیز ہے یورپ کے رندے ممبری،کونسل، صدارت حاشَا وَکلّا،توبہ توبہ سیاست کی وادیٔ خاردار سے اللہ تعالی کی پناہ، یہ سب سیاسی داؤ پیچ، دغابازی، رشوت وغیرہ آپ کے سپرد ہے،اس کشکول (پیٹ) میں یہ سب کھیچڑا بھر کے ہی تو اتنی بڑی کی ہے، مجھے تو اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہے، یہ سب بیکار چیزیں ہیں،اسمیں مشغول ہونیوالے بھی قوم وسماج کے سب سے نکمے اور بیکار لوگ ہوتے ہیں، کسی جگہ نوکری یا کاروبار نہ چلے تو پبلک کو الو بنانے کی یہ مفت لال فیکٹری اچھی ہے،قوم کا مال کھا کر قوم کے یہ لیڈر قوم کے گیڈر بنے ہوئے ہوتے ہیں، کسی جگہ زیادہ بارش یا زلزلہ جیسی کوئی بڑی مصیبت

آجائے،تو لیڈر قوم کے گیدڑ کی طرح منڈلاتے رہتے ہیں،غریبوں اور پریشان حال لوگوں کے بجائے ساری رقومات اور قیمتی چیزیں یہی لوگ ہڑپ کے لے جاتے ہیں۔

ھارون : ارے بھائی! آپ تو بگڑ گئے،آپ نے جمہوریت اور سیکولرزم کو سمجھا ہی نہیں ہے،اس لئے اِدھر اُدھر کی بکواس کرتے ہیں،آپ کو معلوم ہی نہیں کہ سیکولرزم کتنی بڑی نعمت ہے،ہم انگریز کے غلام تھے،اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے علمائے کرام اور دیگر لیڈروں کی جدوجہد سے ہم کو آزاد کرایا،ملک کا نظام جمہوری بنایا،جس کی وجہ سے ملک کے تمام باشندوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوئے، ملک کا ادنیٰ آدمی بھی بڑے سے بڑے سرکاری افسر کی بدعنوانی کو بے خوف وخطر بیان کرسکتا ہے،اس میں عوام کی سچی نمائندگی،سیاسی استحکام وتوازن،آزادیٔ فکر اور حکومت پر بے لاگ تبصرہ کیا جاسکتا ہے،اخبارات اور ٹی.وی.کے ذریعہ حکومت اور حزب مخالف کی غلط کارروائیوں کو آشکارا کیا جاسکتا ہے،یہ سب الیکشن اور ووٹنگ کی برکت سے ہے،اتنی مفید چیز کو آپ بیکار اور فالتو قرار دیتے ہیں؟ یہ اخبارات کی کٹنگ دیکھئے، اسمیں لکھا ہے کہ اب تو اسلامی اور عربی ملکوں میں بھی جمہوریت اور سیکولرزم کی صدائے بازگشت سنی جارہی ہے،ترکی،مصر،ایران اور اردن جیسے ممالک تو کب سے جمہوریت کی ڈگر پر چل رہے تھے،اب تو کویت اور سعودی عرب جیسے خالص مذہبی ملکوں میں بھی سیکولرزم کی ہوائیں بہت تیزی سے پھیل رہی ہیں،وہاں کے حالیہ الیکشنوں میں عورتوں کو بھی انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت مل گئی ہے، چنانچہ کویت میں تو عورتوں کو منتخب نمائندگی حاصل ہوگئی ہے،اور مزید ترقی کچھ دنوں کے بعد آپ سنیں گے،سعودی میں عورتوں کو ڈرائیونگ کی اجازت نہیں ہے، لیکن آزادی کی لہر نے یہاں کی عورتوں کو سڑک پے اچھی ڈرائیونگ کرتے سیکھا دیا ہے، بلکہ شاہ عبداللہ جیسے قوم پرست نے آکر عورتوں کو وزیر بنانا بھی شروع کردیا ہے،ابتدائی عشق ہے روتا ہے کیا؟ آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا؟

الیاس :

بنائے خوب آزادی نے پھندے	-	نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

آپ تو میرے سامنے ایسا لیکچر دینے کھڑے ہوگئے گویا کہ کسی انتخابی جلسے میں عوام کالانعام کو بے وقوف بناتے ہو، آپ انگریزوں کے پٹھو مصر، ترکی اور اردن کا نام لے رہے ہیں، جہاں نام نہاد جمہوریت کے پردے میں ڈکٹیٹرشپ چلتی ہے، عوام کو جلسہ جلوس کی اجازت تو دور رہی، اپنے مذہبی شعائر کی ادائیگی میں بھی تکلیف ہو رہی ہے، اپنے ضمیر کی آواز کو وہ برملا ظاہر نہیں کرسکتے ہیں، ان کے قلب وضمیر پر فوجی حکومتوں کا آہنی پنجہ گاڑ دیا گیا ہے، اور سانس لینے کی بھی انکو آزادی نہیں ہے، ان کی جیلوں میں جن لوگوں کو بند کیا گیا ہے، ذرا آپ اسکی تحقیق کریں کہ کس جرم عظیم میں ان کو پکڑا گیا ہے؟ یہ داستان تو بہت اہم اور طویل ہے، اس پر گفتگو بعد میں کریں گے، اسوقت مجھے آپ سے صرف اتنا دریافت کرنا ہے کہ آپ کے اس بناوٹی سیکولرزم کا ثبوت قرآن وحدیث میں بھی کہیں ملتا ہے؟

ھارون : بھائی! آپ تو مجھے مفتیٔ اعظم سمجھ کر قرآن وحدیث کے فتوے طلب کر رہے ہیں، میرے جیسے دنیادار اور سیاسی آدمی کو قرآن وحدیث کے دلائل کہاں سے معلوم ہوسکتے ہیں، لیکن یاد رکھو ہم سیاسی لوگ ہر فن مولا ہوتے ہیں، اس لئے آپ جیسے لوگوں کو خاموش کرنے کیلئے جنرل نالج اور مذہبی دلائل کچھ کچھ یاد کر لیتے ہیں۔

الیاس : معلومات اور جنرل نالج نہیں بلکہ بہروپیا بننا پڑتا ہے ''گنگا گئے گنگا داس، اور جمنا گئے جمنا داس'' ہو جاتے ہو، ملک بھر میں مسلمانوں کے خون سے کھیلنے والے ہمارے سیاسی طور پر آنجہانی ہوئے سنگھ پریوار کے مایۂ ناز فرزندان مسٹر اڈوانی اور باجپائی صاحب کے ہرے صافوں اور پگڑیوں کو لوگ کیا بھول گئے ہیں؟

ھارون : خیر! بندہ بھی کچھ کم نہیں ہے، ہمارا بہروپیا پن بھی دیکھتے جایئے، ایسے دلائل

قرآن وحدیث سے پیش کروں گا، کہ آپ کے علماء کرام کی وہاں تک کبھی بھی رسائی نہیں ہوئی ہوگی، سنئے دیر ہو جائے گی، مجھے ابھی ایک پبلک جلسہ کو بھی خطاب کرنا ہے، تو آمدم برسر مطلب قرآن پاک اوراحادیث میں کثرت سے جمہوریت اور مساوات کا ثبوت ملتا ہے، ایک آیت کریمہ ہے "**وامرهم شورى بينهم**" اس سے پارلیمنٹ کا ثبوت ملتا ہے، دوسری آیت کریمہ "**وشاورهم فى الامر**" سے ووٹنگ کا ثبوت ملتا ہے، آپ ﷺ کا صحابہؓ سے صلاح ومشورہ کرنا، اسی طرح ہر خاص وعام کو بادشاہِ وقت کی غلطی پر تنبیہ کرنا، فکر ونظر اور قول و فعل کی آزادی وغیرہ حقوق اسلام اور جمہوریت میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں، ایک حدیث شریف **كلمة حق عند سلطان جائر** سے بھی حزب مخالف کا ثبوت ملتا ہے، خلفاء راشدین کا انتخاب بھی جمہوری طریقے پر کیا گیا ہے، الغرض جمہوریت وسیکولرزم اسلام کے شورائی نظام کے عین مطابق ہے، عالم اسلامی کے مشہور مفکر محمد ارکون صاحب عرب تنظیم برائے علوم وثقافت کے اہم ذمہ دار ہیں، انہوں نے اپنی بہترین کتاب **من الاجتهاد الى فقد العقل الاسلامى** میں اور **اليسار الغربى** نامی ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے دعوی کیا کہ سیکولرزم کا تعلق عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام سے زیادہ گہرا ہے، سیکولرزم پہلے اسلام کی بیٹی ہے، پھر دختر عیسائیت ہے، سیکولرزم کے سب سے بڑے علمبردار حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہے، جنہوں نے معتزلی خلیفہ مامون رشید کے خلاف صف آراء ہو کر اسے سبق سکھلایا، کہ سیکولرزم ایک اسلامی حقیقت ہے، امام احمدؒ نے قید وبند کی سلاخوں کو برداشت کیا لیکن یہ اعلان کیا: **لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق**، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیکولرزم کا تعلق اسلام اور یورپ کے موجودہ سیاسی نظام کے ساتھ برابر کا ہے، ان میں باہمی کوئی تعارض نہیں ہے، ڈاکٹر محمد ارکون کے علاوہ بھی عالمِ عرب کے بہت سے مفکرین، دانشور اور روشن خیال اسکالرز ہیں، جس میں ڈاکٹر محی الدین صابری، ڈاکٹر حسن حنفی، ڈاکٹر محمد امین عالم، ڈاکٹر فواد

زکریا، ڈاکٹر عبدالعظیم انیس، ڈاکٹر محمد عابد جابری، ڈاکٹر محمد حسین، ڈاٹر محمد عمارہ (عبداللہ عروس)، سعید بن سعید علوی، ڈاکٹر ترکی وغیرہ وہ چوٹی کے مفکرین ہیں، جنہوں نے ''عرب تنظیم برائے تربیت ثقافت وعلوم'' کے ماتحت بہت ساری اصلاحی، ادبی وتہذیبی کتابیں لکھ کر عالم اسلام کو انقلابی ذہن وفکر عطاء کی اور پورے عالم اسلام میں جمہوریت، سیکولرزم اور تہذیب وثقافت کی اصلاح میں بہت نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔

الیاس: بھائی! بہت اچھا ہوا کہ آپ نے ان مفکرین کا نام لیا جس سے ان کو بالخصوص اور آپ کو بھی پہچاننا آسان ہوگیا، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں یہ عرب تنظیم نہایت رازدارانہ طریقہ پر ایک ایسے خفیہ ادارہ میں تبدیل ہوگئی، جس پر مارکسیت، لادینیت، فرانسیت اور یہودی سیکولرزم سے وابستہ شعبدہ بازوں کا کھلونا بن گئی، اس تنظیم کی تمام سرگرمیوں کا خلاصہ مختصرً ا آپ کے سامنے نقل کرتا ہوں، جوانہیں نے عرب ثقافت کیلئے ایک جامع منصوبہ کے نام سے عرب ممالک کے ثقافتی امور کے وزراء کی کانفرنس کیلئے تیار کیا تھا، اسمیں لکھا ہے کہ (۱) غیب کی باتوں پر ایمان لانا عربی تہذیب کے زوال کا ایک اہم سبب ہے (۲) پچھلی صدیوں میں عرب اتحاد کا سبب مذہب تھا، اب موجودہ دور میں عرب قومیت اتحاد کا سبب ہے، (۳) مغربی تہذیب زبان ومکان کی قید سے آزاد ہر جگہ اور ہر زمانہ کیلئے قابل عمل ہے، جبکہ دوسری تہذیبیں مخصوص اور عارضی ہیں، (۴) مغربی سائنس اور ٹیکنالوجی حاصل کرنا ان کی ثقافت اور فلسفہ اختیار کئے بغیر ممکن نہیں ہے، (۵) یورپ سے آزادی اسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنے اسلامی علمی سرمایہ سے آزاد ہوجائیں (۶) عربی ثقافتوں کو دینی بندھنوں سے آزاد ہونا چاہئے، یہ محی الدین صابری کا تیار کردہ عرب ثقافت کے جامع منصوبہ کا خلاصہ جس میں ایک ایک تجویز کو ذرا غور سے پڑھنا اور پھر اس کے نتائج بھی سوچ لینا، یورپی آقاؤں کی رضامندی اور حق استاذگی ادا کرنے کے بعد ان کے ایک آقا ڈاکٹر جان

پول سارتر Jean poul Sartre ان عرب دانشوروں کے متعلق لکھتے ہیں، کہ ہم ہمارے دشمن عربوں کے لختِ جگراور نونہالوں کو اپنے سانچے میں ڈھال کر مفکرین کے روپ میں عرب ملک روانہ کرتے ہیں، ہم برلن، بلجیم اور پیرس میں بیٹھ کر صرف ''انسانی اخوت'' کی آواز لگاتے ہیں، تو عرب ملکوں میں اسکی بازگشت سنائی دیتی ہے، یہ عرب مفکرین ہمارے ایجنٹ تھے، جنہوں نے مغربی استعمار کی ثقافت، معاشیات، اخلاقیات کا زہریلا مادہ عربوں کے سایہ دار درختوں میں اُتار دیا، ہم نے ان ایجنٹوں کو تیار کیا، وہ ہماری زبان کو جاننے والے تھے، ان کی انتہائی آرزو اور اہم ترین مقصد تھا کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں، انہوں نے عربوں کی ثقافت وتہذیب اور مذہب واخلاق کو اندر سے کھوکھلا کر دیا، ان کے اعلیٰ اقدار، پاکیزہ افکار اور مقدس احساسات کو پراگندہ وپامال کر دیا، حتیٰ کہ ان کے انسانی اور اخلاقی جوہر اور صلاحیتوں کو بھی ملیامیٹ کر دیا، یہ سب ہم نے سیکولرزم اور آزادئ فکر ونظر کے عنوان سے کیا، یہ ایک یورپین جان پول سارتر نے ان عرب دانشوروں، روشن خیالوں اور جمہوریت کے علمبرداروں کے لئے استعمال کئے ہیں، جن کو عالمِ اسلام کے ایک بڑے غیور دین دار عالم، فاضل ڈاکٹر جمال سلطان، اپنی کتاب ''**الدفع عن الثقافة الاسلامية**'' میں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ میں ایک عرب مسلمان ہوں، یہ مضمون سُن کر ذلت ورسوائی محسوس کرتا ہوں کہ ایک یورپین ہمیں ذلت و رسوائی کی زبان میں اپنا ایجنٹ بنا رہے ہیں، کاش کہ ہمارے ان نام نہاد عرب دانشوروں کو اس کا احساس ہوتا۔

ھارون : میں تو آپ کے سامنے صرف سیکولرزم اور جمہوریت کی بات کر رہا ہوں جس کا تعلق صرف نظام سلطنت اور حکومت کے ڈھانچے سے ہے، زندگی کے روزمرہ کے پیش آنے والے ہزاروں مسائل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، آپ نے تو اس کو زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ منسلک کر دیا، اور اس کی ایسی بھدّی اور گھناونی شکل پیش کی، کہ گویا موجودہ انسانی

تمام پریشانیوں کا سبب صرف اور صرف یہ سیکولرزم نظام ہے۔

الیاس : بھائی! یہی بات تو آپ سمجھ نہیں پا رہے ہیں، اور میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کرر ہاہوں، یورپی تہذیب اگر سیدھی اور دائریکٹ آپ سے یہ کہتی کہ ایمان، نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور دیگر اسلامی شعائر کو چھوڑ دو یہ فرسودہ ہوگئے ہیں، تو مسلمان اس کو ہرگز ماننے کیلئے تیار نہ ہوتے، اس لئے انہوں نے بہت دور سے حملہ کیا کہ سیکولر نظام لاکر انسانوں کو ہر چیز میں آزاد کردو، حکومت ہر ایک کو راضی اور خوش کرنے کی فکر میں جائز اور ناجائز کی بات ہی نہیں کرے گی، انسانی فطرت اپنی طبیعت کے اعتبار سے نفسیاتی خواہشات میں مبتلا ہوکر ہر گناہ کے کام پر آمادہ ہوگی، یورپی تہذیب اور ثقافت کی کامیاب چال یہ ہے کہ وہ مختلف تہذیبوں کو جمع کرتی ہے، ان کی ساری حد بندیاں ختم کردیتی ہے، عالمی تہذیب، انسانی تہذیب، تہذیبی اتحاد (گلوبلائزیشن)، ثقافتی ہم آہنگی، تہذیبی وسعت جیسی اصطلاحات سنا سنا کر لوگوں کو اپنا ہم نوا بناتی ہے، اور مقصد صرف ایک ہی ہوتا ہے، یعنی ثقافتوں اور کلچروں کے اس ہجوم میں اسلامی ثقافت وکلچر کے اندر یورپین روح ڈالی جاتی ہے، اور اسلامی روح کو مردہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، سیکولر طرز معاشرت نے عالمی کلچر اور تہذیبی اتحاد کا مفہوم جس قدر عام کیا، اس کو اسی قدر کامیابی ملتی گئی، کیونکہ یہ پہلا چور دروازہ تھا جس کے بعد اسلامی تہذیب کے ڈھانچے کو گرادینا وقتی کام رہ گیا تھا، جس کو ہمارے پیارے آقا جناب نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ہی ارشاد مبارک میں واضح کردیا: **اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت**، ایک بات خاص یاد رکھئے کہ یورپی تہذیب کے خلاف دلائل پیش کرنا یورپی انسانوں کے خلاف جنگ وعداوت پھیلانا نہیں ہے بلکہ اس میں خود یورپی لوگوں کی حمایت وحفاظت کرنا مقصود ہے، اور انسان نما شیطان وخبیث یہودیوں کے وحشیانہ اقدار اور ذلیل وبے راہ روی سے یورپ کے عیسائی باشندوں کو نکالنے کی کوشش ہے، یورپ کے ایسے مظلوم انسانوں کی

حمایت ونصرت رحمۃ للعالمین کے امتی ہونے کی وجہ سے مسلمان دانشوروں اورعلماء کرام کافرض منصبی ہے۔

عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزئ افرنگ	- معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز

ھارون : بھائی! جمہوریت اورسیکولرزم ان تمام برائیوں کے باوجود اس ملوکیت، شاہانہ، جبرواستبداداورڈکٹیٹرشپ سے تواچھی ہی ہے، جس میں انسان کا غلام بنایا جاناتھا، بادشاہ اور راجہ کوخدائی درجہ حاصل تھا، اگروہ دن کورات کہےتو آپ کوتارے بھی نظرآجائے، مطلق العنانی وتشدد کا ایک دورتھا، جس میں بادشاہوں کی زبان ہی قانون تھی، بڑے سے بڑے مجرم اور گنہگار پران کی نظرِ شفقت پڑجائےتواس کومعافی مل جاتی تھی، اورمظلوم اوربے قصورکوظلم و ستم کانشانہ بنایاجاتاتھا، اورنمرودی عمل ’’ انا احیی و امیت ‘‘ کا منظرپیش آتا، غرض ’’جنگل راج‘‘ اور’’ٹکے سیر بھاجی اور ٹکے سیر خواجہ‘‘ کا دورتھا، بادشاہِ وقت کے خلاف کوئی بھی حق بات کا اظہارنہیں کرسکتاتھا، جبکہ جمہوریت میں عوام کی حکمرانی ہوتی ہےاوران کو ہرطرح کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

الیاس : میں نہ توان شخصی اورظالم حکومتوں کی تائیدوتعریف کرتاہوں، جنہوں نے انسانیت پرظلم وتشددکیا، اورنہ آپ کی بناوٹی جمہوریت کی تائیدکرتاہوں، لیکن آپ کوفلسفۂ تاریخ معلوم ہوناچاہئے کہ بادشاہوں اورزمین داروں کےظلم وتشددسےتنگ آکرہی کمیونزم اورسیکولرزم کی بنیادپڑی، یعنی بادشاہوں کےظلم وتشدداورستم وجبرکےردعمل اورری ایکشن میں جمہوریت وسیکولرزم وجودمیں آئے، اوردنیاکافلسفہ اورتاریخ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ جوچیزبھی ری ایکشن کےطورپروجودمیں آتی ہے، وہ افراط وتفریط کاشکارہوتی ہے، بادشاہوں کےدورمیں اگرشخصی آزادی نہیں تھی، توجمہوریت نے انسانوں کوبالکل بےلگام کردیا، چنانچہ یورپی ملکوں میں انسانی خواہشات کالحاظ کرتے ہوئے بدسے بدترقانون نافذکئے جاتے ہیں، زناجیسی بدکاری

سے لیکر لواطت جیسے گھناونے عمل تک کو پارلیمنٹ میں تالیوں کی گونج کے ساتھ منظور کر کے دنیا کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے تک پہونچا دیا ہے، اور زیادہ تجربے کی دنیا میں دیکھا جاوے تو جمہوریت بلکہ کمیونزم بھی درحقیقت ملوکیت اور بادشاہت کا نیا ایڈیشن ہے، وہاں تو ملک کا ایک بادشاہ ہوتا تھا، جبکہ جمہوریت میں افسروں اور لیڈروں کی فوج ہم پر مسلط ہے، علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

ہے وہی ساز کھن مغرب کا جمہوری نظام	-	جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
ہم نے خود شاہی کو پہنایا جمہوری لباس	-	جب ذرا آدم ہوا ہے خودشناس وخودنگر

ھارون : ماشاءاللہ آپ تو دینی اور دنیوی علوم وفنون اور زمانے کی رفتار سے خوب واقف نکلے، لیکن میرے ایک سوال کا جواب بہت ہی حسن وخوبی اور منطقی انداز میں چھوڑ گئے، میں نے قرآنی آیت وشاورھم فی الامر اور وامر ھم شوری بینھم، نیز احادیث مبارکہ **کلمة حق عند سلطان جائر** اور **لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق** اور حضرت عمرؓ کا فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص کے لڑکے سے کہنا کہ اللہ پاک نے انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے، تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا دیا وغیرہ جمہوریت، ووٹنگ، الیکشن، حزب موافق وحزب مخالف، قول وفکر کی آزادی وغیرہ حقوق کو ثابت کر کے موجودہ سیکولرزم کو اسلام کے شورائی نظام کے عین مطابق قرار دیا تھا، اور مثال میں امام احمد بن حنبلؒ کا معتزلی خلیفہ مأمون کے مقابلہ میں جمے رہنے کو حزبِ مخالف کے کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔

الیاس : نعوذ باللہ، استغفر اللہ، آپ نے ان مقدس آیات واحادیث کے جو معانی اور مطالب بیان کئے، شاید ابلیس لعین کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی ہوگی، مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اب تک یورپی جمہوریت کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہے، ذرا کان ودماغ صاف کر کے دھیان سے سنئے، یورپی جمہوریت وسیکولرزم یہودیوں کے مفکرین ودانشوروں کے

گندے دماغوں کی برسوں کی محنت کا نتیجہ ہے، یہ ایک فلسفہ اور گہری سازش ہے، جو دین اسلام کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتی، یہ انہیں ملکوں اور تہذیبوں میں چل سکتی ہے جہاں خدا تعالی، رسول ﷺ، قرآن وحدیث، قیامت وغیرہ مذہبی عقائد کا تصور ہی نہ ہو، مذہب کو افیون سمجھ کر کونے میں ڈال دیا ہو، فحاشی، عریانی اور بے حیائی تہذیب کا ایک حصہ بن چکی ہو، حلال وحرام کی تمیز نہ ہو، طہارت ونجاست کوئی معنی نہ رکھتی ہوں، یہودیوں اور ان کے شاگرد اور انگریزوں کا یہ فریب تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ فریب ڈال دیا کہ جمہوریت اسلام کے مطابق ہے؛ حالانکہ کفر واسلام میں جتنا فرق اور دوری ہے، اتنا ہی اسلام اور سیکولرزم میں فاصلہ اور فرق ہے، بیشک اسلام نے شہنشاہیت کے مقابلہ میں ایک نیا شورائی نظام حکومت پیش کیا، لیکن وہ آجکل کی جمہوریت کی طرح نہیں، جس میں بندوں کی حاکمیت پر مشتمل ایک لادینی وسرمایہ دارانہ نظام رائج ہو، جس میں مسلمان اور کافر کی تمیز نہ ہو۔ فاسق، فاجر، بے وقوف اور کمینے بھی علماء، صلحاء، اور بزرگوں کے ہم پلاّ اور ہم دوش کھڑا ہو جائے، بلکہ ان کا سربراہ اور حاکم بن جائے۔

سنو! اسلام میں خلیفہ اور وزیر اعظم کیلئے ضروری ہے کہ وہ افضل الناس ہو یعنی نبی اکرم ﷺ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، اسلامی امور، خاص کر کے شرعی اوامر ونواہی سے واقف ہو، انتظامی قابلیت اور حکومت کی اہلیت رکھتا ہو، خلفاء راشدین کا انتخاب انہیں امور کے پیش نظر ہوا، اسلام میں ہر کس وناکس کو حق نہیں ہے کہ وہ مسند خلافت پر متمکن ہو، اور امیدواروں میں اپنا نام لکھوائے، بلکہ اس کا نام لکھوانا ھی اس بات کی علامت ہے کہ وہ اقتدار کا طالب ہے، اور جو اقتدار کا خود طالب ہو وہ ہمارے یہاں اس کا اہل نہیں ہوسکتا، جبکہ یورپی جمہوریت کا مقصد ہی حکومت پر قبضہ کرنا ہے، جیسا کہ انسائکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہے:

Political parties are groups organized for hopes of achieving and for using political powers for their own

benifits یعنی سیاسی پارٹیوں کے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ حکومت حاصل کی جاوے، اور حاصل شدہ اقتدار وحکومت کو اپنے مفاد میں استعمال کیا جاوے۔

اسلامی خلیفہ کردار کی اعلی ترین پختگی اور رائے کی درستگی کے باوجود مطلق العنان قانون ساز نہیں ہوتا، بلکہ وہ قرآن وحدیث اور اجماع امت کا پابند ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قانون وضع نہیں کرتی ہے، بلکہ آسمانی قانون کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے، اور اسی کو نافذ کرتی ہے، جو کائنات کی اعلی ترین اتھارٹی اور لطیف وخبیر ذات کا بنایا ہوا ہے، جو انسانی خواہشات کے تابع ہوکر قانون وضع نہیں کرتا ہے، اگر بادشاہ وقت قانون کی خلاف ورزی کرے تو قاضی کی عدالت میں اس سے باز پرس کرنا ہر ادنیٰ شہری کا حق ہوتا ہے، اب سنئے، آیت کریمہ سے آپ کے استدلال کا جواب۔

آیت کریمہ کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو صحابہ کرام کی دلجوئی کے خاطر کسی مہتم بالشان اور ضروری کام میں ان سے مشورہ لینے کا حکم فرمایا گیا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت کے مطابق مذکورہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ کے حق میں نازل ہوئی کہ ان سے مشورہ لیا جاوے، لیکن اگر عام معنی بھی لیا جاوے تو یہ مطلب ہوا کہ صحابہ کرام سے مشورہ کرنا آپ پر واجب اور ضروری نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ چند اصحابِ رائے کو شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور وہ بھی اختیاری امور میں ہے نہ کہ وحیِ الٰہی کے معاملات میں، آیت کریمہ میں آگے "فاذا عزمت" واحد کا صیغہ ہے، جمع کا صیغہ نہیں ہے کہ جس سے آپ کی جمہوریت کا ثبوت ملتا ہو، مشورہ کی حقیقت حضرت بریرہ ؓ اور حضرت مغیث ؓ کے واقعہ سے واضح ہوتی ہے، جس میں وہ آپ ﷺ سے عرض کرتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ کا حکم ہے تو بسروچشم قبول ہے، اور اگر مشورہ ہے تو آپ مجھے معاف فرمائیں، اور امام احمد بن حنبل ؒ کا اختلاف ایک خالص عقیدہ کا مسئلہ تھا نہ کہ سیاسی مسئلہ، اسی لئے جب خلیفہ متوکّل نے اعتزالی فکر سے رجوع کرلیا تو امام احمد ؒ نے خلیفہ کی حمایت کی تھی،

اور اس مسئلہ میں تو امام احمدؒ کے موقف نے ہمیں یہ سبق دیا کہ حاکم و رعایا کے تعلقات کی نوعیت طے کرنے کا حق مذہب اور دین کو ہے۔

ھارون : مولانا صاحب! اگر قرآن و حدیث سے جمہوریت و سیکولرزم کا ثبوت نہیں ملتا تو اس کی مخالفت بھی تو ثابت نہیں ہوتی، آج جمہوریت میں اکثریت کا ہی تو خیال رکھا جاتا ہے، اور اکثریت گمراہی اور غلطی پر جمع نہیں ہو سکتی، جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے **لا تجتمع امتی علی الضلالۃ** سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، اور پھر جب حزب مخالف (مخالف پارٹی) حکومت کی غلطیوں پر تنقیدی نگاہ بھی رکھتی ہے، بلکہ اس پر بے لاگ تبصرہ بھی کرتی ہے، اسی لئے تو حزب مخالف جمہوریت کا جزولاینفک اور اس کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی ہے۔

الیاس : کثرتِ رائے سے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا یہی جمہوریت کی سب سے بڑی بنیادی غلطی ہے، جس کی ہم مولوی لوگوں نے نہیں بلکہ آپ کے یورپی آقاؤں نے شہادت دی ہے۔

مشہور ماہر سیاسیات مسٹر ایڈمنڈ بورک Burke اور مسٹر کارلائل لکھتے ہیں کہ اکثریت کے فیصلہ کو تسلیم کرنا کوئی فطرت کا قانون نہیں ہے، کم تعداد بعض اوقات زیادہ مضبوط طاقت ہوتی ہے، اور اکثریت کی حرص و ہوس کے مقابلے میں اس کے اندر معقولیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اول تو کثرت رائے میں احمقوں کو جمع کیا جاتا ہے، ان کی کثرت تو حماقت کی ہی طرف ہوگی، ان سے بھی اپنی رائے منوائی جاتی ہے، مانگی نہیں جاتی ہے، تو وہ کیا جمہوریت ہوئی اور قانون فطرت بھی یہ ہے کہ دنیا میں عقلمند کم اور بے وقوف زیادہ ہیں، اسی قاعدہ کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بے وقوفی کا فیصلہ ہوا، قرآن شریف میں بھی ہے: **وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ** یعنی اگر آپ روئے زمین کی اکثریت کی مانو گے تو راہِ حق سے بچھڑ جاؤ گے۔

غزوۂ احد میں پہاڑ کی گھاٹی پر متعین پچاس صحابۂ کرامؓ میں سے دس کی رائے قلت کے

باوجود صحیح تھی، جو بعد کے واقعہ نے ثابت کر دیا تھا، آپ ﷺ کے انتقال کے بعد مانعینِ زکوۃ اور جیشِ اسامہ کو بھیجنے کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ نے دیگر صحابۂ کرام کی رائے سے مختلف ہوکر اپنی رائے پر عمل کیا، اور بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے درست تھی، ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جمہوریت درحقیقت جہالت اور بے وقوفی کی حکمرانی کا نام ہے، کیونکہ اسکی ساری توجہ تعداد اور اکثریت پر ہوتی ہے، کیفیت پر نہیں ہوتی، بقول علامہ اقبالؒ ؎

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے جس میں	بندوں کو گِنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

اور جس حزب مخالف کو آپ جمہوریت کی ریڑھ کی ہڈی شمار کرتے ہیں، اس کا حال یہ ہیکہ حکومت سے وابستہ لوگ تو ہر حال میں اپنی پارٹی اور حکومت کے جائز و ناجائز کاموں کی آنکھیں بند کر کے حمایت کرتے ہیں، تو دوسری طرف حزب مخالف والوں نے حکومت کی مخالفت کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہوتی ہے، اسکو ایک فیشن بنا دیا ہے کہ مخالف پارٹی کو ہر حال میں مخالفت ہی کرنی ہے، برسر اقتدار پارٹی کی ہر پالسی میں کیڑے نکالنا، ان کی اچھائی کا اعتراف نہ کرنا اور اس کو بدنام کرنا اپنا جمہوری حق سمجھ رکھا ہے، اور آپ جس کو اکثریت کہتے ہیں اس کا بھی یہ حال ہوتا ہے کہ ملک کی پوری آبادی میں سے جن کو ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے ان میں سے پچاس-ساٹھ فیصد لوگ ووٹنگ میں حصہ لیتے ہیں، پھر بیس سے پچیس پارٹیاں الیکشن میں حصہ لیتی ہے، ان میں کسی پارٹی کو بیس فیصد بھی ووٹ مل جائے تو وہ حکومت پر آسکتی ہے، پھر پارٹیوں کے توڑ جوڑ کی سیاست چلتی ہے، ممبران کی خرید وفروخت ہوتی ہے جو پارٹی زیادہ پیسہ دے گی اسکا بول بالا ہوگا۔

ھارون : مولانا صاحب! مجھے تو ان کی جمہوریت اور سیکولرزم کی پالسی بھی صرف ایک بناوٹ، مکروفریب اور ڈگلا پن معلوم ہوتا ہے، جس میں دنیا والوں کو اور خاص کر کے مسلم عوام کو

الّو اور بے وقوف بنانے کی کوشش کی جاتی ہے،اگر اسلامی خلافت اورشورائی نظام ان کے کہنے کے مطابق سیکولرزم نظام تھا،اورجس میں جمہوریت کی نمائندگی ہوتی تھی،تو پھر انگریز بہادرکوترکی کی اسلامی خلافت کے پیچھے پڑنے کی کیاضرورت تھی؟ جبکہ وہ انکی راہ پر چل کر بہت سی نام نہادترقی پسند اصلاحات بھی کرچکی تھی، پھربھی انگریزوں نے بادشاہت و ملوکیت اورعرب وترک عصبیت کاہوّا کھڑا کرکے اسکوختم کرکے ہی دم لیا،مسلم اتحاد کی اس آخری امید اورکرن کوختم کرکے مسلمانوں کی شہ رگ کاٹ دی بلکہ بقول ابن تیمیہؒ عباسی خلافت کوتباہ کرنے والی تاتاری یورش کے پیچھے بھی یورپ کی مالی اورسیاسی امداد کارفرماتھی، ورنہ خلافتِ عباسیہ یوں ہی تباہ نہ ہوتی۔

تیری حریف ہے یارب سیاستِ افرنگ	-	مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر ورئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تونے	-	بنائے خاک سےاس نے دوصد ہزارابلیس

سالہاسال کامسلم اورغیرمسلم حکومتوں کاتجربہ بتاتاہے کہ یورپ اورامریکہ والوں کے نزدیک ظالم اورڈکٹیٹروہ حاکم ہوتاہے،جوملک میں اسلامی قوانین کے نافذکرانے کی بات کرے،اسلامی شعائرکوزندہ کرائے،عوام کامزاج دینی بنائے،محرمات کے اظہارسے روکے، ایسے حکمران کوبدنام کرنے میں یورپ وامریکہ کاپریس اورخفیہ ایجنسیاں مصروف ہوجائے گی، مسلم حکومتوں میں حزبِ مخالف بالفاظ دیگراسلام دشمن جماعتوں کی ہرطرح کی امدادکی جائے گی، ملک میں بدامنی اوردہشت گردی پھیلائی جائے گی۔

اس کے بالمقابل جوحاکم مسلمانوں کے جذبات کالحاظ نہ رکھے،دینی شعائرکی توہین کرے،اس کا برسرعام مذاق اڑائے، وہ ظالم اورڈکٹیٹرہونے کے باوجودسب سے بڑا سیکولراورمساوات کاعلمبردارسمجھاجائے گا،ماضی میں جنرل مصطفیٰ کمال پاشانے اپنے یورپی آقاؤں کوخوش کرنے کے لئے خلافت کاخاتمہ کرکے اسلامی شعائرنماز،روزہ حتی کہ قرآن

کریم اور بخاری شریف کی توہین کی ،عربی نام اور رسم الخط بدل دیا ،غرض عربی اسلامی شعائر کو ٹینک وتوپ کے ذریعہ مٹانے کی بھرپور ظالمانہ وسفاکانہ کارروائی کی ، پھر بھی اس کونجات دہندہ اور ترقی پسند کہا گیا ،انڈونیشیا دنیا کا سب سے بڑی مسلم آبادی والا ملک ہونے کے باوجود پندرہ سال سے وہاں صدر مسلم اکثریت پر ظلم کرتے ہیں، پھر بھی ان کے خلاف کوئی آواز نہیں ، یہی حال شام ،مصر ،عراق وغیرہ کا ہے ،الجزائر کے مسلمانوں نے یورپ کے جمہوری طریقہ کے مطابق انتخاب کر کے مسلم رجحان والی جماعت کو اکثریت سے کامیاب کیا ، پھر بھی انکو وہاں جمہوریت کو خطرہ معلوم ہونے لگا ،اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں بھارتیہ جنتا پارٹی دہشت ،خوف وہراس اور ظلم وزیادتی کے زور پر سیکولر اور جمہوری نظام کی خلاف ورزی کرتی ہے پھر بھی یورپی آقاؤں کو یہاں جمہوریت کو کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔

یورپی آقاؤں کی نمائندہ مجلس اقوام متحدہ (U.N.O.) کو وہاں کی اسلامی جماعتوں کی کامیابی کھٹکنے لگی ، پاکستان کے اسلامی جمہوریہ اتحاد کی کامیابی کو وہ لوگ برداشت نہیں کر سکے ،دوسری طرف عراق کے مظلوم عوام کی بھوک ، پیاس ،سخت سردی میں پریشان اور تکلیف نظر نہیں آتی ،سوڈان اور موریٹانیا کا قحط نظر نہیں آتا ، فلسطینی پچاس سال سے بے وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ سب ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر	-	تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟	-	چہرہ روشن ، اندروں چنگیز سے تاریک تر

ایک بڑی پر لطف اور مزہ کی بات سنئے ،ایک طرف تو انگریز بادشاہت اور ملوکیت کی مخالفت کرتے ہیں، دوسری طرف اسی انگریز آقا نے جمہوریت کے ساتھ اپنے ملک انگلینڈ میں شہنشاہیت Queen Elizabeth کو جمع کیا ہے ،ترقی کے اس دور میں قدامت پرستی کا کیا جواز ہے۔

اگر انگریز آقا زمانۂ جاہلیت کی وراثت کو آج بھی چھوڑنے پر آمدہ نہیں تو ان کے غلاموں کو زمانۂ خلافت کا ورثہ حاصل کرنے میں کیوں شرم آتی ہے، بات صرف یہ ہے ۔

نظر آتے نہیں بے پردۂ حقائق ان کو	-	آنکھ جنکی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کرسکتی ہے ایران و عرب کو کیوں کر؟	-	یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور
علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے تیرا	-	تیری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

ھارون : مولانا صاحب! جزاک اللہ آپ نے بڑی عرق ریزی سے میرے سامنے یورپی جمہوریت کی حقیقت اور اس کے صحیح خدوخال واضح کئے، آپ کا بہت بہت، خوب خوب شکریہ۔۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ......

اسلام کا نظام طلاق اعتراضات ، حقائق

ناصر: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ سب اخبارات کا ڈھیر لیکر کہاں جارہے ہیں؟ سیاست کے میدان میں کود پڑے ہیں؟ کیا کوئی منسٹری ملنے والی ہے؟ یا کسی اخبار کے ایڈیٹر بن گئے ہیں؟

ھارون : نہیں بھائی! ہمارے جیسے نکمے آدمی کیا ایڈیٹر بن سکتے ہیں، البتہ اخبارات اور میگزین پڑھ لیتے ہیں۔

ناصر : کیا کوئی خصوصی مضمون لکھا گیا ہے کہ آپ اسکو اتنی حفاظت سے لئے جارہے ہیں؟

ھارون : جی ہاں آپکو معلوم نہیں آجکل طلاق، طلاق کا لفظ ہی اخباروں کی سرخی بنا ہوا ہے، جس میں بہت اچھے اچھے اور ماہر اسکالروں کے مضامین آتے ہیں، یہ سب پڑھکر یہ محسوس ہوتا ہے کہ نکاح وطلاق کے اسلامی نظام میں زمانہ کی ترقی اور حالات کے پیش نظر بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، اس وقت مسلمان عورت بہت کس مپرسی کی زندگی گذار رہی ہے، دنیوی تعلیم کی کمی، سماجی پچھڑاپن، مردوں کے ظلم وتشدد اور آخر میں تین طلاق کے ہتھوڑے نے بے چاری کو نہ گھر کا رکھا ہے نہ گھاٹ کا۔ آج کی دنیا مساوات اور برابری کی ہے، ترقی کے ہر میدان میں عورت مرد کے شانہ بشانہ بلکہ اب تو وزارت عظمی کے عہدوں پر بھی فائز ہورہی ہیں، ہمارے ملک کے دائیں اور بائیں (پاکستان، بنگلادیش) دونوں جانب عورتیں شاندار اور بے نظیر حکمرانی کر رہی ہیں۔

جب عورت اپنی عقل وخرداور تعلیم وترقی میں مرد سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے، تو پھر طلاق کا یکطرفہ حق صرف مرد کو ہی کیوں دیا گیا؟ میرا خیال ہے؛ بلکہ ہر طرف سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ طلاق کا حق مرد کی طرح عورت کو بھی ملنا چاہئے یا پھر یہ حق کورٹ کو دے دیا جائے جیسے یورپی ممالک اورامریکہ میں پایا جاتا ہے۔

ناصر : آپ جیسے لوگوں کے لئے ہی علامہ اقبال نے یہ اشعار فرمائے ہیں ؂

علم غیر آموختی ، اندوختی	-	روئے خویش ازغازہ اش افروختی
ارجمندی ازشعارش می بری	-	من ندانم تو توئی یا دیگری؟
عقل تو زنجیریٔ افکار غیر	-	درگلوئے تو نفس از تار غیر
برزبانت گفتگوہا مستعار	-	در دلت آرزوہا مستعار

میں تو سمجھا کہ آپ پڑھنے لکھنے اور سماجی کام کرنے والے ہونے کی حیثیت سے حقیقتِ حال سے خوب واقف ہوں گے، مرد عورت کی مساوات اور تعلیمی میدان میں عورتوں کی پیش رفت اور سرکاری عہدوں میں عورتوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے، وہ آپکو معلوم ہی ہوگا۔ جس کسی ڈپارٹمنٹ میں ایک عورت ملازم ہوتی ہے وہ اس پورے ڈپارٹمنٹ کی کھلونا اور ٹائم پاس ہوتی ہے، شہد کی مکھیوں کی طرح ہر ایک اسکے گرد ہی چکر لگاتے ہیں، اور اسکو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا جاتا ہے، اسکو ہر طرح سے ستایا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں بعد میں ہوگی مجھے تو اس وقت آپ کے دعوی کا جواب دینا ہے کہ طلاق کا حق شریعت مطہرہ نے مرد کو ہی کیوں دیا؟ تو سنئے: مرد عورت کے مقابلہ میں پیدائشی طور پر زیادہ حقیقت پسند، ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے والا، حلیم ومدبّر اور زیادہ قوت فیصلہ رکھنے والا ہے؛ جبکہ عورت فطرۃً جذباتی، معمولی باتوں سے بہت جلد متأثر اور مشتعل ہونے والی اور طیش میں آکر جلد ہی آخری قدم اٹھا لینے والا مزاج رکھتی ہے۔

یہ کوئی میں آپکے سامنے حکمت اور فلسفہ کی باتیں نہیں کرر ہا ہوں؛ بلکہ اسکی صداقت کی مضبوط دلیل خود یورپی ممالک ہیں، جہاں عورت کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے، وہاں ۴۰ فی صد شادیوں کا نتیجہ طلاق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

انگلینڈ میں ۱۹۶۱ء میں ۱۵۰۰۰ طلاق واقع ہوئی اور ۱۹۷۱ء میں ۷۵۰۰۰ تک تعداد پہنچ گئی تھی، ایک تازہ شمارے کے مطابق برطانیہ میں ہر دو شادی میں سے ایک شادی طلاق پر ختم ہورہی ہے، اور ایک اخباری سروے کے مطابق ۱۶ سال سے کم عمر کے ۱۶۰۶۸۴ بچے ایسے ہیں جن کے والدین طلاق لیکر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے ہیں، اسکے برخلاف اسلامی ملکوں میں مصر جہاں طلاق کے واقعات کثرت سے ہوتے ہیں، وہاں طلاق کا اوسط صرف ۲ فی صد ہے، غور کیجئے: عورت کو طلاق کے معاملہ میں تھوڑی سی آزادی دینے کی یورپ کو کتنی بھیانک سزا مل رہی ہے، اور عورت کے طلاق مانگنے کا بہانہ بھی سنئے: انگلینڈ میں ایک عورت نے عدالت میں اپنے شوہر سے طلاق حاصل کرنے کی درخواست کی۔ اسکی دلیل یہ تھی کہ میرا شوہر میرے پیارے کتے کو پسند نہیں کرتا ہے، یہ حال ہے عورت کو طلاق کا اختیار دینے کا، وہ کل یہ بھی کہہ سکتی ہے کہ میرا شوہر مجھے اپنے بوئی فرینڈ کے ساتھ گھومنے سے منع کرتا ہے، لہذا مجھے طلاق چاہئے، تو آپ کیا کریں گے؟

رفعتوں کی جستجو میں ٹھوکریں تو کھا چکے	-	آستانِ محمد ﷺ پر اب سر جھکا کر تو دیکھئے

یورپی ملکوں میں تو عورتیں طلاق کو شوہر سے مہر کی رقم وصول کرنے کے پیشے کے طور پر اپنا رہی ہے، آج ایک سے شادی کر کے مہر وصول کرتی ہے، پھر عدالت میں جا کر اس سے طلاق حاصل کر کے دوسرے سے شادی کر کے مہر کی رقم وصول کرتی ہے، جس نے آج وہاں کے مردوں کو پریشان کر رکھا ہے، علم النفس (Psycology) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے اوسطاً ۱۰۰ گرام کے برابر کم ہوتا ہے، جسمانی طور پر عورت

ایک ثلث کے بقدر مرد سے کمزور ہوتی ہے،عورت کا دل بھی جوزندگی کا مرکز ہے،مرد سے ۶۰ گرام کے برابر چھوٹا اور ہلکا ہوتا ہے۔اسکے سانس کا نظام اور حرارت بھی مرد سے کم ہوتی ہے۔ مرد کی ایک گھنٹہ میں ۱۱؍گرام حرارت غزیری کم ہوتی ہے،جبکہ عورت کی ۶ گرام سے کچھ زیادہ کم ہوتی ہے۔

ھارون : آپ کی بات میری سمجھ میں آئی،لیکن اخبارات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا رواج مسلمانوں میں زیادہ ہے،یہ اخبارات دیکھئے؛ اسمیں مسلمان عورتوں کی تصویروں کے ساتھ انکی دردانگیز طلاق کی کہانیاں لکھی ہوئی ہے،اس سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان عورت انتہائی تکلیف دہ حالات سے گذر رہی ہے،مذہبی اصول وقوانین نے اسکو اور زیادہ مجبور کردیا ہے،شریعت اور قانون کی آڑ لے کر اسکی آواز دبائی جاتی ہے،اور جو کوئی غیر مسلم یا مسلم تنظیمیں انکی دادرسی کی آواز اٹھاتی ہے،تو مسلمانوں کی مذہبی جماعتوں کی طرف سے اسکو مذہب اور پرسنل لا میں مداخلت کا بہانہ بنا کر خاموش کردیا جاتا ہے،آخر آپ کے نزدیک کثرت وقوع طلاق کو روکنے کا علاج کیا ہے؟

ناصر : بھائی! صحیح رپورٹ کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ مسلم خاندانوں میں طلاق کی کثرت ہرگز اتنی نہیں ہے،جتنی میڈیا بتاتا ہے،یہ تو چند استثنائی واقعات ہیں جن کو غلط طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

اس سے لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گویا لاکھوں مطلقہ عورتیں مسلم گھرانوں سے نکالی جاچکی ہیں،اور سڑکوں پر زندگی بسر کررہی ہیں؛ جبکہ معتبر اعداد وشمار کے مطابق طلاق کا تناسب مسلم معاشرہ سے دوگنا ہندو معاشرہ میں ہے،یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندو سماج میں طلاق شدہ عورت کے نکاح ثانی کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا،جبکہ مسلم معاشرہ میں نکاح ثانی ہوتا رہتا ہے۔مسلم عورت کی فکر کرنے والوں کو پہلے اپنے گھروں کی خبر لینی چاہئے۔ہندو عورتیں کن پریشان کن

حالات سے گذر رہی ہیں اسکو دیکھو، ہندو مذہب کی روٗ سے عورت کو طلاق دینا ممنوع ہے، اور اگر طلاق ہوئی بھی تو نکاح ثانی کا راستہ بند ہے، بالآخر ہندو عورت خودکشی کا راستہ اپناتی ہے، روزانہ اخبارات میں دلہن کا جلنا، جہیز کے جھگڑے میں سسرال والوں کا دلہن کو جلا دینا یا عورت کا خود جل جانا، یہ سب واقعات کثرت سے پڑھنے میں آتے ہیں، جبکہ الحمدللہ مسلمان عورتوں کی خودکشی کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوں گے، اگر مسلمان عورت آپ کے کہنے کے مطابق اتنی پریشان حال ہوتی، تو ان میں خودکشی کے واقعات زیادہ ہوتے، یہ بات ہم کو تسلیم ہے کہ سماج کے ہمہ گیر پیمانے پر پھیلے ہوئے بگاڑ کے اثر سے آج کل مرد شریعت کے عطاء کردہ حق طلاق کو بلا ضرورت بلکہ بے جا طریقہ سے بھی استعمال کرنے لگے ہیں، مگر سوچنا چاہئے کہ کسی کی شخصی غلطی اور حماقت کے نتیجہ میں اس ظالم شوہر کے بجائے دین و شریعت پر طعن و تشنیع کرنا اور قانونِ طلاق کو نامناسب قرار دینا کونسی عقلمندی ہوگی؟

کثرت طلاق کو روکنے کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ مسلم سماج کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، اور دینی و دنیوی علوم کے حصول کی طرف توجہ دی جائے، سماج سے بے کاری دور کرنے کی تدابیر کی جائیں، شریعت مطہرہ نے مرد و عورت کے حقوق کی جو تفصیلات قرآن وحدیث میں بیان فرمائی ہیں؛ ان سے مرد عورت دونوں کو واقف کرایا جائے۔ اگر شریعت مقدسہ کے بیان فرمائے ہوئے حقوق وآداب کا مرد عورت دونوں لحاظ کریں گے تو ان شاء اللہ دونوں کی زندگی نہایت خوشگوار اور چین وسکون سے گذرے گی، مسلم عورتوں کے ان نام نہاد ہمدردوں سے گزارش ہے کہ وہ عورتوں کے واقعی حقوق دلانے میں مدد کریں، مثلا لینڈ سلنگ ایکٹ کے تحت عورتوں کی حق تلفی ہورہی ہے، اِنکم ٹیکس کے معاملہ میں عورتوں کی کوئی رعایت نہیں، مسلم خواتین کیلئے قائم کئے گئے تعلیمی اور صنعتی اداروں کی منظوری نہیں دی جارہی ہے، ان مسائل کا حل نکالا جائے تو مطلقہ وغیر مطلقہ دونوں کو فائدہ ہوگا۔ صرف اسلام دشمنی کی بنیاد پر آپ کو طلاق کے لفظ سے آڑ ہے، تو آپ کے سیاسی رہنماؤں نے گجرات فسادات میں

عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کر کے صرف جمہوریت کو ہی نہیں بلکہ انسانیت کو بھی تین طلاق دی تھی، اسوقت آپ کی شرافت، ہمدردی اور جذبۂ خیر خواہی کو کونسا گرہن لگ گیا تھا؟

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے	-	شاید کے ترے دل میں اتر جائے مری بات

ھارون :

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی	-	مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

آپنے میرے سامنے بہت سی ایسی باتیں بیان کیں جنکی وجہ سے میری آنکھیں کھل گئی، اور میں حقائق سے باخبر ہوا، براہ کرم آپ سے گذارش ہے کہ یہ بھی بتائیں کہ آخر اسلام میں طلاق کب اور کن حالات میں دی جاتی ہے، نیز یہ کہ اسکا شرعی طریقہ کیا ہے؟ جسکو کچھ ناواقف یا کرایہ کے مسلمان اور غیر مسلم اخبارات و پریس والے اتنی گھناؤنی شکل میں پیش کررہے ہیں۔

ناصر : بھائی! اول یہ کہ کتاب وسنت نے مرد وعورت کے جذبات واحساسات کا اتنا لحاظ کیا ہے، اور ایسی لطیف اور باریک باتوں کی طرف توجہ فرمائی ہیں، جو دنیا کے کسی مذہب اور قانون میں نہیں پائی جاتی، اگر ایک طرف عورت کی کمزوری اور ضعف کو ٹیڑھی پسلی سے تخلیق کا سبب بنا کر اسکی نفسیات کو حسّی طور پر سمجھایا، تو شوہر کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم فرماتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اگر مرد وعورت ان چیزوں کا خیال رکھے، تو انکی زندگی جنت نما بن جائے، دونوں میں سے کسی کو ایک دوسرے سے کبھی شکایت ہی نہ ہونے پائے۔

اسلام محبت بھی ہے اخلاص ووفا بھی	-	تسکین دل وجاں بھی چہروں کی ضیا بھی
ہر درد کا درماں بھی ہے، پیغام شفا بھی	-	کردار ہی کردار ہے اسلام کا منشور

بالکل نازک حالات اور انتہائی درجہ کی مجبوری اور شدید ضرورت کے وقت ہی آخری

علاج کے طور پر طلاق کا استعمال جائز قرار دیا، اسوقت بھی فرمایا کہ بلا وجہ طلاق دینا ممنوع اور گناہ ہے۔ علامہ شعرانیؒ کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہؒ بلا وجہ طلاق کو حرام فرماتے ہیں، فرمایا کہ اوّلاً عورت کو زبانی سمجھاؤ، اگر اس سے باز نہ آئے تو اس سے ہم بستری چھوڑ دو، اس سے بھی نہ ہو تو ہلکی مار لگاؤ جو چہرہ پر نہ لگے، اور نہ سخت چوٹ لگائے، جیسے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: **والّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا ان اللہ کان علیا کبیرا.** اس طریقہ سے بھی صورت حال میں سدھار نہ ہو تو پھر شوہر اور بیوی کے ہمدرد رشتہ داروں کو بیچ میں ڈال کر صلح کرانے کی ہر امکانی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے: **وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا.** اندازہ لگایئے کسی بھی مذہب وقانون میں میاں بیوی کے نازک تعلقات کو باقی رکھنے کی اتنی تدریجی اور نفسیاتی تدبیریں موجود ہیں؟ اور عورت کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے؟ اور جب یہ ساری تدبیریں بیکار ثابت ہوں پھر بھی دونوں کو اتنی تلخی اور ناخوشگواری کے باوجود باہم زندگی گذارنے پر مجبور کرنا کہاں انصاف ہوگا ؟ اسوقت بھی ایک ساتھ تین طلاق دینے اور مستقبل میں ساتھ رہنے کے تمام امکانات کو بالکل ختم کرنے سے روکا گیا ہے، اور صحیح طریقہ بتایا گیا ہے، کہ عورت کو اولاً پاکی کے دنوں میں بغیر صحبت کے صرف ایک طلاق دی جائے، پھر چھوڑ دی جائے یہاں تک کہ عورت کی عدت ختم ہو جائے تا کہ مستقبل میں پچھتانے پر نکاح کرسکتا ہے، ان باتوں پر صرف ترغیبی اسلوب سے ہی کلام نہیں کیا گیا؛ بلکہ قانونی طور پر سخت ممانعت فرمائی گئی کہ ماہواری کے دنوں میں طلاق یا ایک ساتھ تین طلاق دیں۔

ھارون : آپ نے تین طلاق کا ذکر کیا تو یاد آیا کہ میں نے پڑھا ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا بدعت ہے،اورایک چیز کے بدعت وممنوع ہونے کے باوجود اثر انگیز ہونے کا کیا مطلب؟اور یہ حضرت ابوبکرصدیقؓ اورحضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں نہیں تھی، بعد کے دور میں بعض تاریخی حالات کے پیش نظر یہ رواج پذیر ہوئی ،جب آپ ﷺ سے اسکی اصلیت ہی ثابت نہ ہو،تو پھرلوگوں کواس پر مجبور کرنا کیسے صحیح ہوگا؟اور جب امت میں طلاق کا رواج بڑھ گیا ہے، دینی باتوں پرعمل کرنا سست ہوگیا ہے،تو بہتر یہ ہے کہ اہل حدیث کی طرح ایک مجلس کی تین طلاق کوایک ہی شمار کیا جاوے، یہی عورتوں کی خیر خواہی ہوگی۔

ناصر : آپ کا یہ کہنا کہ تین طلاق کے وقوع کا ثبوت زمانۂ نبوت میں تھا ہی نہیں یہ بالکل غلط ہے،قرآن کریم نے صاف فرمایا: **الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان** . آگے آیت میں ارشاد ہے: **فان طلقها فلاتحل له من بعد** آیت میں **مرتان** اثنان کے معنی میں ہے، جیسے کہ دوسری آیت میں ہے **نؤتيها اجرها مرتين** مطلب یہ ہے کہ دومرتبہ طلاق کے بعد جب تیسری مرتبہ طلاق دی، چاہے ایک مجلس میں ہو یا علیٰحدہ مجلس میں، **فلاتحل له من بعد** تو اب بغیر حلالہ کے وہ عورت حلال نہیں ہوسکتی۔ حدیث شریف کی صحیح اور معتبر کتاب بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے طلاق ثلاثہ کے وقوع کے جواز پر باب قائم فرما کر اسی آیت کو ذکر کیا ہے،اس کے علاوہ مسلم شریف: ج/۱،ص/۴۷۶ ، بخاری شریف: ج/۱،ص/۷۹۱-۷۹۲، دارقطنی: ج/۲،ص/۴۴۴، ابوداود: ج/۲،ص/۳۱ ، نسائی: ج/۲،ص/۳۶ ،مشکوۃ ۲۸۴ میں تین طلاق کے وقوع پراحادیث مذکور ہیں،اسکے علاوہ جمہور صحابۂ کرام،تابعین اورائمہ فقہ اسے تین طلاق ہی واقع قرار دیتے ہیں،امام ابوحنیفہؒ ،امام مالکؒ ،امام شافعیؒ ،امام احمدؒ اور جمہور ائمہ محدثین، امام بخاریؒ،سفیان ثوریؒ،اوزاعی، دارمی،ابن حزم وغیرہ کا یہی مسلک ہےاورسلف سے خلف تک

اسی کے مطابق فتوی دیا جارہا ہے، پہلی دفعہ اس مسئلہ کو ساتویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی اجتہادی قوت سے زوروشور کے ساتھ پیش کیا تھا،لیکن ہمارے علماء نے اسے قبول نہیں کیا،ابن تیمیہؒ کو ماننے والے سعودی حکومت کے سب سے بڑے مفتی اورداعی شیخ عبداللہ بن باز اورانکی مجلس ھیئۃ کبارالعلماء نے بھی تین طلاق کو تین ہی شمار کیا ہے، اہل حدیث علماء کا بھی فتویٰ ہے کہ اس مسلک (تین کو ایک) کے ماننے والوں کے علاوہ کے لئے اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا مشورہ دینے والے صرف قانونی پہلو پر نظر کرتے ہیں، اخلاقی اوردینی روح کو بالکل نظرانداز کرتے ہیں، حالانکہ ایک مسلمان کے نزدیک نکاح و طلاق قانون سے زیادہ مذہبی اوردینی حیثیت رکھتے ہیں،کل اگر پارلیمنٹ یاعدالت تین طلاق کو باطل قراردے، یاایک ہی شمار کرنے کا حکم دے تو کیا دینی شعوراورغیرت والے مسلمان تین طلاق دینے کے بعدبھی اس نکاح کو باقی سمجھیں گے؟ ہرگزنہیں،اوراگر مفاد پرست اسکو مان کر ازدواجی رشتہ کو باقی رکھے تو اسکا گناہ کس پر ہوگا؟ اصول فقہ کا قاعدہ ہے **اذا اجتمع الحلال والحرام اوالمحرم والمبیح غلب الحرام والمحرم** یعنی حلال وحرام کے تقابل کی شکل میں حرام کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی اوردوسرا قاعدہ ہے کہ افعال شرعیہ سے **نہی** ممانعت کے باوجود مشروع ہوتی ہے، ورنہ نہی عاجز لازم آئے گی، جیسے بیع فاسد، اجارۂ فاسدہ اورعید کے دن روزہ کی نذروغیرہ بے شمار مثالیں ہیں، جہاں ممانعت اورفساد کے باوجودوہ اپنااثر کرتے ہیں،مزید۱۴ رمثالیں فتاوی رحیمیہ: ج۲/: ص۱۲۷ر پر ملاحظہ فرمائیں، تین طلاق کو ایک طلاق قراردینے کی شکل میں آپ عورت کا کیا فائدہ کرنا چاہتے ہیں؟ جوشخص طلاق دینے کاارادہ کرچکا ہے،تو وہ تین مجلس میں طلاق دے گا یاعورت کو **وتذروھا کالمعلقه** کا مصداق بنائے گا،یعنی نہ طلاق دے کرعلیحدہ کرے گا نہ اسکے حقوق ادا کرے گا،

عورت کو پریشان کرنے کے مرد کے پاس بہت سے حیلے ہیں وہ کسی کو بھی استعمال کرسکتا ہے۔

ھارون : ماشاءاللہ آپ کی قیمتی باتیں سن کر میرے دل میں اسلام کے نظام نکاح وطلاق کی اہمیت اور افضلیت گھر کرگئی، اسلام کے دین فطرت ہونے پر اب الحمدللہ دلائل وشواہد کے ذریعہ یقین ہوگیا لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی اگر گستاخی نہ ہوتو میں پوچھ سکتا ہوں؟

ناصر : ضرور پوچھئے۔

ھارون : وہ یہ کہ آپ نے گفتگو میں تین طلاق کے بعد جو حلالہ کالفظ استعمال فرمایا،اس پر بھی اخبارات اور ریڈیو میں بہت کچھ اعتراضات کیئے گئے ہیں،اور کہا گیا کہ حلالہ میں آخر بے چاری عورت کو ہی اجنبی مرد کے پاس جانا پڑتا ہے،قصور مرد کرے اور اسکی سزا عورت کو ملے؛ یہ کہاں سے انصاف کی بات ہوگی؟

ناصر : بھائی !اسلام میں حلالہ کی شرعی حیثیت واجازت وغیرہ بنیادی باتوں کو چھوڑ کر اسکو بدترین شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔اگر غور سے سنیں گے تو یہ حلالہ بھی آپکو نبی رحمت ﷺ کے دین رحمت وفطرت کی ہی شانِ امتیازی اور میاں بیوی کے حقوق وجذبات کی رعایت کرنے والا عمل پائیں گے،اولاً یہ سمجھنا ہوگا کہ اسلام کے معاشرتی نظام میں شرم وحیا اور عفت وعصمت کو بنیادی درجہ حاصل ہے،اسلام پوری دنیا میں ایک پاکیزہ اور صاف ستھرے سماج کی تعمیر کرنا چاہتا ہے،جس کے سر پر عفت و پاکدامنی کا تاج ہو،جسکے اعمال وافکار کے کسی بھی گوشہ میں بداخلاقی اور بے حیائی کی گنجائش نہ ہو،اسلام نے اپنی قانونی اور اخلاقی تعلیمات میں انتہائی جزرسی سے کام لیکر ان تمام چوردروازوں پر پہرے بٹھائے ہیں جہاں سے سماج میں بے حیائی اور برائیاں وجود میں آئیں۔

ان مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سمجھئے کہ حلالہ کوئی واجب اور سنت عمل نہیں ہے؛ بلکہ صرف جائز عمل ہے، جو اضطراری شکل میں بطور ضرورت اور مجبوری کے مشروع ہے،اسی

لئے حدیث شریف میں حلالہ کی ممانعت وقباحت بھی کثرت سے بیان کی گئی ہے، مرد کو طلاق دینے سے پہلے بتا دیا کہ اگر عورت کو تین طلاق دے کر علٰیحدہ کر دیا تو یاد رکھ کہ یہ ہماری مقدس نعمت جب تک دوسرے کا بچھونا نہیں بنے گی، تیرے حرم کی زینت نہیں بن سکتی، یہ ایک غیرت مند مرد کے لئے سب سے بڑی سزا ہے، کیونکہ محبت سب کچھ گوارہ کرسکتی ہے، لیکن شرکت کو گوارہ نہیں کرسکتی۔

تین طلاق کے بعد مستقبل میں اگر وہ دونوں اپنے فعل قبیح پر افسوس کرتے ہوئے دوبارہ رشتۂ ازدواجی میں شامل ہونا چاہتے ہیں، تو اگر آپ ان کو نکاح کی اجازت نہیں دیں گے تو دونوں غیر شرعی اور ناجائز طریقہ سے ملاقات کر کے اپنی خواہشات پوری کریں گے، جو اسلام جیسے غیّور اور پاکیزہ مذہب میں ہرگز قابل برداشت نہیں ہوسکتا ہے، دوسری طرف اسلام نے چونکہ نکاح کے رشتہ کو اس کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر کئی شرائط وپابندیوں سے وابستہ رکھا ہے، جب وہ پابندیاں ختم ہو جائے تو یہ نازک رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ اب اگر حلالہ کی شرط نہ لگائی جائے تو نکاح کے مقدس رشتہ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی، مرد جب چاہے عورت کو تین طلاق دیکر پھر نکاح کرے، پھر طلاق پھر نکاح کرے اس طرح عورت کو کھلونا اور نکاح وطلاق کے نظام کو لغویات ومہملات سمجھ لے گا، بہرصورت حلالہ کی شرط مرد کے لئے سوچنے اور چوکنا رہنے کا ایک قیمتی موقع ہے، رہا یہ سوال کہ آخر عورت کو ہی دوسرے کے پاس جانا ہوتا ہے، تو اولا حلالہ واجب یا سنت نہیں ہے، نیز حلالہ کرنے میں صرف مرد کو ہی اختیار نہیں دیا بلکہ اگر عورت راضی ہو تو ہی، اور وہ بھی دوسرے کے طلاق دینے کے بعد ہے، وہ دوسرے مرد سے شرعی طور پر اپنی مکمل رضامندی سے نکاح کرسکتی ہے، اور جب تک شوہر ثانی کا انتقال نہ ہو یا وہ طلاق نہ دے؛ یہ عورت اس کے نکاح سے نہیں نکلے گی، اس کو شریعت نے حلالہ پر مجبور نہیں کیا، اسی وجہ سے شرطیہ نکاح کرنا کہ مرد صحبت کے بعد طلاق دے، یہ سخت

مکروہ اور لعنت کا سبب ہے۔

اور قابل توجہ بات سنئے؛ یہ اعتراض ان قوموں کی طرف سے ہے جن کی نظر میں عورت محض ایک کھلونا ہے، جنہوں نے عورت کو گھر کے محفوظ قلعے سے نکال کر چوراہے پر کھڑا کر کے اسے زینتِ محفل بنایا، دنیا کی کسی بھی چیز کا اشتہار عورت کی ننگی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا، قدرت کی اس نازک صنف کے ایک ایک عضو کی ننگی نمائش کر کے خریداروں کو مال خریدنے کی دعوت دی جارہی ہے، ٹی.وی.کی وہی چینل یا سی.ڈی جاذب نظر اور اخبارات کے وہی صفحات قابل مطالعہ ہوتے ہیں؛ جو جذبات کو بھڑکانے والی ننگی تصویریں پیش کریں، اس سماج کی ذلت وپستی کا یہ حال ہے کہ ان کے یہاں باقاعدہ ایک دوسرے کی بیوی کے تبادلہ کے کلب (Club) قائم کر کے دیّوسی کو ایک فن قرار دیا گیا ہے، جہاں کی پارلیمنٹ میں ملک کے ذہین ترین اور چیدہ افراد زنا بالرضا اور امرد پرستی کے جواز کا بل تالیوں کی گونج کے ساتھ منظور کریں، ایسی دیوس اور بے حیا قوم کو اسلام کے ایک اضطراری اور استثنائی مسئلہ پر اور نظام طلاق پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو	–	آنکھ جن کی ہوئی محکومی وتقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران وعرب کو کیوں کر	–	یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور

ھارون : جب اسلام کا نظام نکاح وطلاق اتنا واضح، ستھرا اور حقیقت پسندانہ ہے تو کیا ان نام نہاد دانشوروں نے اسلامی تعلیمات کا صحیح مطالعہ ہی نہیں کیا ہے؟ یا پھر جان بوجھکر اسلامی تعلیمات پر اعتراض کر کے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا چاہتے ہیں؟

ناصر : بھائی! حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی فرقہ پرست قوتوں نے برہمنی نظام کو زندہ اور فعال بنانے کی جو حکمت اپنائی ہے، اس کا ایک پہلو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بدگمانی ونفرت اور خود ان کی صفوں میں نااتفاقی اور انتشار پیدا کرنا ہے، خاص کر کے بابری مسجد کی

شہادت کے بعد مسلمانوں میں ہونے والی بیداری اورعزم وحوصلہ دیکھ کران کی معاندانہ سرگرمیاں تیز ہوگئیں،اوروہ انتہائی چالاکی سے مسلم عوام کوقرآن کریم،احادیث نبوی اور علماء وقائدین سے مشکوک وبے تعلق کرنے کی کارروائیاں کرنے لگی ہیں،اسی سلسلہ میں یہ طلاق کا مسئلہ ہے؛ جس کی وجہ سے ہندی،انگریزی اور گجراتی اخباروں کوطنز وتعریض بلکہ تمسخر کاایک موضوع اور مسلمانوں کی شریعت وقانون کی تذلیل وتوہین کے لئے ایک بہانہ مل گیاہے،اگر تین طلاق کے مسئلہ پرغوروفکراور تحقیق کرنا تھا،تواس کامحل ومقام فقہی سمینار اوراس موضوع پر غوروفکر کرنے والے علماء کرام وماہر مفتیان عظام تھے،لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس مسئلہ کو اخبارات کے صفحات اور چوراہوں پرلایا گیا اور ہرکس وناکس کوشریعت مطہرہ پر اعتراضات کاموقع مل گیا،لہذامسلمانوں کوچاہئے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کریں،اسلامی حقوق کی حفاظت کریں اور بہترین سماج اور عمدہ مستقبل کی تعمیر کے لئے شریعت کے قانون پرعمل کریں،کیوں کہ ؂

اگر مقام شرف کی ہے جستجو تم کو	– توظلم وکفر سے ہررشتہ توڑنا ہوگا
خود اعتماد وخود آگاہ وخود نگر بنکر	– خدا سے اپنے تعلق کو جوڑنا ہوگا

هارون : مسلم عورتوں کی ایک پریشانی یہ بھی ہے کہ طلاق کے بعدشوہرنان ونفقہ کاذمہ دار نہیں ہوتا،اورشریعت نے بھی عدت تک کے نفقہ کاہی اس کوذمہ دار بنایاہے،بہت سی عورتیں اس پریشانی کا شکار ہیں ،جس عورت کو مرد نے بے سہارا کردیاہو،اس کا خرچ وہ کیوں برداشت نہ کریں؟ غریب عورت کیوں دربدر کی ٹھوکریں کھاتی پھرے؟ لہذا بہتر یہ ہے کہ شوہر پرایک بڑی رقم یک مشت اکٹھی ہی لازم کردی جائے یا تانکاح ثانی شوہرکواس کے نان ونفقہ کاذمہ دارقرار دیاجائے ،شاہ بانوکیس میں یہی ہواتھا،اورآخرحکومت نے اس مسئلہ کو مسلم قدامت پرست قیادت کے دباؤمیں آکرمنسوخ کردیا تھا؛ جبکہ طلاق کوروکنے میں یہ

علاج بہت مؤثر ثابت ہوگا جیسے عیسائی اور ہندو سماج میں یہ خرچہ کی ذمہ داری ڈالنے والا عمل طلاق روکنے میں بہت مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔

ناصر : بھائی! قرآن مجید ہر مسئلہ کو فطری انداز میں حل کرنا چاہتا ہے، اس لحاظ سے یہ بات سراسر قرآنی روح کے خلاف ہے کہ جس مرد سے نباہ نہ ہونے کی وجہ سے عورت کی جدائی ہوئی ہے، اسی مرد سے اس عورت کا خرچہ دلوایا جاوے، یہ چیز سماج میں منفی ذہنیت پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گی، اصل بات یہ ہے کہ یورپی تہذیب نے بہت سے معاملات میں غیر فطری انداز اختیار کیا ہے، جس کے نتیجہ میں غیر فطری مسائل پیدا ہوئے اور پھر ان کو غیر فطری طریقہ سے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

قانون الٰہی نہ ٹلا ہے نہ ٹلے گا	-	ہر ازم کے خورشید کو ڈھلنا ہے ڈھلے گا

یورپ میں عورتوں کی آزادی اور آزاد سماج کے نام پر اٹھنے والی تحریک کے علم بردار وحی الٰہی سے محروم ہونے کی وجہ سے یہ تحریک بالآخر اباحت پسند سماج (Permissive Society) تک جا پہنچی، مرد عورت کے کثرت اختلاط نے نکاح کے بندھن کو کمزور کر دیا، عورت آزاد معاش اور ملازمت حاصل کرنے لگی، جس کا مرد کی قوّامیت پر اثر ہونے لگا، اور نتیجۃً طلاق کی تعداد میں اضافہ ہوا، اس کو روکنے کے لئے یورپی بے عقل داناؤں نے مرد پر قانونی پابندی لگا کر اس کو طلاق کے بعد عورت کو گذارہ Maintenance دینے کا ذمہ دار بنایا۔ اس کا غیر فطری اثر یہ ہوا کہ مرد عورت بغیر نکاح کے عشق و محبت کی بنیاد پر ایک ساتھ رہنے لگے، جسکے نتیجے میں یورپ کا سماجی ڈھانچا ہی بکھر گیا، اور ہزاروں نئے مسائل نے جنم لیا۔

طلاق اور علیٰحدگی کے باوجود مطلقہ عورت کو مرد کی طرف سے مستقل گذارے نے یورپ کو اور زیادہ مصائب و آلام میں مبتلا کر دیا۔ کیونکہ انسان طبعی طور پر اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات بہت دنوں تک برداشت نہیں کرسکتا، اس سے بچنے کی راہ نکال ہی لیتا ہے، اس

قانون سے بچنے کے لئے مالدار طبقہ کے افراد ایک مَیتری سَنۡدِھی یا معاہدۂ دوستی کے تحت میاں بیوی کے تعلقات قائم کرتے ہیں، اس میں شرط ہوتی ہے کہ مرد عورت کو اس وقت تک ایک متعین رقم دیتا رہے گا، جب تک کوئی ایک فریق معاہدہ نہ توڑے، معاہدہ توڑنے کی شکل میں پھر مرد پر عورت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، نہ عورت کی، نہ اس کے بچوں کی، غریب اور درمیانی قسم کے مرد اتنا خرچ نہیں دے سکتے ہیں، تو اس سے بچنے کا وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو ہم روزانہ اخبارات میں دلہنوں کے جلانے کے نام سے پڑھتے ہیں۔

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئی	- زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی
کائناتِ ماہ وانجم دیکھنے کے شوق میں	- اپنی دنیا سے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئی

اسلام نے عورت کے نفقہ کے اور دوسرے حل بیان فرمائے ہیں، وہ یہ کہ اس کو باپ کی ملکیت میں سے وراثت میں ایک بڑی رقم ملے گی، پھر نکاح ثانی کی اس کو ترغیب دی گئی، اس کے باپ، بھائی اور قریبی رشتہ داروں کو قانون وراثت اور قانون نفقہ کے تحت اسکی کفالت کا ذمہ دار بنایا گیا، اسکے علاوہ عام مسلمانوں کو تعاون، ہمدردی اور ایثار وقربانی کی ترغیب وفضیلت بیان فرما کر اسکی امداد کی طرف متوجہ کیا، یہ بھی نہ ہو تو اسلامی بیت المال کو اس کا ذمہ دار بنایا۔

عورت کے ذمہ کسی کا خرچہ لازم نہیں ہے، پھر بھی شریعت نے اسکو ماں ہونے کی حیثیت سے کبھی کل متروکہ جائداد کا $\frac{1}{3}$ اور کبھی $\frac{1}{6}$، بحیثیت دادی کے $\frac{1}{6}$، بحیثیت نانی کے $\frac{1}{6}$، بحیثیت بیٹی کہ اگر کوئی بھائی نہ ہو تو کل ترکہ کی نصف یا دو ثلث یا پھر بھائی سے آدھا حصہ، بحیثیت بہن کہ کبھی $\frac{1}{2}$، کبھی $\frac{1}{3}$، کبھی بھائی سے نصف اور اگر صرف بہنیں ہوں تو مجموعی طور پر $\frac{2}{3}$ ملے گا۔ بحیثیت بیوی کے کبھی $\frac{1}{4}$ اور کبھی $\frac{1}{8}$ حصہ ملتا ہے، اور اسکے علاوہ بھی بہت سی صورتوں میں اسکو ترکہ مل سکتا ہے، جسکا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے، جبکہ دوسرے مذاہب اور سماج میں اس قسم کی کوئی امداد و وراثت عورت کو میسر نہیں ہے۔

ھارون : جزاکم اللہ کہ آپ نے میرے تمام اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا، اب مجھے جب بھی کوئی اعتراض پیش آئے گا یا کسی اخبار وغیرہ میں اسلامی تعلیمات پر کوئی کیچڑ اچھالا جائے گا تو میں آپ سے ضرور رابطہ کروں گا۔

ناصر : ضرور ضرور ان شاء اللہ، آپ کو تشفی بخش جواب دینے کی ضرور کوشش کروں گا۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ......

امت مسلمہ کے ساتھ پریس (میڈیا) کا معاندانہ رویہ

ھارون : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امتیاز : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ارے بھائی کیا بات ہے، کئی دن سے نظر ہی نہیں آتے، اور یہ آپ کوکس کی نظر لگ گئی، آپ تو ماشاء اللہ بڑے موٹے تازے، ڈیل ڈول جسم والے تھے، کیا کوئی الجھن پیش آئی ہے؟ یا کسی بیماری کا شکار ہو گئے ہیں؟

ھارون : بھائی، الحمدللہ کوئی بیماری نہیں ہے، البتہ الجھن ضرور لاحق ہوئی ہے، اچھا ہوا کہ آپ مل گئے اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع مل گیا۔

آپ بھی شاید اخبارات، ریڈیو اور ٹی. وی. میں کچھ نہ کچھ سنتے، دیکھتے ہوں گے، ہر روز کوئی نہ کوئی مسلمان اخبارات کی سرخی اور ٹی. وی کا ہیرو بنا ہوا ہوتا ہے، کہیں دہشت گردی، بم دھماکے، کہیں کسی کے قتل کے فتوے، تو کہیں قتل پر لاکھوں ڈالر کے انعامات کے اعلانات، الغرض کوئی ہفتہ چین سے نہیں گذرتا، ایسا لگتا ہے کہ اس قوم کو باولے کتّے نے کاٹ کھایا ہے کہ اسکو چین وسکون اور امن وعافیت سے رہنا اچھا نہیں لگتا۔ فتنہ اور ہنگامہ ہی ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی ہے، آخر ڈسپلن (Discipline) سیکولرزم، بھائی چارگی، وطن پرستی اور قومی دھارے میں یہ کب شریک ہوگی؟

امتیاز : بھائی، آپ کی بات ظاہر میں تو صحیح لگتی ہے، حقیقت میں مسلمان اخبارات اور میڈیا کے منظورِ نظر بنے ہوئے ہیں، لیکن ذرا ایمانی بصیرت و گہرائی سے حقائق کا جائزہ لیں تو آپکو معلوم ہو جائے گا کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے، واقعات کی نوعیت وحقیقت کچھ ہوتی ہے، اور انکو مخصوص طرزِ فکر وانداز بیان سے بہت سوچ سمجھ کر دنیا

کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جس سے یہ احساس دلانا ہے کہ مسلمان ہی دنیا میں ایک جنگ جو، جاہل اور تشدد پسند قوم ہے، مسٹر گوئلز نے کہا تھا کہ جھوٹ اتنی کثرت سے بولو کہ لوگ اسکو سچ سمجھنے لگے، اور لارڈ میکالے جسکے افکار وخیالات کی موجودہ تعلیمی نظریات پر چھاپ ہے، اسنے دعوی کیا تھا کہ عام پبلک کا حافظہ کمزور ہوتا ہے، لہذا کسی بات کو مختلف عنوانات دیکر الگ الگ رنگ میں پیش کیا جاسکتا ہے، تو یہ اخبارات اور ٹی. وی. والے انہی آقاؤں کی نقالی میں واقعات کو توڑ مروڑ کے مختلف اسلوب و پیرایۂ بیان سے عوام کے ذہن کو گندہ کرنا چاہتے ہیں۔

ھارون : یہ تو آپ لوگوں کا بہت پرانا جواب ہے، جب بھی عالم اسلام کے کسی کونہ میں کوئی حادثہ یا واقعہ پیش آئے تو اسکی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے یورپ وامریکہ کے سر پر ڈال دی جائے۔ انگریز کے دورِ حکومت میں دریا کی مچھلیوں کی آپسی لڑائی میں بھی آپ کے بزرگوں کو انگریز کی شرارت نظر آتی تھی۔ یاد رکھئے جو قوم اپنا محاسبہ نہیں کرتی وہ کبھی بھی زندگی کی شاہ راہ پر گامزن نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح کے جوابات سے آپ بھولے بھالے مسلمانوں کی بھیڑ کو تو مطمئن کر سکتے ہیں، لیکن ہمارے جیسے گریجویٹ لوگوں کو آپ بے وقوف نہیں بنا سکتے، کیا مسلمانوں نے خود مسلمانوں کی مسجدوں اور مدرسوں پر دھاوہ نہیں بولا ہے؟ الجزائر، پاکستان اور مصر میں بے گناہ عورتوں، بچوں اور بڑھوں کو قتل نہیں کیا گیا ہے؟ صومالیہ میں سخت قحط سالی کے باوجود دو گروہوں کا خونی تصادم، یمن، سوڈان اور افغانستان کی طویل خانہ جنگی، پاکستان کا فرقہ وارانہ جنون، بنگلہ دیش کی جذباتیت، ایران وعراق کی دس سالہ طویل جنگ، عراق اور خلیج کے ملکوں کا تصادم اور اسکے علاوہ دوسری علاقائی ملکی جنگیں جو عالم اسلام کو زبردست جانی ومالی نقصان پہونچانے کے ساتھ اسلام کو بھی بدنام کر رہی ہیں، کیا یہ سب ہماری ہی جذباتیت، بے صبری، ناعاقبت اندیشی و بے وقوفی کے نتائجِ بد نہیں ہیں؟

امتیاز : بھائی! آپ کی بات صحیح ہے کہ مسلمانوں کے بہت سے مسائل ان کے

پیدا کردہ ہیں، اور مسلم سماج میں ہونے والے قتل، اغواء اور ظلم وزیادتی کے واقعات ناقابلِ عفو ہیں، یہ سب غیر اسلامی، غیر اخلاقی بلکہ بسا اوقات وحشیانہ بھی ہوتے ہیں، ان کے اقرار کے ساتھ آپ سے اس کی تہہ میں جانے کی اور واقعات کے اسباب وعوامل کا ٹھنڈے دل ودماغ سے جائزہ لینے کی دعوت دیتا ہوں۔ان واقعات کی اصل وجہ مسلم قیادت کا ردِّعمل (Reaction) والا جذبہ ہے، اس ردِّعمل کے رجحانات پیدا ہونے کا واقعی سبب یہ ہے کہ ان تمام مسلم حاکموں کی نشو ونما مکمل یورپی افکار وخیالات والے ماحول میں ہوئی ہے، جبکہ ملک کی اکثریت اسلامی معاشرہ ومزاج میں پلی بڑھی ہے۔اکثر حاکم ظالم وجابر بلکہ انسانیت دشمن ہیں، جن کو عوام کے جذبات اور انکی بنیادی ضروریات کا احساس نہیں ہے۔ یورپ کو وہاں جمہوریت وسیکولرزم کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، انکی ڈکٹیٹر شپ (Dictatorship) اور تشدد صرف مسلم اکثریت کے حق میں ہی نمایاں ہوتا ہے، اقلیت کے ساتھ یہ سب حالات ہوتے ہوئے بھی انکا تعلق رواداری بلکہ ان کے حقوق وجذبات ومذہبی تشخصات کا زیادہ لحاظ کرنے کا ہے، مسلمانوں پر ان کے اپنے ملکوں میں نام نہاد آزادی کے دور میں بھی ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، اور انہیں ذلت ورسوائی، قتل وغارت گری، آبروریزی و عصمت دری، عقائد کی پامالی، اور ذہنی کشمکش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جتنا کہ حقیقی سامراجی و غلامی کے دور میں بھی نہیں کرنا پڑا تھا، اسکے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھئے کہ یہ حالات صرف مسلم ملکوں میں ہی نہیں، بلکہ دنیا کے بہت سارے غیر مسلم ملکوں میں بھی دہشت گردی، فساد، عورتوں، بچوں اور نہتّے لوگوں پر ظلم وتشدد کا بازار گرم ہے، ساؤتھ افریقہ میں کالوں گوروں کی لڑائی، روو انڈا اور بُرندی میں خود کالوں کی آپسی جنگ، نیپال میں ماؤوادیوں کا ظلم وتشدد، ہندوستان کی شمال مشرقی ریاستوں میں مختلف باغی گروہوں کی سفاکانہ کارروائی، سری لنکا میں کئی سالوں کی خانہ جنگی ولاکھوں افراد کی تباہی، سابق سوویٹ (Soviet) روس میں کمیونسٹوں کی

طرف سے کروڑوں انسانوں کا قتل ،کمبوڈیا میں کمیونسٹوں اور غیر کمیونسٹوں کے درمیان جنگ، شمالی وجنوبی کوڑیا کا تصادم، برما سرکار اور حزبِ مخالف کی جنگ، اسکے علاوہ کئی ملکوں میں خونی جنگیں چلتی ہی رہتی ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی جرائم ،دہشت گردی اور تشدد کے واقعات غیر اسلامی سماج میں زیادہ پیش آرہے ہیں، کیونکہ غیر اسلامی سماج میں اخلاقیات اور مرنے کے بعد حساب وکتاب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ خیر وشر، ظالم ومظلوم ،حق وناحق میں کوئی تمیز نہیں ہے۔ اگر آزاد ذرائع سے عالمی نقشہ تیار کیا جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوگی کہ یورپی تہذیب وثقافت سے متأثر سوسائٹیوں میں مسلم معاشروں کے مقابلہ میں زیادہ دہشت گردی واخلاقی جرائم پائے جاتے ہیں۔

اپنے سیاسی مقاصد کیلئے یورپ وامریکہ نے عالم اسلام کے مختلف ممالک کے درمیان جنگی صورتِ حال قائم کر کے فضاء کو گرما دیا، یہ سب مخفی سازشوں کا احساس مسلم قیادتوں کو نہیں ہے، اِکونومسٹ اخبار نے لکھا ہے کہ مسلم تحریکوں کے متعلق امریکی پالسی تضاد وتعارض کا شکار ہے، یورپ وامریکہ اگر کسی اسلامی تحریک کے مخالف ہیں، تو دوسری جانب اسکی اعانت بھی کرتے ہیں۔ کسی بھی مسلم انتہاء پسند ودہشت گرد گروہ کی تہہ میں جائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی ٹریننگ امریکی صیہونی سراغ رسانی سے ہی وابستہ ہے۔ امریکہ ایک طرف ایران کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے تھا، تو دوسری طرف عراق کے خلاف ایران کو ہتھیار سپلائی کرتا تھا۔

ھارون : آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بھی صحیح لگتا ہے، لیکن ہم روزانہ اخبارات وغیرہ میں جو پڑھتے ہیں اس سے تو یہی احساس ہوتا ہے کہ مسلم سماج میں ہی اس قسم کی دہشت گردی اور بم دھماکے کے واقعات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جبکہ دنیا کی دوسری قومیں، تہذیبیں اور مذاہب والے اس طرح کی بنیاد پرستی سے اپنے کو آزاد کر چکے ہیں، ان کے یہاں مذہبی رواداری وبھائی چارگی پائی جاتی ہے، ہماری طرح مذہبی کٹر وادو سختی نہیں پائی جاتی ہے۔

امتیاز : بھائی آپ کون سی خوابی دنیا میں جی رہے ہیں، اسلامی سماج میں ہونے والے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو رائی کا پربت بنا کر نہایت گھناؤنی شکل میں پیش کر کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالی جا رہی ہے۔ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والے یورپ وامریکہ والے ہوں یا ہندوستان کے تشدد پسند آر-ایس-ایس والے ہوں، سب اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لیں کہ انکا دامن کتنا پاک ہے؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کے تمام برسرِ پیکار گروہوں اور باغیوں کو دہشت گردی وتشدد کی ٹریننگ کے اڈے اور ایشیا میں رونما ہونیوالے نسلی وگروہی فسادات میں یورپ کا ہی ہاتھ ہے۔ بم دھماکوں اور قتل وخون ریزی کے بہت سے واقعات کی ذمہ داری مسلم تحریکوں پر عائد کی جاتی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ امریکی و یہودی خفیہ ایجنسیوں کا ہی کام ہوتا ہے، روانڈا میں ہونے والا عظیم انسانی قتلِ عام جسمیں ۶ ؍لاکھ بے گناہ آدمی مارے گئے، اِکونومسٹ اخبار مظلوموں کی شہادت کے ساتھ لکھتا ہے: کہ امن کی ڈُگڈُگی بجانیوالے چرچ کے بڑے بڑے پادریوں نے ایک فریق کی حیثیت سے اس عظیم خونریزی میں بڑھ چڑھ کر عملی طور پر شرکت کی ہے، کیونکہ یہ جنگ عیسائیوں کے دو مذہبی گروہوں کی بنیاد پر ہوئی ہے،

فرنگیوں کی سیاست ہے دیوز نجیر

متاعِ غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اسکی - تو ہیں ہراولِ لشکر کلیسا کے سفیر

اسی طرح انگلینڈ وآئرلینڈ کی دھماکہ خیز لڑائیاں بھی عیسائی مذہبی فرقوں کی جنگ ہیں، لیکن یورپ کو وہ بنیاد پرستی نظر نہیں آتی، کیونکہ دونوں طرف عیسائی ہیں، مسلمان نہیں ہے، حال میں امنسٹی انٹرنیشنل نے کمبوڈیا، سابق یوغوسلاویہ اور سوویت یونین میں مختلف مشترکہ قبروں کا انکشاف کیا۔ یہ کروڑوں کی تعداد میں شہید ہونے والے مسلمان ہیں، جنہیں کمیونسٹوں نے مسلمان ہونے کی وجہ سے شہید کیا تھا، جنوبی سوڈان میں عیسائی باغیوں کو اور اِیتھوپیا کے عیسائیوں کو سوڈان کے خلاف ٹریننگ دے کر امریکہ ہتھیاروں کے ساتھ سوڈان بھیج رہا ہے۔

الجزائر میں سیکولرو جمہوری طرز پر انتخاب ہونے کے باوجود اسلامی دہشت گردی کا بہانہ کر کے الیکشن منسوخ کرا کے لاکھوں نہتے عوام کو فوج کے ہاتھوں قتلِ عام کرا کے دہشت گردی پھیلائی جاتی ہے ،اور اسکا الزام اسلامی تحریکوں پر عائد کیا جارہا ہے ، حالانکہ فرانس کے اشاروں پر یہ سب کچھ ہورہا ہے،تا کہ عیسائیت کے قلعے محفوظ رہ سکے،اسی بنیاد پرستی کے الزام میں ترکی کی نجم الدین اربگان صاحب کی حکومت کا خاتمہ کرایا گیا،تا کہ وہاں کے عوام اپنی پسند کی تہذیب وکلچر پر عمل نہ کرسکے۔

الغرض مسلمان اپنے دینی شعائر کا مطالبہ کریں تو دہشت گردی ہے ،اوردوسرے اگردین میں مداخلت کریں ،اسلامی تہذیب وکلچر ختم کر کے اپنا کلچر زبردستی نافذ کرنا چاہیں تو بھی وہ آزادی ورواداری ہے،واہ رے! جمہوریت وسیکولرزم

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جوشاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ہندوستان کی بھاجپہ سرکار کا دنیا کے سب سے بڑے سیکولر ملک کی اسکولوں میں ایجوکیشن جیسے اہم شعبے کو بھی مجروح کرنا،کورس میں ہندوتو کو زندہ کرنے کی کوشش ،تاریخ وجغرافیہ میں تبدیلی کرنا ، کھلے پارکوں میں مذہبی لباس وتریشول سے پریڈ کرانا ، یہ سب جمہوریت کے خدّ وخال سمجھے جائیں،اوراقلیتی اسکول یا دینی مدرسے انکو بنیاد پرستی کے اڈّے نظر آئیں ، جبکہ مسجدوں اور مدرسوں کے دروازے ۲۴ گھنٹے کھلے رہیں، سچی بات یہ ہے کہ ''جسکی لاٹھی اسکی بھینس'' جیسا معاملہ ہے،لیکن پھر بھی مسلمانوں کو ہم یہی کہیں گے ؂

توسمجھتا ہے یہ سامان ہے دل آزاری کا	-	امتحان ہے تیرے ایثار کا خودداری کا
کیوں ہراساں ہے صہیل فرس اعداء سے	-	نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفس اعداء سے

حقیقت یہ ہے کہ تمام غیرمسلم قوموں خاص کر کے یورپ کی پوری تاریخ ہی دہشت

گردی، ظلم وتشدد، بربریت، خونریزی، قوموں کے بنیادی حقوق کی پامالی اور انکے تاریخی نقوش اورتہذیب وکلچر مٹادینے سے بھری پڑی ہے، جب انگریز کا سورج چمک رہا تھا تو شمالی افریقہ،صومالیہ، کینیا، زنجبار، ملایا اور خود برّصغیر میں مسلمانوں کا خون بہانے کیلئے قتل گاہیں (Sloughtr House) بنائی گئیں، اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا،اور کیا اسپین کی تاریخ بھول گئے؟ مذہبی تفتیشی عدالتیں قائم کی گئی ،جسکا مقصد ہی اسپین کے مسلمانوں کو وحشتناک سزائیں دینا تھا، کتنوں کو زندہ جلایا گیا، کتنوں کے ناخن اکھاڑے گئے، آنکھیں نکالی گئی، مجموعی طور پر اسپین میں چرچ کے ظلم وستم کا نشانہ بننے والوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ تک پہونچی ہے،اسکی مزید تفصیل آپ امریکی مصنف وِلیم ڈریپر کی کتاب معرکۂ مذہب و سائنس A History of the conflict between relegion and science میں دیکھ سکتے ہیں۔

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی ۔	ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کوکردیتا ہے گاز
ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلمانوں کا لہو ۔	مضطرب لیکن ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

ھارون : آپ کی تحقیقی وتفصیلی رپورٹ سے یورپ کی دوہری پالسی اور مذہبی کٹر بنیاد پرستی بھی کچھ کچھ سمجھ میں آگئی ،لیکن مسلمانوں نے اسکے مقابلہ میں جو طریقہ اپنایا ہے کہ ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے جلوس نکالنا اور آزادیٔ رائے پر بالکل ہی بریک لگانا یہ مناسب نہیں ہے،اخبارات وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان آزادیٔ رائے واظہارِ خیال کے بھی سخت مخالف ہیں، جب کبھی کسی صحافی یا مصنف نے کوئی بات طنز یا مزاحیہ انداز میں لکھ دی تو مسلم سماج آگ بگولہ ہوجاتا ہے، حالانکہ اس آزادیٔ رائے واظہارِ خیال اور تحقیق وتنقید کے دور میں ہر کسی کو اپنی بات کہنے کا حق حاصل ہے۔ اگر اس طرح کسی کے خلاف قتل کے فتوے، کسی کی کتاب جلادینا یا اس کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوتی رہے گی تو ادب، تحقیق وتنقید اور بے لاگ

تبصرہ، کارٹون، مزاح وغیرہ جو چیزیں آج کے سیکولر دور میں علوم وفنون کا ایک جزو بن چکی ہیں، بلکہ اب تو اسکو بھی مستقل فن کا درجہ حاصل ہے، وہ ختم ہو جائے گی۔ کچھ لوگوں کا تو کہنا ہے کہ اسلام میں فرد کی آزادی نام کی کوئی چیز ہی نہیں، مولوی ملاؤں کی باتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح سر دھنتے ہوئے مان ہی لینا ہے، گویا اب تک مسلمان قرونِ وسطی والی دنیا سے باہر نہیں نکلے ہیں، زمانہ کی نبض شناسی اور وقت کے تقاضوں سے غافل ہو کر ہی مسلمان دنیا میں پیچھے ہیں۔

امتیاز : بھائی ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کی طرح آپ کیا الٹی بات اپنے آقاؤں کے سکھلانے سے بول رہے ہیں، آپکو معلوم ہونا چاہئے کے دنیائے انسانیت کو فرد کی آزادی کا احساس سب سے پہلے اسلام نے ہی کرایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرد کی آزادی کا وہ عالم گیر سبق سکھلایا تھا کہ لوگ خود آپ کے بھی کسی عمل کے بارے میں آپ سے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دریافت کر لیتے تھے، ایک باندی اپنے شوہر کے نکاح میں رہنا نہیں چاہتی تھی، آپ ﷺ کے فرمانے پر عرض کرتی ہے کہ اللہ کے رسول اگر آپ کا حکم ہے تب تو سر آنکھوں پر؛ اور اگر مشورہ ہے تو مجھے منظور نہیں ہے، ایک جوان عورت آپ ﷺ کی خدمت میں آکر ہمّت سے عرض کرتی ہے کہ اللہ کے رسول میرے والد نے میرا نکاح میرے چچازاد بھائی سے طے کیا ہے، جو مجھے منظور نہیں ہے، تو پیغمبرِ اسلام ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہیں نکاح رد کرنے کا اختیار ہے، لڑکی کہتی ہے کہ باپ کا طے کیا ہوا نکاح تو رد نہیں کرتی، لیکن عورتیں یہ بات جان لیں کہ شریعت نے باپ کو مکمل اختیار نہیں دیا ہے، اس لئے میں نے درخواست دی ہے۔

ایک بوڑھی عورت کھڑے ہو کر ۱۰ لاکھ مربع میل کے رقبہ پر حکومت کرنے والے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے کہتی ہے کہ عمر ٹھیک ٹھیک حکومت کرنا، قاضی شریح خلیفۂ وقت حضرت علیؓ سے عدالت میں آپ کے فرزندِ ارجمند حضرتِ حسینؓ کو گواہ بنانے پر یہودی

کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں ،مصر کے فاتح اور گورنر حضرت عمرو بن عاصؓ کے لڑکے ایک قبطی کی پٹائی کرتے ہیں، وہ قبطی مصر سے مدینہ منورہ آتا ہے،اور حضرت عمرو بن عاصؓ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے کہنے سے گورنر کے لڑکے کو کوڑوں سے سزا دیتا ہے،اس طرح کے سینکڑوں تابناک وشاندار واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔

اسلام اس طرح ظلم و جبر،انسانی جان کی بے قدری،عدم مساوات ، بے حیائی ، رشوت خوری ،سود اور جنسی بے راہ روی وغیرہ انسانی سماج میں ہونے والی برائیوں کو خود بھی ناپسند کرتا ہے ،اور ان کی مذمّت میں لکھنے والوں اور انسانی آزادی کے علمبرداروں کا خوب استقبال کرتا ہے،لیکن افسوس ہے کہ یورپ کو فرد کی آزادی کے نام پر صرف ایک ہی مضمون ملا ہے ،وہ ہے اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اِسلام ﷺ کی مقدس ذاتِ گرامی ، کاش کہ وہ انسانی سماج کو گھن کی طرح کھانے والے مہلکات اور مصائب سے نجات دینے کیلئے قلم اٹھاتے ، لیکن وہاں ان کی روشنائی خشک ہوجاتی ہے،آزادیٔ رائے کے نام پر آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ معاندانہ انداز میں لکھی گئی ،آپ کے ساتھ گستاخی کرتے ہوئے انتہائی گندی اور بازاری زبان استعمال کی گئی۔

حتی کہ یورپ کی ڈکشنریاں ،انسائکلو پیڈیا،تاریخ وجغرافیہ کی کتابیں بھی اس گندہ ذہنی سے محفوظ نہ رہ سکیں،تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد اسلامی غیرت کو چیلنج کرنے والے اور دینی عظمت وتقدس سے بے اعتمادی پیدا کرنیوالے مباحث ومضامین اٹھائے جاتے ہیں، کچھ نام کے مسلمان اہل قلم جن کی ذاتی صلاحیت وحیثیت یورپ کے نزدیک سوائے اسلام دشمنی کے کچھ بھی نہیں۔لیکن وہائٹ ہاؤس میں ان کے ساتھ خفیہ میٹنگ ہوتی ہیں، ان کی حفاظت کی فکر یورپ وامریکہ کو ہوتی ہے۔ بنگالن مصنفہ کی انکو فکر ہے اور کروڑوں بنگالی عوام سیلاب اور قحط سالی کا شکار ہوئے ،انکی کوئی فکر نہیں ۔کبھی تجارتی کمپنیوں کی طرف سے اسلامی تعلیمات اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے نام مبارک کی توہین کرنیوالے جوتے ،کپڑے وغیرہ تیار کر کے

مسلمانوں کے احساسات کو مجروح کیا جاتا ہے، بلکہ انٹرنیٹ جیسے اہم کمپیوٹری شعبہ میں بھی وہ کتابیں اور مضامین منظر عام پر لائے جاتے ہیں، جن پر سرکاری طور سے پابندی ہوتی ہے، چند سال پہلے فلسطینی وزارت کو ایک کمپیوٹری ڈاک ملی، جو انٹرنیٹ کے ذریعہ نیویارک سے بھیجی گئی تھی، جس میں آپ ﷺ کی نہایت گھناؤنی وگندی تصویر بنائی گئی تھی، ترکی میں پیغمبرِ اسلام کے خلاف لکھنے والوں کو کوئی سزا نہیں اور مصطفیٰ کمال پاشا پر تنقید کرنا قابل سزا اور ملک سے غدّاری کے مرادف ہے، یہ حال ہے آپ کی آزادیٔ رائے کا۔

اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک	-	جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ	-	آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

ھارون : کچھ لوگوں کا تو یہ بھی اعتراض ہے کہ مسلمانوں کو دہشت گردی وخونریزی کی تعلیم اور غیروں کے ساتھ نفرت وعداوت اور ہر کام میں ان کی مخالفت کرنے کا حکم ان کی مذہبی کتابوں سے ہی ملا ہے، ان کی مقدس کتاب قرآن شریف میں بھی بار بار غیروں کو قتل کرنے اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں، اسی لئے تو کچھ سال پہلے کلکتہ ہائی کورٹ میں قرآن مجید کے خلاف رِٹ داخل کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ قرآنِ کریم کی کچھ آیات ہندوستانی سماج کو دو الگ الگ قانون میں تقسیم کرکے فرقہ واریت و علیٰحدگی پسندی کی فضاء پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں، ان کے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرتِ مقدسہ بھی جنگوں سے بھری پڑی ہے، اور اسلامی تاریخ تو مکمل ہی میدان کارزار بنی ہوئی ہے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

امتیاز : بھائی! یہ بات بھی اسلام کی غلط تصویر پیش کرنے کیلئے گھڑ دی گئی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی پیش کردہ اسلامی زندگی ایک فراخ اور کشادہ زندگی ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی موضوع ہی عقائد صحیحہ، اعمالِ صالحہ اور اصلاحِ معاشرہ ہے، یہ عالم گیر رشد وہدایت، اخلاق فاضلہ، صبر وتحمل، خیر وصلاح، محبت وشفقت، انسانی مساوات و بھائی

چارگی ،عدل وانصاف ،ظلم وزیادتی کی مذمت ،یتیموں ، بیواؤں ،فقیروں ،محتاجوں اور سماج کے کمزور و بے بس لوگوں ؛حتیٰ کہ بے زبان جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں تک کے حقوق کو بہت تفصیلی طور پر پیش کرتا ہے ،اسکے ساتھ غیبت ،دھوکا بازی ،سود، خیانت، رشوت وغیرہ کو بالکل پسند نہیں کرتا ہے ۔غرض اخلاقیات کا کوئی شعبہ قرآنِ کریم نے چھوڑا نہیں ہے ،قرآنِ کریم کی تعلیم کے مطابق انبیاء کرام کی بعثت کا ایک خاص مقصد دنیا میں امن وامان کا قیام اور جان، مال،عزت وآبرو کی حفاظت کا انتظام بھی ہے ۔اسی لئے اول قتل انسانی کے تذکرہ میں فرمایا: **من اجل ذٰلک کتبنا علیٰ بنی اسراء یل انه من قتل نفسا بغیر نفس الخ.. – ومن احیاھا فکأنما الخ..** ایک ناحق قتلِ انسانی کو تمام انسانوں کا قتل اور ایک کو بچانا پوری انسانیت کو بچانے سے تعبیر کیا گیا ہے ،اورشدت سے فرمایا: **ولا تقتلوا النفس التی حرّم الله الا بالحق.** کہیں فرمایا: **وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم** جتنا تم کو ستایا جائے اتنا ہی بدلہ لو، اور اگر صبر کر کے معاف کر دو تو صبر کرنیوالوں کیلئے بہت اچھا ہے، مکہ مکرمہ کے مشرکین جنھوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ مارا، پیٹا اور وطنِ عزیز سے ہجرت پر مجبور کیا ، پھر بھی قرآنی حکم نازل ہوا: **ولا یجرمنکم شنـاٰن قوم علی ان لا تعدلوا.** بیس سالہ ظلم وزیادتی کا بدلہ لینے میں انصاف سے کام لو۔**اعد لوا هو اقرب للتقوی** ۔فتح مکہ کے موقع پر سب جانی دشمنوں کو معاف کر دیا۔

دشمنوں کی مسلسل اذیت وتکلیف رسانی کے بعد جب جہاد کا حکم نازل ہوا،اور آپ کو دشمنوں سے لڑائی کا سابقہ پڑا تو تحقیقی قول کے مطابق ان غزوات وسرایا جن کی مجموعی تعداد ۸۲ ہیں ۔ان میں فریقین کے مقتولین کی تعداد صرف ۱۰۱۸ ہیں ،تھوڑی سی تعداد کے قتل کے نتیجہ میں خود جزیرۃ العرب جو قتل ، غارت گری اور انتقامی کارروائیوں کا دلدل بنا ہوا تھا ، وہاں ایک

عورت زیورات سے لدی ہوئی سینکڑوں میل کا تنہا سفر امن وامان کے ساتھ کرتی ہے، اسکو خدائے واحد کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوتا، اسلامی غزوات ان دو اصولوں کے پیش نظر ہوتے ہیں، **الفتنة اشد من القتل** فتنہ انگیزی قتل سے بڑھ کر ہےاور **ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب** اے عقل والو! تمہارے لئے بدلہ اور قصاص ہی میں سامانِ زندگی ہے، اسکا موازنہ دو عالمی جنگوں سے (۱۹۱۴ سے ۱۹۱۸ تک) اور (۱۹۳۹ سے ۱۹۴۵ تک) سے کیجئے، انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق پہلی جنگ کے مقتولین کی تعداد ۶۴ لاکھ اور دوسری کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی، ان دونوں جنگوں نے تباہی اور بربادی کے سوا انسانیت کی کوئی خدمت نہیں کی۔

ھارون : یہ بھی اعتراض ہے کہ مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں، وہاں وہ دہشت گردی میں مبتلا ہیں، جہاں انکی اکثریت ہے، وہاں کی غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ بہت ہی خراب ہے، وہ بیچارے غیر مسلم نہایت ہی کس مپرسی کی حالت میں زندگی گذار رہے ہیں، وہاں انکو اپنے مذہب پر عمل کرنا بھی مشکل ہے، ہر وقت وہ سہمے سہمے اور خوف ودہشت میں رہتے ہیں۔

امتیاز :

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟	–	نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟

بھائی، اچھا ہوا کہ آپنے یہ سوال اٹھایا، میں آپکو اس سلسلہ میں تفصیلی بیان کردینے ہی والا تھا، مسلمان ملکوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو ہر قسم کی سہولیات فراہم ہے، انکے بچوں کی تعلیم وتربیت اور اپنی تہذیب وثقافت اور عبادت گاہوں کے نظم ونسق اور رسم ورواج میں وہ آزاد ہیں، مسلم حکومتیں بالکل دخل اندازی نہیں کرتی ہیں، بلکہ وہاں کا قانون ہی یورپی طرز پر سیکولر ہے، اقتصادی نظام بلکہ تہذیب وثقافت بھی یورپی تہذیب کی ہی آئینہ دار ہے، اس لئے غیر

مسلموں کو وہاں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی ، ہاں غیرت مند دینی تشخص کے علمبردار مسلمانوں کو ضرور اپنے ملکوں میں بھی اجنبیت کا احساس ہوتا ہے، وہاں کا نظامِ تعلیم ، ٹی.وی، ریڈیو وغیرہ تک اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا ہے، حسنی مبارک جیسے کٹّر سیکولر حکمران کو بھی قبول کرنا پڑا کہ مصر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مظلومیت کا جھوٹا بہانہ بنا کر کے امریکہ مصر پر دباؤ ڈال رہا ہے، حالانکہ مصر کی یہودی و مسیحی اقلیت کے ساتھ اکثریت کے مقابلہ میں بھی اچھا سلوک کیا جارہا ہے، سرکاری حلقوں میں ان کی ہی رسائی ہے، ان پر تنقید کی ممانعت ہے، بلکہ اعلی عہدوں پر فائز ہو کر اقتصاد پر انکا ہی کنٹرول ہے، جامعہ ازہر میں اسلامی تاریخ میں فرعونی تاریخ کو شامل کیا جارہا ہے۔امریکہ جنوبی سوڈان اور ایتھوپیا کے باغی عیسائیوں کی پشت پناہی کر کے ان سے سوڈان میں حملہ کروارہا ہے، جبکہ سوڈان پر پابندیاں لگی ہوئی ہیں ۔ دوسری طرف آزادی کے جائز حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کی سرکوبی کیلئے امریکہ حمایت کرتا ہے، ترکی میں اسلام پسندوں کو حکومت سے بے دخل کر کے انکو جھوٹے الزام میں گرفتار کر کے قید میں ڈالا جارہا ہے، بلکہ ترکی کی فوجی حکومت مکمل اسرائیل کے اشاروں پر چل رہی ہے، جبکہ دوسری طرف غیر مسلموں کو یہ آزادی ہے کہ وہ جس مسئلہ کو چاہے موضوعِ بحث بنائیں، اسلام کی معزز شخصیات پر الزام تراشی ہو یا تاریخ اسلام پر کیچڑ اچھالنا ہو سب کی آزادی ہے، اور ان زیادتیوں پر مسلمان ناراضگی کا اظہار کریں یا جلوس نکالیں تو یہ بنیاد پرستی ہو جائے گی ، بہت سے مسلم ملکوں میں دعوت و تبلیغ پر پابندی ہے، اور عیسائی مشنریوں کو کھلی آزادی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کریں، انڈونیشیا، پاکستان اور بنگلہ دیش میں عیسائی مشنریوں کے پاس ہوائی جہاز ہیں ، باقاعدہ ریڈیو اسٹیشن اور ٹی.وی چینل کے مالک ہیں، انٹرنیٹ بھی اس میں پیش پیش ہے، وہ عیسائیت کی تبلیغ میں بے تحاشہ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔

امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، پرتگال وغیرہ حکومتیں براہِ راست عیسائی مشنریوں کی کارروائی میں دلچسپی لیتی ہیں، پادریوں کے لباس، طرزِ معیشت، نقل وحرکت اور جارحانہ بیانات پر کبھی یورپ وامریکہ نے پابندی نہیں لگائی، نہ انکو بنیاد پرست کہا، بلکہ آپ اگر عیسائی مشنریوں کی ۱۹۹۷ کی سرگرمیوں کا رپورٹ سنیں، اس میں کہا گیا ہے کہ اس وقت دنیا میں عیسائیوں کی تعداد ۴۹۔۳؍ارب کے قریب ہے، اور ہر سال انکی تعداد ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ کے قریب بڑھتی ہے، رپورٹ میں آگے عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ ۱۹۹۶ میں پوری دنیا میں انجیل کے ۱۴۸ ارب نسخے تقسیم کئے گئے، عیسائی داعیوں کے بارے میں بتایا گیا کہ ۸۵ لاکھ داعی اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں ہیں، جس میں ۴۷ لاکھ ۵۰ ہزار پادری ہیں، رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۷ میں دوسو ہزار ملین ڈالر عیسائیت کی اشاعت پر صرف کئے گئے، مشنری ریڈیو اسٹیشنوں کی تعداد ۲۴۰۰ ہیں، اس رپورٹ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اتنی بڑی تعداد اور اتنے وسیع پیمانے پر مشنریوں کی سرگرمیاں یورپ وامریکہ کے سرمایہ داروں اور حکومتوں کے تعاون کے بغیر انجام پاسکتی ہیں؟ اسکے باوجود یہ تمام یورپی ممالک سیکولرزم کے جھوٹے دعوہ دار ہیں۔

ھارون : مولینا! یہ لوگ مذہبِ اسلام سے برسرِ پیکار نہیں ہے، بلکہ دراصل وہ تو اسلامی بنیاد پرستی اور فنڈامنٹلزم کے خلاف ہیں۔

امتیاز: بھائی! یہ بھرم کھل جاتا ہے، جب فنڈامنٹلزم کی تشریح میں خود یورپی مفکّرین یہ کہتے ہیں کہ آخرت پر ایمان رکھنا، آخرت والے اعمال کرنا ہی درحقیقت بنیاد پرستی ہے، ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج وغیرہ دینی شعائر کی پیروی اور ہروہ عمل جو حق تعالی شانہ کی رضا مندی کیلئے کیا جاوے وہ بنیاد پرستی میں شامل ہے، پھر بھی ہمیں بنیاد پرستی کا الزام گوارا ہے، کیونکہ یہ ایسے لوگوں کی طرف سے مل رہا ہے جنکے یہاں اخلاقی وانسانی قدریں پامال ہوچکی

ہیں،نسب نامہ جانوروں کی طرح بجائے باپ کے ماں سے چلتا ہے،اس طرح ان کی تمام بنیادیں ڈھا چکی ہیں،ایسے بے بنیاد لوگوں کی طرف سے بنیاد پرستی کا تحفہ ہمارے لئے باعثِ فخر ہے کہ انہوں نے ہماری بنیاد تو تسلیم کی۔

ھارون : بھائی! یورپی مشنریوں کی اتنی زبردست ٹیم عیسائیت کی تبلیغ میں لگی ہوئی ہے پھر ان کو اسلام اور مسلمانوں سے وہ کونسا خطرہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مسئلہ میں اتنے حساس ہیں؟

امتیاز : بھائی! بات حقیقت میں یہ ہے کہ یورپ نے علم وفکر، ظلم وتشدد، قومی، وطنی، لسانی اور عصبیت کی ہوا پھونک کر ملت اسلامیہ کے شیرازے کو منتشر کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ کامیاب ہوگئے، لیکن اسلام کی خود یورپ وامریکہ میں بڑھنے والی مقبولیت نے ان کو یہ احساس دلایا کہ صلیبی جنگوں کی ناکامی کی طرح ان کی فکری جنگوں میں بھی وہ ناکامی کے دہانے پر کھڑے ہیں، جن قوموں کو اسلام کی شاہ راہ سے ہٹا کر کفر والحاد کی دہلیز پر لا کھڑا کیا تھا وہ نئے عزم، حوصلوں اور امنگوں کے ساتھ پھر اسلام کی طرف اپنا رخ موڑ رہی ہیں۔ مشنریوں کی مسلسل محنت کے باوجود نتائج الٹے واقع ہورہے ہیں، خود یورپ کے بڑے بڑے مفکرین ودانشور دائرۂ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں ہی کو مظلوم بنا کر چھوڑا پھر بھی انکا جوش ایمانی اور بہتر ہورہا ہے، اور یورپ والوں کو اس حقیقت کا بھی اچھی طرح علم ہے کہ اسلام عقل وشعور کے دورِ بلوغ کا آخری مذہب ہے، انسانی مادی اور روحانی ضروریات کا کفیل ومکمل ضابطۂ حیات ہے، اسمیں اتنی وسعت ہے کہ وہ ہر دور کے صالح انسانی ترقی کا ساتھ ہی نہیں بلکہ رہنمائی بھی کرتا ہے، اگر

اسلام کے سچے پرستاروں کو اقتدار وغلبہ حاصل ہوجائے تو دنیا کی حکومت وسیاست کا خاکہ **الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واٰتوا الزکاۃ وامروا بالمعروف وَنَھَوْا عن المنکر** کی روشنی میں اسطرح ترتیب پائے گا کہ بیت المال کے نظام سے کوئی ننگا ،بھوکا نہ رہنے پائے گا ،عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے گا ۔رشوت ، چالبازی، جھوٹی گواہیاں، چوریاں، بدکاریاں ،ڈاکے اورقتل وغارت گری کا خاتمہ ہوجائے گا، ایک کمزورناتواں آدمی رات کے اندھیرے یاصحراء کے ویرانے میں بھی سونے کا دلّا یاروپئے کا بنڈل لیکر چلے گا توکسی کو آنکھ اٹھاکر دیکھنے کی ہمت نہ ہوگی ،غریبوں کا خون چوس کر تیار ہونیوالی مہاجنی کوٹھیاں اورسودخوار ساہوکاروں اوربنکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں گے، شرابی اورجواری اگراپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو شہر بدر کردئے جائیں گے۔ٹی.وی کے وہ پروگرام جوبے حیائی اور فحاشی کے ذریعہ معاشرہ کی آنکھوں سے شرم ولاج ختم کررہے ہیں،ان تمام شہواتی تماشہ گاہوں کو یک قلم ختم کردیا جائے گا،ظلم وستم کی جگہ شہروں، دیہات، کوچہ وبازار ہرجگہ انسانی شرافت اور پیارومحبت کی شہنائیاں سنائی دے گی، یہ وہ خطرات ہیں جس نے یورپ کواتنا خوف زدہ کردیا ہے کہ اسلام دشمنی میں وہ اپنے تمام نام نہاد اصولوں کی بھی دھجیاں بکھیر رہا ہے،لیکن ان بے چاروں کومعلوم نہیں کہ مسلمانوں کی دینی بیداری کسی سے دشمنی وعداوت کی بنیاد پر نہیں ہے ، بلکہ صرف اپنے رب کو راضی کرنا مقصود ہے ۔

ھارون : دعاء کیجئے کہ اللہ پاک انکو صحیح سمجھ نصیب فرماویں ،اور وہ اپنے دورخاپن ومنافقانہ برتاؤ سے باز آئیں۔

امتیاز : بھائی! دعاء تو ہماری بھی یہی ہے کہ اللہ پاک ان کو واقعات کی صحیح اور سچی

تصویر کشی کرنے کی توفیق دے، کیوں کہ ''ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں، ظلم کی تہنی کبھی پھلتی نہیں''۔

ھارون : تو ہمارا اس سلسلہ میں کیا موقف ہونا چاہئے؟ اور مستقبل کا کیا لائحۂ عمل تجویز کرنا چاہئے؟

امتیاز : بھائی! ہمارے جلسہ کے خصوصی مہمان صاحبان ہی اس میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔

ھارون : چلو تو پھر السلام علیکم......

مسلم پرسنل لا

ھارون : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔کیا بات ہے کبھی احمد آباد تو کبھی بمبئی کے چکر کاٹ رہے ہو؟ کیا کوئی بڑا بزنس ہاتھ آ گیا یا اور کچھ دال میں کالا ہے۔

سعید : بھائی بلی کے خواب میں چھیچھڑے ہی ہوتے ہیں، آپ کو تو ہر کام میں ایسا ہی نظر آئے گا، کیا آپکو معلوم نہیں کہ ہماری سرکار اور سپریم کورٹ کے ججوں کو تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد کبھی شاہ بانو تو کبھی سرلا مُدگل کے نام سے کومن سول کوڈ کے دورے پڑتے ہیں، تو باولی باولی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

ھارون : ذرا منہ سنبھال کر بولو، آخر سپریم کورٹ کے ججوں نے کونسی غلط بات کہہ دی ہے؟ انکا کہنا صحیح تو ہے، ملک کے تمام مذاہب اور فرقوں کا ایک ہی کوڈ ہو چکا ہے، تو پھر مسلمان اپنی الگ الگ ڈُگڈُگی کیوں بجاتے رہتے ہیں، ہر کام میں مسلمانوں کو مخالفت کرنے کی عادت ہو چکی ہے، زمین پر رہنا ہے اور باتیں آسمانی شریعت کی کرتے رہتے ہیں۔ ۱۹۵۵ میں شاردا بل کے ذریعہ مسٹر جواہر لال نہرو نے ہندو کوڈ بل میں بڑے پیمانے پر اصلاحی ترمیم کی، تو تمام ہندوؤں نے اسکو بڑی خوش دلی سے قبول کر لیا، اس بل کی وجہ سے ہندو میریج ایکٹ، وراثت، تولیت، لے پالک اور کفالت وغیرہ کے قانون نے کومن کوڈ کی حیثیت سے مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کی کتابوں پر مبنی روایتی ہندو قانون کی جگہ لے لی ہے، ہندوؤں کے ساتھ سکھوں، بودھوں، اور جینوں نے بھی قومی بھائی چارہ اور اتحاد و یکجہتی کی خاطر اپنے جذبات کو قربان کر دیا۔لیکن مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ آئین پورے ہندوستان کے لئے یکساں سول کوڈ کی وکالت کرتا ہے، جب ملک کے ۸۰ فی صد سے زائد باشندوں کو ایک قانون کے دائرہ میں لیا جا چکا ہے، تو اس کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا کہ ہندوستان کے تمام

شہریوں کے لئے یونیفارم کوڈ وضع کرنے کے کام میں مزید تاخیر کی جائے۔

سعید : آپ تو فاضل ججوں کے بھی استاذ معلوم ہوتے ہیں، ججوں کی دلیلیں ظاہر میں بڑی خوشنما اور وزنی معلوم ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں عملا ایسا نہیں ہورہا ہے، آج بھی سکھ، بودھ اور جین ہی نہیں بلکہ خود ہندو دھرم کے نام لیوا مختلف قبائل بھی ہندو میرج ایکٹ وغیرہ کو نہیں مانتے، اور اپنے قبائلی رسم ورواج کے مطابق ہی نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ پر عمل کرتے ہیں، اور کان کھول کر سنئے: ڈاکٹر آمبیڈکر کے پیش کردہ ہندو بل کو بھی رد کردیا گیا تھا اور ۱۹۵۲ کی الیکشنی مہم میں بی. جے. پی. کے پہلے ایڈیشن بھارتیہ جنسنگ نے ہندو کوڈ بل کے خلاف زبردست ہنگامہ برپا کیا تھا وہ بی. جے. پی. آج سیانی بلی ہوکر اسکی تائید کرنے نکل پڑی۔ بودھ، جین اور سکھ اپنے کو ہندو مذہب سے علیحدہ شمار کرتے ہیں، وہ بار بار بانگ دہل اپنے اجلاس میں اعلان کرچکے ہیں کہ ہم برہمن واڈی ہندو سنسکرتی کو ہرگز قبول نہیں کرسکتے، اسی طرح ۸۰ فیصد کا بہانہ (جس کی حقیقت آپ نے سن لی) مسلمانوں کے لئے کوئی دلیل نہیں بن سکتا۔ یہ جج ہوکر آئین کے بنیادی حقوق کی دفعہ ۲۵ کو نظر انداز کرنا ہوا، جس میں ہندوستان کے ہر باشندے کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے، پھر تو کل سپریم کورٹ مسلمانوں کو ۸۰ فی صد ہندوؤں کی پیروی میں ان کے طریقۂ عبادت، رہن سہن اور تہذیب وکلچر قبول کرنے پر بھی مجبور کرکے ہندو کرن کی لہر میں شامل کرنے کا فیصلہ کرسکتی ہے، اور ۱۹۵۶ کے جس ہندو کوڈ کی فاضل جج صاحب دہائی دے رہے ہیں، اسکی حقیقت بھی سابق اٹارنی جنرل مسٹر سولی سہراب جی کے الفاظ میں دھیان سے سنئے کہ ان قوانین کے ذریعہ ہندوؤں کے روایتی قانون کو ختم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ہندوؤں کے پرسنل لا کی بنیادی اور اہم باتوں کو ان قوانین کا ضروری حصہ بنادیا ہے، جسکی بہت سی مثالیں ہندو سکششیشن ایکٹ، ولایت ایکٹ اور لے پالک ایکٹ میں موجود ہے، اسی طرح دستور کی ترمیمی دفعہ 371 A میں کہا گیا ہے کہ ناگالینڈ میں ناگاؤں کے درمیان جو مذہبی، سماجی رواج اور روایتی قانون ہیں ان کے بارے میں پارلیمنٹ کوئی قانون

نہیں بنا سکتا ہے، ہمارے پاس اسکے بھی دلائل ہیکہ ہندو کوڈ کو بچانے کے لئے دستور کی دفعات اور سیکولر قانون میں بہت سی استثنائی اور ترمیمی دفعات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

جنوں کا نام رکھدیا خرد ، خرد کا جنوں	-	جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ھارون : کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ مسلم پرسنل لا میں انسانی حقوق خاص کر کے عورتوں کی آزادی پر حملہ ہو رہا ہے ، چودہ سو سال پرانے قانون جن میں اس زمانہ کے احوال کی تو رعایت کی گئی ہوں، لیکن وہ آج کی ترقی یافتہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں کیسے عمل میں لائے جاسکتے ہیں، اسکے ساتھ وہ ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی آزادی کے آڑے آتے ہوں ، ملک کے سیکولر اور جمہوری نظام اور متحدہ قومیت کے نظریہ کے بھی خلاف ہوں تو پھر ایسے قانون کو ختم کر کے یکساں سول کوڈ بنانے میں کیا حرج ہے؟ خاص کر کے جب یہ مسئلہ ملک کے باشندوں کی آزادی کے بھی خلاف ہو؟

سعید :

عقل تو زنجریٔ افکار غیر	-	درگلوئے تو نفس از تار غیر
برزبانت گفتگو ہا مستعار	-	در دلت آرزو ہا مستعار

آپ کے وہ کرم فرما یہ سمجھ رہے ہیں کہ یکساں سول کوڈ علاؤالدین کا جادوئی چراغ یا علی بابا کا ’’سم سم دروازہ کھل جا‘‘ والا کوئی جادوئی منتر ہے ، جسکے نافذ کرتے ہی ہندوستان میں دودھ کی نہریں بہنے لگے گی ، اور ملک کے بنیادی مسائل بجلی ، پانی ، ہسپتال اور سڑکوں وغیرہ کی تکلیف دور ہو جائے گی ، اور اسکے ساتھ ہی رشوت کی عمومی بلا ، بدامنی ، بے کاری ، اقتصادی بدحالی ، جہیز کی بنیاد پر سینکڑوں نئی نویلی دلہنوں کو جلانا ، بینکوں اور حوالوں کے روز بروز اربوں روپیہ کے گپلے وغیرہ سب مسائل فوراً حل ہو جائیں گے ، تو وہ بے چارے شیخ چلّی کی خوابی دنیا میں جی رہے ہیں ، سِوِل کوڈ اگر مسائل کا حل ہوتا تو یورپ کو دو بڑی جنگیں نہ لڑنی پڑتیں ، جن

میں مرنے والوں کی مجموعی تعداد انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق چھ کروڑ تھی ،جن ملکوں کے درمیان یہ جنگیں ہوئیں انکا کوڈ ایک ہی تھا ، بلکہ دونوں کا مذہب بھی عیسائی اور فرقہ بھی ایک ہی پروٹسٹنٹ تھا۔آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بھارت کے دستور نے ہر صوبے واسٹیٹ کواپنے جغرافی اور کلچری ماحول کو سامنے رکھکر الگ قانون بنانے کا اختیار دیا ہے،جسکی وجہ سے ایک ہی ملک کے تمام صوبوں کے قانون آپس میں اتنے مختلف ہیں، جتنے کہ دوملکوں کے قانون ہوتے ہیں، پھر بھی بھارت کی ایکتا اوراکھنڈتا میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ کومن سول کوڈ بھارت دیش میں بسنے والے مختلف طبقات اورقبائل کے تشخص کی بقاء کے لئے بھی بے حد خطرناک ثابت ہوسکتا ہے، کیونکہ کھاسی قبائل اور کیرالا کے بعض فرقے باپ کے بجائے ماں کو خاندان کا سربراہ تسلیم کرتے ہیں ،شمال مشرق کے قبائل کے رسم ورواج تو ملک کے دوسرے علاقے کے لوگوں سے بہت ہی مختلف ہیں ،خود ہندوؤں میں ملک کے ایک حصہ میں اگر ایک گوتر کے افراد میں شادی بیاہ کی ممانعت ہے،تو دوسرے حصہ میں ماموں کا اپنی بھانجی کے ساتھ شادی کرنا افضل سمجھا جاتا ہے، جہاں تک عورتوں کے ساتھ انصاف کی بات ہے تو خود ہندوکوڈ اور سیکولر قانون میں بھی انکے ساتھ حق تلفی ہی ہورہی ہے،زمینداری ایکٹ میں لڑکے کی موجودگی میں ماں ، بیوہ عورت اورلڑکی کا حق سلب کرلیا گیا ہے،اسی طرح ہندووراثت ایکٹ میں بہن کوحصہ ملنے کے شرائط بہت سخت ہیں،اسی طرح میاں بیوی میں علیٰحدگی کے قانون بھی اتنے پیچیدہ ہیں،جن کی وجہ سے ہندوعورت اپنے سماج میں کثرت سے ظلم وزیادتی کا شکار ہوتی ہے،اسکی وجہ سے ہی نیناتنور ہتیا کانڈ جیسے کیسیس بھی کثرت سے ہوتے رہے ہیں،اسی وجہ سے ماہرین قانون کا کہنا ہیکہ ہندوکوڈ بل کے قانون وراثت میں عورتوں کی حق تلفی کی گئی ہے۔

ھارون : سپریم کورٹ کے فاضل ججوں نے تو صرف رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ کے تحت حکومت کو ہدایت ہی دی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کوئی فیصلہ تو نہیں دیا ہے۔ آپ کے پرسنل لا بورڈ اور جمعیۃ علماء والوں نے ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ مسلمان خطرہ میں ہے، اور اسلام ہندوستان سے رخصت ہورہا ہے، خواہ مخواہ اس مسئلہ کو زندہ کر کے فرقہ پرستوں کو ایک اور موقع دے دیا۔

سعید : بھائی! آپ کے ججوں نے بنیادی اصول کی دفعہ ۲۵ کی خلاف ورزی کر کے آئین بھارت کی توہین کی، اسی طرح آرٹیکل ۱۴۵ کے مطابق کسی مقدمہ کا فیصلہ (سماعت کرنے والے ججوں کی) کثرت رائے کے بغیر نہیں کیا جاسکتا، اور سرلا مدگل کیس کی تنقیح میں دونوں ججوں نے اختلاف رائے کیا، لہذا آرٹیکل ۱۴۵ کے تحت کسی کا فیصلہ قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔ نیز آرٹیکل ۳۷ کی بھی مخالفت کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ رہنما اصول کی یہ دفعات سپریم کورٹ کے ذریعہ قابل نفاذ نہیں ہوگی، پھر بھی سپریم کورٹ نے دفعہ ۴۴ کی ہدایت کے نفاذ کا حکم دیکر آئین کے بنیادی اور رہنما دونوں اصولوں کی ڈھجیاں بکھیر دی، تو ہمارے علماء کرام سچے وفادار ہندوستانی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اسکی مخالفت ضرور کریں گے، رہنما اصول میں ہیکہ ۱۴ سال کی عمر تک کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم دی جائے۔ اسی طرح بابری مسجد کی شہادت کے وقت رہنما اصول آرٹیکل ۴۹ کی خلاف ورزی ہورہی تھی، جسمیں تمام قدیم عمارتوں کی حفاظت کرنا حکومت کا فرض بتایا گیا ہے، لیکن فاضل ججوں نے کوئی ہدایت نامہ جاری نہیں کیا، اس وقت ان کو سانپ سونگھ گیا تھا، اسی طرح کوڑھ کے ۴۰ لاکھ مریض گذشتہ گیارہ سال سے سپریم کورٹ کے دروازے پر دستک دینے کے باوجود اپنے جائز حقوق وصول کرنے میں ناکام ہیں۔

اونچی ذات کے لوگوں کی طرف سے نیچی ذات والوں کی عورتوں کو ننگا کر کے گلیوں میں گمایا جاتا ہے، انکے گھروں کو آگ لگائی جاتی ہے، فحش لٹریچر اور بلو فلموں نے نوجوان نسلوں

کے اخلاق کا دیوالیہ نکال دیا ہے، لیکن ۴ ارب روپیہ کی سالانہ آمدنی کے نشہ میں دُوردَرشن کو دور کی ہی دنیا نظر آتی ہے، اندرون ملک کی خبر نہیں ہے۔ یہ سب ملک کے بنیادی اور ضروری مسائل ہیں، جنہوں نے ملک کی چولیں ہلا کر اسکو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے، لیکن ہمارے فاضل ججوں کو یہ سب نظر نہیں آتا، بلکہ ان کے اس قسم کے غلط فیصلے ہی ملک میں فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں۔

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق انکو	آنکھ جنکی ہوئی محکومی وتقلید سے کور

ھارون : اسلامی قانون نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ میں عورتوں کی حق تلفی ہورہی ہے، اسی لئے تو ملک کا دانشور طبقہ مسلم عورتوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے پرسنل لا میں ترمیم کروانا چاہتا ہے، جو ایک اچھا قدم ہے، آپ لوگوں کو مسلم عورتوں کی پریشانیوں کا علم اور ان کے حقوق کا خیال نہیں ہے، اور دوسرے لوگ اگر اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانا چاہتے ہیں، تو آپ لوگ مذہب میں مداخلت کا بہانہ کر کے ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں۔

سعید :

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب	اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

مسلم عورتوں کے سچے ہمدرد اور مگرمچھ کے آنسوں بہانے والوں سے میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ سورت شہر کے فرقہ وارانہ فسادات میں مسلم عورتوں پر ظلم وتشدد، اجتماعی آبروریزی اور انکی ننہی منی اولاد اور پیارے شوہروں کو انکی آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا اس وقت ارُن شوری اور ان کے دوست برادر سب کہاں گم ہو گئے تھے؟

راہ زن ،ڈاکو،لٹیرے ،خودغرض، حق ناشناس
بھیڑئے پہنے ہوئے پھرتے ہیں بھیڑوں کا لباس

اسی طرح لینڈ سلنگ ایکٹ کے تحت عورتوں کی حق تلفی ہورہی ہے، مسلم خواتین کے لئے قائم کئے گئے تعلیمی اور صنعتی اداروں کو منظوری نہیں دی جارہی ہے، انکم ٹیکس کے معاملہ میں

انکے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جارہی ہے، یہ سب قابل حل مسائل ہیں، اس پر توجہ دی جائے، اوراسلام کے نظام نکاح وطلاق پراعتراضات کرنا تو یہ ان کی اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت ہے، ورنہ انکی آنکھیں کھل جاتی ،جن غیر مسلم دانشوروں نے اسلام کے نکاح وطلاق وغیرہ مسائل کا گہرا مطالعہ کیا ہے، انہوں نے اس کومنصفانہ اورعورتوں کے حق میں سب سے زیادہ مفید بتایا ہے، اسکے مقابلہ میں یورپی قانون کو ہی ناقص اورعورتوں کی حق تلفی کرنے والے ثابت کئے ہیں، اسمیں مسٹرا ینی بسنٹ کی کتاب The life and teacheng of Mohammad کے صفحہ نمبر ۳ پر بہت تفصیل سے یہ باتیں لکھی ہیں۔

مشہور فرانسی مصنف گستاوٗلیبان تواپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتے ہیں کہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کے حقوق محفوظ اور خاندانی تعلقات استوار کئے۔

اسلام محبت بھی ہے، اخلاص ووفا بھی	-	تسکین دل وجاں بھی ہے، چہروں کی ضیاں بھی
ہر درد کا درماں بھی ہے پیغام شفاء بھی	-	کردار ہی کردار ہے اسلام کا منشور

اسی طرح Encyclopedia of relegion and etheics میں لکھا ہیکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے یقیناً عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا جواس کوقدیم عرب میں حاصل تھا، اسکووراثت میں حقدار بنائی، دوبارہ شادی کا اختیار دیا، اورعلوم وفنون میں عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

تقابلی قوانین کی بین الاقوامی کانفرنس International conference on comparative law کے رزولیوشن نے اپنے آخری اعلان میں لکھاہیکہ اسلامی قوانین کے اصولوں میں وہ تمام اصول وطریقۂ کارموجود ہیں، جواسکوجدید زندگی کی ضروریات پورا کرنے کا اہل بناتے ہیں، یورپ وامریکہ میں عورتیں کثرت سے اسلام میں داخل ہورہی ہیں، لنڈن ٹائمزاورلاس اینجلس ٹائمز کے حوالے پڑھئے، وہ عورتیں اسلامی تعلیمات کو کیوں ترجیح دیتی ہیں، اسکی وجوہ بھی لنڈن ٹائمز نے بیان کی ہیں۔

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

اچھا دوسرے مذاہب اور قانون نے عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، اسکی کیا درگت بنائی ہے، اسکی تفصیلات آپ کے دوست ارن شوری کو معلوم ہے؟ نہ ہو تو آپ انکو منوسمرتی کے ادھیائے ۹ کے صـ ۵۸ سے لیکر صـ ۱۱۹ تک، اور آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی کے لیکچر کے مجموعہ اپدیش منجری کی بارہویں ویا کھیا پڑھ لینے کی دعوت دیں، پھر وہ ہندو عورتوں کی موافقت میں اسکے خلاف کتنے فتوے لکھتے ہیں وہ ہم کو دیکھنا ہے۔

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ، دیر نہ کر	-	وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

ھارون : ہمارے نکاح وطلاق کے اسلامی نظام میں زمانے کی ترقی اور حالات کے پیش نظر بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، اسوقت مسلمان عورت بہت کس مپرسی کی زندگی گذار رہی ہے، دینی و دنیوی تعلیم کی کمی، سماجی پچھڑاپن، مردوں کے ظلم وتشدد اور آخر میں تین طلاق کے ہتھوڑے نے بے چاری کو نہ گھر کا رکھا ہے نہ گاٹ کا۔ اسی کے ساتھ نکاح، طلاق، وراثت اور چار عورتوں سے شادی کی اجازت وغیرہ مسائل نے اسکو اور مجبور کر دیا ہے، شریعت اور قانون کی آڑ لیکر اس کی آواز دبائی جاتی ہے، اور جو کوئی مسلم یا غیر مسلم تنظیم انکی دادرسی کی آواز اٹھاتی ہے، تو مسلمانوں کی مذہبی جماعتیں انکے خلاف کفر اور قتل کے فتوی دینے لگتی ہیں تمہارے ان فتووں سے تو دنیا عاجز آچکی ہے، اسی لئے تو مشہور دانشور اُرُن شوری نے ۶۸۵ صفحات کی ضخیم کتاب The World of fatwas لکھی ہے جس میں تمہارے فتووں کی دھجیاں بکھیر دی ہے۔

سعید :

وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہنود	-	یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

بھائی! قرآن وحدیث نے مردوعورت کے جذبات اوراحساسات کا ایسا لطیف و باریک انداز سے خیال رکھا ہے، جو دنیا کے کسی بھی مذہب اور قانون میں نہیں پایا جاتا، اگر ایک طرف عورت کی کمزوری کوٹیڑھی پسلی سے تخلیق کا سبب بتا کر اسکی نفسیات کوحسی طور پر سمجھایا تو شوہر کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر کسی کوسجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کواپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرنے کاحکم فرماتا۔ان حقوق کا اگر مردوعورت لحاظ رکھےتو کبھی دونوں میں سے کسی کوایک دوسرے سے شکایت ہی نہ ہونے پائے، بالکل نازک حالات اورانتہائی درجہ کی مجبوری اورشدید ضرورت کے وقت ہی آخری علاج کےطور پرطلاق کااستعمال جائزقرار دیاہےاور بلاوجہ طلاق دینے کی ممانعت فرمائی گئی،اسمیں بھی فرمایا کہ اولا عورت کوزبانی سمجھایا جائے،اگراس سے بازنہ آئےتو ہم بستری چھوڑدو،اس سے بھی نہ ہوتو ہلکی سی مارلگاؤ،جونہ چہرے پرہواورنہ سخت چوٹ لگائے،ارشادربانی ہے:**والاتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا.** اس طریقہ سےبھی سدھارنہ ہوتو پھرشوہروبیوی کے ہمدردرشتہ داروں کےذریعہ صلح کرانے کی ہرامکانی کوشش کرنے کاحکم دیا گیا۔ **وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھله وحکما من اھلھا –ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینھما** کیاکسی بھی مذہب وقانون میں طلاق کوروکنے کی اتنی تدریجی اورنفسیاتی تدبیریں موجود ہیں؟

جب یہ ساری تدبیریں بیکارثابت ہوں، پھربھی دونوں کواتنی تلخی اورناخوشگواری کے ساتھ باہم زندگی گزارنے پرمجبورکرنا کیایہ انصاف کی بات ہوگی؟ پھریا تو دونوں کسی اور سے آشنائی اورجنسی تعلقات قائم کرلیں گے،شوہرعورت کے حقوق ادانہیں کرے گا، یاپھراسکو تنورمیں جلاکر نیناکانڈ کی یادتازہ ہوگی،اسلام نے اسوقت بھی مستقبل میں ساتھ رہنے کے

تمام امکانات کو بالکل ختم نہیں فرمایا، بلکہ طلاقِ احسن وسنت کے ذریعہ رجوع کرنے یا دوبارہ نکاح کرنے کی راہ کھلی رکھی ،اور نکاح ثانی کی ترغیب دی گئی جبکہ دوسرے مذاہب میں اسکا تصور ہی نہیں ہے۔

قانونِ الٰہی نہ ٹلا ہے نہ ٹلے گا	-	ہر ازم کے خورشید کو ڈھلنا ہے ڈھلے گا

ھارون : جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی -- ماشاء اللہ آپ سے گذارش ہیکہ اسلام کے وراثت اور ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کے مسئلہ کی حقیقت واضح کر دیجئے کیوں کہ اسکو بھی اسلام دشمن طاقتوں نے تنقید اور اعتراض کا موضوع بنایا ہے۔

سعید : اسلام نے اولا تو عورت کے ذمہ مالی خرچہ کچھ بھی نہیں رکھا ہے۔روٹی، کپڑا، مکان وغیرہ کی ساری ذمہ داری صرف اور صرف مرد کے ذمہ ہے، پھر بھی وراثت میں اسکو صرف باپ کی ملکیت ہی سے نہیں، بلکہ ایک عورت کو کبھی بیٹی ہونے کی حیثیت سے،کبھی ماں، کبھی بیوی،کبھی نانی یا دادی اور کبھی بہن ہونے کی حیثیت سے وراثت میں ایک بڑا حصہ ملتا ہے، اسکے علاوہ بھی بہت سی صورتیں ہیں جن کا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے۔قانونِ وراثت بیان کرتے ہوئے اس میں کوتاہی کرنے والوں کو سخت وعید فرمائی گئی،ارشاد ربانی ہے: **ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارًا خالدًا فیھا ابدًا ولہ عذابٌ مھین** نیز حدیث شریف میں بھی اسکی بہت تاکید بیان کی گئی ہے۔

تنگ آجائے گی خود اپنے چلن سے دنیا	-	تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

پرسنل لا کے جن اجزاء کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اسمیں چند بیبیاں رکھنے کے جواز کا مسئلہ بھی ہے،عملا ہر زمانے میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب وقانون والوں نے بھی اسکو اپنایا ہے بلکہ اسکو ضروری اور فطری سمجھا ہے۔آپ کے اُرن شوری کو اسکے لئے انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا کا Pollgamy یعنی تعدد ازدواج کا مضمون پڑھ لینا چاہئے، ماہر جنسیات ڈاکٹر

Mercier مرشر لکھتے ہیں کہ عورت طبعی طور پر ایک ہی شوہر چاہنے والی ہے، جبکہ مرد اپنی طبیعت میں تعدد ازواج چاہتا ہے۔ اور چونکانے والی بات سنئے: ایک سے زیادہ شادی کا رواج مسلمانوں سے زیادہ دوسری قوموں میں ہے، ۱۹۶۱ اور ۱۹۸۱ کی مردم شماری کے جائزہ کے مطابق ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی شرح مسلمانوں میں سب سے کم یعنی ۵ ۱/۲ فی صد ہے۔

جبکہ بودھوں، جینوں اور ہندوؤں میں مسلمانوں سے زیادہ بالترتیب ۸، ۷ اور ۶ فیصد ہے۔ اور اسلام نے تو بہت سی شرطوں کے ساتھ اسکی اجازت دی ہے، **فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدة** یعنی اگر نفقہ، باری اور حقوق زوجیت میں انصاف نہیں کر سکتے، تو پھر ایک پر ہی اکتفاء کرو۔ حدیث شریف اور فقہی کتابوں میں اسکی مزید تشریح وتوضیح فرمائی گئی ہے، اسی لئے مسلمانوں میں عملاً اسکا رواج کم ہے، اسلام سے قبل اور بعد میں بلکہ اس زمانہ میں بھی لوگ کئی کئی بیویاں رکھتے ہیں، اسلام نے تو شرائط وقواعد کے ساتھ اسکی حد بندی کر کے عورتوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

اب اگر کچھ شرم ہے تو ڈوب کر مرجائیں وہ	افترا پردازی و بہتان سے باز آئیں وہ

ھارون: آج کی دنیا مساوات اور برابری کی ہے، ترقی کے ہر میدان میں عورت مرد کے شانہ بشانہ بلکہ اب تو وزارتِ عظمی کے عہدوں پر بھی فائز ہو رہی ہیں، ہمارے ملک کو تین طرف سے (پاکستان، بنگلا دیش، سری لنکا) عورتوں نے گھیرے میں رکھا ہے، جب عورت عقل سمجھداری اور تعلیم وترقی میں مرد سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے تو پھر میرا خیال ہے بلکہ ہر طرف سے یہ آواز اٹھ رہی ہے، کہ طلاق کا حق مرد کی طرح عورت کو بھی ملنا چاہئے یا پھر یہ حق کورٹ کو دے دیا جاوے، جیسے یورپی ملکوں بلکہ مسلم ممالک ترکی، اردن، تیونس، ایران اور انڈونشیاں میں یک طرفہ طلاق معتبر نہیں ہے، بلکہ عدالت کا فیصلہ ضروری ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ مسلم ملکوں نے حالات کے پیش نظر اپنے پرسنل لا میں تبدیلی کی ہے، تو پھر

ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا ہوگیا کہ وہ پرسنل لا میں تبدیلی سے اتنے ناراض ہیں؟

سعید : بھائی! مرد عورت کے مقابلے میں پیدائشی طور پر زیادہ حقیقت پسند، ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے والا ، مدبر ،اور زیادہ قوتِ فیصلہ رکھنے والا ہے،جبکہ عورت فطرۃً جذباتی، جلد متأثر ومشتعل ہوکر فورًا آخری قدم اٹھالینے والا مزاج رکھتی ہے، آج کی سائنس نے بھی ثابت کیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے اوسطاً 100 گرام کے برابر کم ہوتا ہے، جسمانی طور پر عورت مرد سے ⅓ کمزور ہوتی ہے۔عورت کا دل جو زندگی کا مرکز ہے مرد سے 10 گرام کے برابر چھوٹا اور ہلکا بھی ہوتا ہے، اسکا سانس لینے کا نظام اور حرارت غزیری بھی مرد سے کم ہوتی ہے۔اسکے علاوہ عورت کی ساخت پرداخت، عادت واطوار اور اسکی رفتار وگفتار خود پکار پکار کے کہتی ہے کہ وہ چھپانے کی چیز ہے، وہ زینت محفل اور اعضاء کی ننگی نمائش کے ذریعہ خریداروں کے لئے اشتہار کا ذریعہ نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اسکو گھر کی رانی اور ہوم منسٹر بنادیا تھا، آج کی موڈرن دنیا نے اسکے ذمہ اتنا بوجھ ڈالا ہے کہ وہ بے چاری صبح سویرے جلدی اٹھکر کام کے لئے جاتی ہے، اور شام کو تھک تھکاہٹ کے ساتھ بسوں اور ٹرینوں میں آوارہ مردوں کی ٹائم پاس بنتے ہوئے گھر واپس آتی ہے، تو نہ شوہر کو آرام وتسکین بخش سکتی ہے، نہ اولاد کو پیار ومحبت دے سکتی ہے، یورپی ملکوں نے جب سے طلاق کا اختیار عورتوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے، تب سے وہاں کا معاشرتی نظام درہم برہم ہوگیا ہے ۔

ہوا گر خام تو آزادیٔ افکار	-	انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

برطانیہ میں ہر دو شادی میں سے ایک طلاق پر ختم ہوتی ہے، ڈنمارک، برطانیہ، فرانس وامریکہ میں ناجائز بچوں کا تناسب ۷۵ فیصد ہے، طلاق کا تناسب ۶۰ فیصد سے زیادہ ہے، وہاں یہ مشہور ہیکہ جون کے مہینہ میں پادریوں کی خوب چلتی ہے، وہ خوب شادیاں کراتے ہیں، باقی گیارہ مہینے وکیلوں کی (طلاق کے مقدموں میں) خوب چلتی ہے، خاندانی نظام کے

اس طرح منتشر ہونے سے یورپی ملکوں میں جرائم ،منشیات ،قتل وغارت اورغنڈا گردی کا بازارگرم کردیا ہے،انسانی قانون کا یہی حال ہوگا،**ومن احسن من الله حکما لقوم یوقنون ، الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر ....**

جس قدر تسخیر خورشید وقمر ہوتی گئی	- زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی
کائناتِ ماہ وانجم دیکھنے کے شوق میں	- اپنی دنیا سے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئی

آپ کا مسلم ملکوں کے پرسنل لا میں تبدیلی کا دعوی کرنا تو سن لیجئے! قرآن وحدیث کے مقابلہ میں ہم نہ تو پاکستان کی غیر شرعی غیر جمہوری حکومت کے مکلّف ہیں، اور نہ انڈونیشیا،مصر اورمراکش کے پابند ہیں۔

زندہ کرسکتی ہے ایران وعرب کو کیونکر	- یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خودلب گور

ہم صرف اسلامی شریعت کے تابع وفرماں بردار ہیں، مذاہب اسلام میں صرف اللہ تعالی اور اسکے رسول کے احکام ہیں۔ان کے خلاف کسی کا عمل بھی ہمارے لئے حجت نہیں بن سکتا ہے، مسلم ممالک کی شرعی قوانین میں ترمیم کو وہاں کے عوام نے قبول کرکے اپنے کو مذہبی تشخص سے محروم کردیا ہے، مسلم ممالک نے اپنے یہاں کی اقلیت کو مذہبی امور میں آزادی سے عمل کرنے کا اختیار دیا ہے،ان کے پرسنل لا میں مداخلت نہیں کی ہے، اسکو بھی تو سوچنا چاہئے۔

ھارون : جب اسلامی قانون اتنے واضح اور انسانیت کیلئے فائدہ مند ہیں تو پھر سپریم کورٹ کے جج صاحبان اور ملک کے چوٹی کے صحافی اور نام نہاد دانشور اپنے اخبارات کی روشنائی کیوں سیاہ کررہے ہیں؟ کیا انھوں نے اسلامی تعلیمات کا صحیح مطالعہ وریسرچ نہیں کیا ہے، یا جان بوجھ کر کسی اسکیم وپلان کے تحت اسلام پر اعتراض کرکے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا چاہتے ہیں؟

سعید : حقیقت یہ ہیکہ ہندوستان کے فرقہ پرستوں نے برہمنی نظام کو زندہ اورفعال بنانے کی ایک حکمت عملی اپنائی ہے، وہ انتہائی چالاکی سے مسلم عوام کو قرآن وحدیث، علمائے امت اور مسلم قائدین سے بے تعلق کرنے کی کارروائیاں کرنے لگے ہیں، سپریم کورٹ کے ججوں سے سرلا مدگل بنام حکومت ہند کے حالیہ فیصلہ میں صرف تبدیلی مذہب کی بنیاد پر شوہر کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۴۹۴ کے تحت سزا ہوگی یا نہیں؟ اسکا ہی جواب مطلوب تھا، لیکن چونکہ ہندوؤں کے یہاں دوسری شادی کا تحریری ثبوت نہ ہونے یا منگل پھیرا نہ لینے کی وجہ سے اور ثبوت مہیا کرنا پہلی بیوی کے ذمہ ہونے کی وجہ سے شوہر دفعہ ۴۹۴ کے تحت کسی قسم کی سزا سے صاف بچ سکتا تھا، اس لئے فاضل ججوں نے چالاکی سے ۱۲۹ صفحات میں اپنے قلم کا پورا زور اصل جواب کے بجائے یکساں سول کوڈ کے مردہ گھوڑے کو چابک مارنے کی کوشش کرتے ہوئے اسکی اہمیت وضرورت ہی اجاگر کرنے میں بے دریغ صرف کیا، اس طرح ججوں نے بی.جے.پی کو ایک اچھا ہتھیار دے دیا، جسکی تلاش میں وہ طویل عرصہ سے آئندہ الیکشن کے لئے پھانپھے مار رہی تھی، اسطرح کشتی کو ڈبونے کی سازش میں ساحل بھی برابر شریک ہوگیا، سپریم کورٹ نے گیند ڈالا اور مسٹر اڈوانی پہلے سے ہی فلڈنگ بھرتے ہوئے تھک چکے تھے، انہوں نے آئندہ وزیر اعظم بننے کے خواب میں گیندا چک لیا۔ ان نازک حالات میں امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ آج اسی عہد و پیمان کو دہرائے جو کانگریس کے صدر اور ملک کی آزادی کے عظیم سپوت مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا تھا: کہ میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی ۱۳۰۰ برس کی شاندار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اسکا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، بحیثیت مسلمان ہونے کہ میں مذہبی اور کلچری دائرہ میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں، اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے ۔

اگر مقامِ شرف کی ہے جستجوتم کو	-	توظلم وکفر سے ہررشتہ توڑنا ہوگا
خود اعتماد و خود آگاہ بنکر	-	خداسے اپنے تعلق کو جوڑنا ہوگا

ھارون : ضرور ضرور ان شاء اللہ تعالی، میں آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتا ہوں کہ مسلم پرسنل لا میں ادنی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کروں گا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔۔۔۔

عالمگیریت (گلوبلائزیشن) اور اسلام

ھارون: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سجاد: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بھائی معاف کیجئے، میں نے آپکو نہیں پہچانا، ارے یہ کیا آپ کے جسم پر لباس اور وضع قطع کی سب تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔آپ تو ماشاء اللہ اچھے خاصے کرتہ پائجامہ اورڈاڑھی کے ساتھ شاندار وجیہ اوروقار ونورانی چہرہ رکھتے تھے، اسکے بجائے یہ شرٹ پینٹ اورڈاڑھی منڈواکر آپ کومسٹرکلین دیکھ کربہت افسوس ہورہا ہے آخراتنی بڑی اور بری تبدیلی آپ میں کیسے ہوگئی آپکوکس کی نظربدلگ گئی؟

ھارون: مجھے کسی کی بھی نظر بدنہیں لگی ہے، بلکہ آپ مولوی ملاؤں کے چکر میں آکر جو بری نظرلگی تھی،تو دنیوی تعلیمات،نئی معلومات اور دنیا کےحالات پرواقفیت نے اس کااثرختم کردیا ہے،اب میں ہوش میں آگیاہوں ،نئی تہذیب وتمدن کے اثرات نے مجھ پر یہ بات بالکل روشن کردی کہ دنیابہت وسیع ہے،آپ لوگوں کی صحبت نے مجھے کنویں کا مینڈک بنائے رکھاتھا،اب نئی روشنی میں مجھے محسوس ہواکہ اس ترقی یافتہ دنیامیں اگرزندہ رہنا ہوتواپنے آپ کو بدلنا ہوگا،سوچ وفکر وسیع کرنا ہوگا،تنگ نظری، مذہبی تشدد اور ملاازم سے نکل کرسیکولرزم، عدم تشدد، رواداری، بھائی چارگی،وطن پرستی اورقومی ڈھارے بلکہ انٹرنیشنل ڈھارے میں شامل ہوناپڑے گا،ہمارالباس، وضع قطع،معاشرت ومعیشت،رہن سہن اورسوچ وفکرسب تبدیل کرنا ہوگی،نماز، روزہ اورحج وغیرہ ہرآدمی کااپنا پرائیویٹ معاملہ اورمسئلہ ہوگا اسکوقومی ومذہبی رخ دینے کی ضرورت نہیں ہے،لباس میں بھی ہمیں دنیاکے ساتھ یکسانیت رکھنی ہوگی، اسلام نے بھی ہمیں کسی خاص لباس اورمخصوص وضع قطع کاپابندنہیں بنایاہے،ڈاڑھی کرتے میں ہم کو ہر

جگہ شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، چھوٹے بچے بھی ڈر جائیں، عورتوں کے برقع نے تو اور بھی ڈراونا کردیا، بچے تو اسکو جنات یا کوئی اور ہی مخلوق سمجھ کر دور بھاگتے ہیں، اس طرح لوگ ہمیں تہذیب وتمدن سے دور، جاہل، ان پڑھ سمجھتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشنوں اور ایر پورٹ پر بھی ہماری جانچ پڑتال زیادہ ہوتی ہے، ایک مجرمانہ احساس ہمارے دل میں ستاتا رہتا ہے، اس کے مقابلے میں یہ انٹرنیشنل لباس ہماری عزت وآبرو اور وقار بڑھاتا ہے، لوگ مہذب سمجھ کر خوش آمدید کرتے ہیں، پیار محبت سے بات کرتے ہیں، غم خواری کا اظہار کرتے ہیں، اور ہر کام ہر جگہ جلدی سے ہو جاتا ہے۔

سجاد: بھائی! بزرگوں نے سچ کہا ہے لباس بھی اپنا اثر رکھتا ہے، یورپی لباس نے صرف آپ کے بدن کی وضع قطع ہی نہیں بدلی، بلکہ آپکے دماغ کے چوکٹھوں کو ہی بدل دیا ہے لہذا اب آپکو سمجھانا ہمارے لئے بہت مشکل ہو گیا، لیکن اتنا پتہ ضرور چل گیا کہ یہودی، صیہونی اور مغربی طاقتوں کی اسکیم کے کامیاب ہونے میں اب شک وشبہ نہیں رہا، عراق وافغانستان پر ظلم وتشدد کے پہاڑ ڈھانے کا منشا بھی تو یہی تھا جس کا صدر بش نے ۳۱ رمئی ۲۰۰۲ کو یہودی مسیحی یونین کے اجلاس کے موقع پر امریکی شہر نیو میکسیکو میں دیئے گئے بیان میں صاف صاف اعلان کیا تھا کہ "مجھے آپکو یہ اطلاع دیتے ہوئے بھی فخر محسوس ہو رہا ہے کہ **افغان عورتیں ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنے برقعوں سے آزاد ہو چکی ہیں، افغانستان کی لڑکیاں اسکولوں میں واپس لوٹ گئی ہیں، مغربی تہذیب وثقافت کی سب سے بڑی علامت ٹیلی ویزن افغان باشندوں کی زندگی میں ایک مرتبہ پھر جگہ بنا چکا ہے، آگے کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک نہیں بیٹھیں گے جب تک ہر مسلمان غیر مسلّح، ڈاڑھی منڈا، غیر مذہبی، امن کا دل دادہ اور امریکہ سے محبت کرنے والا نہ ہو جائے اور مسلمان عورت اپنے چہرہ کو نقاب سے چھپانا ترک نہ کردے**"؛ لیکن یاد رکھئے، آپکو اپنی وضع قطع بدلنے اور یورپی تہذیب کا دلدادہ بنانے کے

بعد بھی وہ آپ پر بالکل بھروسہ نہیں کریں گے، چاہے آپ انکے سچے وفادار وکیل بن کر اپنے مذہب وتہذیب سے بے وفائی کا مکمل ثبوت پیش کریں ،شریف مکہ مکرمہ اور مصطفیٰ کمال اتاترک سے لیکر آج تک کی ترکی حکومت پچھلے ۸۰-۹۰ سال سے یورپ کی ایک وفا شعار خادمہ بنی ہوئی ہے،انکے ہر اشارے پر اسلامی تہذیب کی علم بردار جماعتوں کا صفایا کرنے اور اسلامی تشخّص کو مٹانے بلکہ خود اسلام کے خلاف زہر اگلنے سے بھی پرہیز نہیں کرتی ہے، پھر بھی یورپ کا وہ مرد بیمار یورپی آقاؤں کی نظر میں لاعلاج مریض ہے،سو سالہ طویل خدمات کے بدلے میں بھی اسکو آج تک یورپین یونین کا ممبر بنانا تو بہت دور کی بات رہی، اس سلسلہ میں اسکی درخواست پر سوچنے کی بھی مہلت مانگ رہے ہیں۔

اس طرح عالم اسلام کے بہت سارے سربراہان مملکت ،وزراء ،سرکاری اور فوجی افسران وغیرہ کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے یورپی وامریکی آقاؤں کو خوش کرنے کی ہر امکانی کوشش کی ،اپنی تہذیب وکلچر کی بھینٹ چڑھا کر یورپی آقاؤں کی ہر صدا پر لبیک کہا، لیکن ان آقاؤں نے اپنے مقاصد حل کرنے کے بعد انکو دھتکار دیا ،قومیت ،وطنیت ، اشتراکیت اور سرمایہ داری وغیرہ کے پرجوش نعرے ہمارے پاس لگوائے، لیکن اس نے ہمارے مسائل کو بجائے سلجھانے کے الجھائے ہی رکھا،اب پھر ہماری اقتصادی ،فکری ،اجتماعی ، ثقافتی وتربیتی تمام اسلامی میراث کو چھوڑ کر عالم گیر استعماریت کی ایک ظالمانہ وجابرانہ اور جارحانہ نئی شکل گلوبلائزیشن کے نام سے ہم پر ٹھونسنے کی کوشش ہو رہی ہے، یہ عالم گیریت کا نظام درحقیقت صلیبیت ،صیہونیت ،مغربیت اور امریکیت کا بھرپور اور جامع منصوبہ ہے، جسکا مقصد پوری اسلامی وعربی دنیا کو سیاسی ،اقتصادی اور عسکری سطح پر غلام بنانے کے ساتھ اس پر امریکی وصیہونی تہذیب اور طرز زندگی ومعاشرت کو اس طرح مسلط کرنا ہے کہ ان کو اسکا احساس بھی نہ ہو کہ کوئی باہر کی چیز ان پر لادی جا رہی ہے۔

ھارون: ایسا لگتا ہے کہ ایک معمولی اور سادہ چیز کو آپ بہت مبالغہ آرائی سے بیان کرر ہے ہیں، ویسے بھی بات کا بتنگر اور رائی کا پربت بنانا آپ مولوی لوگوں کی پرانی عادت ہے۔ کیونکہ رات دن منطق ،فلسفہ ،نحو وصرف اور مسائل فرعیہ کے متن، شرح اور حاشیہ کی عبارتوں میں تعریفات ،فوائد وقیود پھر انکی جامعیت ومانعیت پر ہونے والے اعتراضات اور انکے جوابات کے ایک لامتناہی سلسلے میں اِندھی کی چِندھی کرنے میں اپنے دماغوں کوخراب کردیا ہے، اس لئے کنوں کے مینڈک کی طرح اپنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رہے ہیں، باہر کی دنیا میں کیا ہورہا ہے ،اسکی آپکو خبر ہی نہیں ہے ،لہذا ایسی بہکی بہکی باتیں کرر ہے ہیں۔ گلوبلائزیشن کیا ہے؟ اور آج کی دنیا میں اسکی کتنی شدید ضرورت ہے، اسکا آپ کو کچھ علم ہی نہیں ہے۔آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ آج کے دور میں انسان کوٹیکنالوجی کی کتنی شدید ضرورت ہے، انفارمیشن کے میدان میں انقلاب کی وجہ سے دنیا ایک بستی میں تبدیل ہوگئی ہے، مشرق و مغرب کے فاصلے بلکہ یہ اصطلاحیں بھی ختم ہوجائیگی ،انٹرنیٹ نے ساری جغرافیاتی حدود ختم کردی ہے ،اب انسانی معاشرہ ایک ہی راہ پر گامزن اور یکساں سوچ وفکر رکھنے والا ہوجائے گا۔ یہ ایک تہذیبی ترقی ہے جس کی بنا پر اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی تبادلہ ہوگا، اور نہایت سہولت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ معلومات، افکار وخیالات اور تجارت کا مال و سامان منتقل ہوگا ، یہ انسانوں کو حکومتوں کے ظلم وجبر سے آزادی دلاکر تعلیم ،کلچر اور روزی روٹی کے میدان میں مکمل آزادی اور خود مختاری عطا کرے گا ، اسکے ساتھ ساتھ یہ اقتصادی ترقی اور معاشی فروغ کا ضامن ہوگا ،دنیا کی مارکیٹ میں ہر آدمی کو آزاد تجارت کے مواقع فراہم کرے گا، اور جدید ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ کا ذریعہ بھی ہوگا۔

سجاد : بھائی گذشتہ ڈیڑھ سوسال سے ہم مولوی لوگ کنویں کے مینڈک ،ترقی میں رکاوٹ، بیکار، فالتو، زمانے کے تقاضوں سے بے خبر اور امت پر بوجھ بننے کے طعنے سنتے چلے

آرہے ہیں، لیکن پھر بھی مولوی نام کی اس مجنون مخلوق نے ہر قسم کے اعتراضات کو سناان سنا کر کے اپنے مقصدِ عظیم میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں برتی ، یورپی طاقتیں خود بھی اسکے عزم و استقلال اور ثابت قدمی پر حیرت زدہ ہیں کہ کوئی حربہ اور اسلحہ اس قوم پر اثر نہیں کرتا ہے، بلکہ ہمارا ظلم وتشدد انکے عزم و استقلال کو مزید ترقی دیتا ہے۔ آپکے یورپی آقاؤں نے ہر قسم کے دجل وفریب اور چالاکی و مکاری سے اہل علم کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ، کیوں کہ انکو معلوم ہے کہ ہماری دجالی کو اگر کوئی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے تو یہ مولویوں کا گروہ ہی ہے، لہذا اسکو خوب بدنام کرو کہ وہ عاجز آجائے اور پھر ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''۔

خود جب تھک گئے تو آپ جیسے مسلمان دانشوروں اور عقل کے ٹھیکیداروں کو مولویوں کے پیچھے لگایا کہ شاید اپنوں کے اعتراضات اور ذلت آمیز باتوں سے یہ مولوی لوگ لگام میں آجائے ،لیکن اسمیں بھی انکی چاہت کے مطابق تو کامیابی نہ ملی اور نہ ملے گی ان شاء اللہ العزیز کیوں کہ ابھی بھی امت اسلامیہ کی ایک بہت بڑی تعداد علمائے کرام پر ہی اعتماد اور بھروسہ کرتی ہے؛ بلکہ برسوں کے تلخ تجربے اور ملت فروشی کے بہت سارے واقعات نے امت کو اب علمائے کرام کے اوپر ہی اعتماد بحال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ گذشتہ دوسوسال سے ملت اسلامیہ اور شعائر دینیہ کو ختم کرنے کی جتنی کوششیں کی گئی اور جتنا روپیہ پیسہ، ذہانت ،فکروسوچ بلکہ آگے بڑھکر یہ کہوں گا کہ جتنی عیّاری، چالاکی ، بدمعاشی ،فریب، جھوٹ اور بناوٹ سے کام لیا گیا، اگر اسلام کے علاوہ دوسرا کوئی مذہب ہوتا اور امت مسلمہ کے علاوہ دوسری کوئی امت ہوتی تو یا تو وہ اپنا وجود کھو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی یا دوسری تہذیب وکلچر قبول کر کے انکے رنگ میں رنگ جاتی ، لیکن اس ملت حنفی کو روزِ اول سے ہی مخلص مجددین، مصلحین اور دین وملت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے والی سرفروشوں کی جماعت ملی جس نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی شریعت کی

حفاظت اور انکے فرمان عالی کو ثابت کر کے دکھلا دیا، آقائے مدنی ﷺ کا فرمان **لاتزال طائفة من امتی منصورين لايضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة.** کہ میری امت میں ایک جماعت قیامت تک دین کی نصرت کیلئے جمی رہے گی، دشمنوں کی ذلت ورسوائی انکو راہ صداقت سے ہرگز ڈگمگا سکے گی نہیں۔

آخر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیونکر کیوبا کے گوانٹانا موبے کے جیل خانے میں گذشتہ کئی سالوں سے بہت سے بے گناہوں کو جانوروں سے بھی بدتر حالات میں رکھا ہوا ہے، دنیا بھر کے ٹی-وی چینل پر اسکو دکھلایا جا چکا ہے، لیکن حقوق انسانی کے دعویدار اور میڈیا والے اس پر کوئی خاطر خواہ توجہ نہیں دے رہے ہیں، کیوں کہ ساری دنیا گلوبلائزیشن کے آقا امریکہ سے ڈری سہمی ہوئی ہے، آزادی کے اس دور میں بھی کوئی حق وانصاف کی بات نہیں کرسکتا، جبکہ یورپی طاقتوں کے معمولی مفاد کے خلاف اگر کچھ ہو جائے تو پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا اسکو رائی کا پربت بنا کر پیش کرتا ہے، اور سامنے والے کو ہر چہار سمت سے مجبور کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ آپ کا مصنوعی عالم گیریت کا دعویدار اپنے پہلے سے تیار کردہ منصوبے کے مطابق صدام کو کویت پر حملہ کرنے کے اشارے دیتا ہے، اور پھر فوراً دنڈناتی ہوئی فوج لیکر عالم اسلام پر آدھمکتا ہے، اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے، لیکن ۵۵ سال سے ناجائز قبضہ کئے ہوئے اسرائیل کے فلسطینیوں پر بے انتہائی ظلم وبربریت کے باوجود اسکو سزا دینا تو درکنار اسکے خلاف پاس ہونے والی ڈھیلی ڈھالی قرارداد کو بھی ویٹو کر کے اقوام متحدہ کی آبروخاک میں ملاتا ہے۔

ایسے ناانصافی کے ماحول میں گلوبلائزیشن کی وکالت میں آپکا اقتصادی آزادی کی بات کرنا کتنا سچا ہوگا، امریکہ جن لوگوں کو آزادانہ تجارت کا موقع دیگا وہ کہاں کے باشندے ہوں گے؟ جس عالمی حکومت کا خواب دکھلا رہا ہے اسکا سربراہ کون ہوگا؟ جس تہذیب کو پوری

دنیا پر نافذ کرایا جائے گا وہ تہذیب کس قوم اور کس خطے کی ہوگی؟ کن بنیادوں پر اسکو نافذ کرایا جائے گا؟ وہ کلچر اور ثقافت انسانی اقدار اور فطرت سے ہم آہنگ ہوگا یا خالص مادہ پرست ذہن کی پیداوار ہوگا؟ مختلف طبقات اور علیحدہ تہذیبوں کے درمیان مساوات قائم ہوگی، یا طبقاتی خلیج اور وسیع ہوکر انسانیت کو مزید تباہ کرے گی؟ یہ چند سوالات ہیں جن کا جواب دینے سے یورپی وامریکی مفکرین دور بھاگتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی نام نہاد عالم گیریت کی حقیقت کسی کے سامنے آشکارا کرنا نہیں چاہتے ہیں، لیکن عالم اسلام کے باشعور اصحاب قلم نے اور اقوام عالم کے صحیح الفکر دانشوروں نے گلوبلائزیشن کی حقیقت اسکی خطرناکی اور امریکہ کے تمام خطرناک عزائم کسی خوف کے بغیر بیان کردیئے ہیں۔

ھارون: بھائی! سب سے پہلے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں کہ میں نے آپ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرکے آپ کی گستاخی کی، آپ حضرات کو دنیا کے حالات سے بے خبر سمجھا تھا، لیکن آپ نے جو حقائق بیان کئے اور گلوبلائزیشن کے متعلق جو معلومات فراہم کی، وہ یقیناً مجھے معلوم ہی نہیں تھی، لہذا آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ میرے سامنے عالم گیریت کی حقیقت، اسکا تاریخی پس منظر اور اقوام عالم، خاص کر کے اسلامی دنیا کو اس سے ہونے والے نقصانات کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کریں تاکہ میرے جیسے لوگ ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔

سجاد: بھائی مختصر وقت میں گلوبلائزیشن کی تاریخ انکے عزائم اور مقاصد فاسدہ وغیرہ کی مکمل وضاحت تو نہیں کرسکتا کیوں کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں، سیاسی، سماجی، تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور اقتصادیات وغیرہ پر مختلف داؤپیچ کے ذریعہ چھایا ہوا ہے، مختصراً یہ کہ عالم گیریت کا مطلب مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا نہیں ہے، بلکہ تمام تہذیبوں، معاشرتی نظام، رسم ورواج اور قومی تشخصات کو مٹا کر انکا اپنے ماضی سے رشتہ کاٹ کر پوری دنیا کو امریکی

ومغربی رنگ میں رنگ دینا ہے۔

فرانسیسی صدر ''جاک شیراک'' نے فرانس کے قومی دن کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ گلوبلائزیشن پر روک لگانے کی ضرورت ہے، کیوں کہ یہ معاشرتی انتشار کا باعث ہے، عالم گیریت سے اگرچہ ترقی کی راہیں ہموار ہوئی ہیں؛ لیکن اسکے خطرات زیادہ ہیں، پہلا خطرہ یہ ہے کہ یہ نظام معاشرت پر براہ راست حملہ کرتا ہے۔ دوسرا خطرہ یہ کہ اسکی وجہ سے عالمی جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔ تیسرا خطرہ یہ ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے سوا ہر اقتصادی نظام کے مخالف ہے۔

ایک اور فرانسیسی مفکر کا کہنا ہے کہ عالم گیریت کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام میں جتنی تیزی کے ساتھ پھیلاؤ ہوگا اتنی ہی سرعت کے ساتھ قبیلے، قوم اور دین کے نام پر جنگوں میں اضافہ ہوگا، جوں جوں مواصلات کے میدان میں ترقی ہوتی رہے گی، لوگ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے رہیں گے، اتحاد پارہ پارہ ہوجائے گا، خاندان، قبیلے اور وطن کی پشت پناہی نہ ہونے کی وجہ سے خوف ودہشت میں اضافہ ہوگا، معیار زندگی میں جس رفتار سے بلندی آجائے گی اسی رفتار سے ظلم و بربریت اور جرائم بھی بڑھتے جائیں گے۔

اس لفظ کے استعمال کا مختصر خلاصہ بھی سنتے جائیے، سب سے پہلے موجودہ بش کے باپ سینیئر بش نے کویت کی آزادی کے بہانے خلیج کے خطے میں امریکی فوج کو بھیجتے وقت اگست ۱۹۹۰ میں اپنی مخصوص اصطلاح عہد نو، عہد آزادی، عہد امن برائے جملہ اقوام عالم جیسے خوبصورت نام سے دنیا کو چکر میں ڈالا، اسکے ایک ماہ بعد ستمبر ۱۹۹۰ میں عالمی نظام نو یا نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے دنیا کو الو بنایا، لیکن اس نظام کا باقاعدہ آغاز اور اس لفظ عالم گیریت یا گلوبلائزیشن کا سب سے پہلے استعمال ۱۹۹۵ میں مراکش میں منعقد ہونے والی عالمی تجارتی کانفرنس کے موقع پر ہوا اسکے بعد یہ لفظ باقاعدہ اور کثرت کے ساتھ استعمال ہونے لگا۔

ھارون: یورپ اور دنیا کی دوسری قوموں کا اسلام اور مسلمان حکمرانوں پر بھی تو یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے زور زبردستی سے اپنی تہذیب اور ثقافت کو دنیا پر مسلط کیا تھا، اور تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا تھا، مختلف تہذیبوں اور قومیتوں کو اسلامی تہذیب و کلچر کے رنگ میں زبردستی رنگنے کی کوشش کی تھی۔

سجاد: بھائی! مسلمانوں نے ہمیشہ عصبیت سے بالاتر ہوکر نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے، انہوں نے دوسروں کی تہذیب کو عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور غیروں کے علوم کو احترام بخشا ہے، مسلمان ہی وہ قوم ہے جس نے یونان کے علوم وفنون اور فلسفہ کو جو مردہ ہو چکا تھا بڑی عظمت وبزرگی عطا کی، اور انکو بڑے بڑے القاب سے نوازا، چنانچہ سقراط کو احکم البشر، افلاطون کو **صاحب الایدی والنور**، ارسطو کو معلم اول، فارابی کو معلم ثانی، جالینوس کو **فاضل المتقدمین والمتأخرین**، بطلیموس کو **صاحب الکتاب المثلث** جیسے عظیم المرتبت القاب سے یاد کیا، اسلام کا روز اول سے یہ اعلان تھا: **لا فضل لعربی علی عجمی**۔ حضرت محمد ﷺ کے اردگرد اسلام قبول کرنے والوں میں صہیب رومی، بلال حبشی اور سلمان فارسی کا اپنی رضا ورغبت سے جمع ہونا اور قریش کے بڑے بڑے سردار حضرت بلال حبشیؓ کو (جن کی اسلام سے پہلے کوئی اہمیت نہیں تھی)، اسلام قبول کرنے کے بعد **یا بلال انت سیدنا ومولانا** کے معزز القاب سے یاد کرتے ہیں، لہذا چہار دانگ عالم میں اسلام کے پھیلاؤ کو آپ استعماریت اور سامراجیت سے تعبیر نہیں کر سکتے؛ بلکہ اسلامی تعلیمات کا حسن اور خوبی تھی جس نے لوگوں کو متاثر کیا، اور پھر مسلمانوں کے وہ بلند اخلاق تھے جو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتے چلے گئے، وہ ایک نور تھا جو اندھیروں میں بھٹک رہے لوگوں کے لئے مشعل ہدایت بنا۔ اخوت ووحدت کا وہ درس تھا جو معاشرہ میں امتیازی سلوک سے دوچار اور معاشرہ کے دھتکارے ہوئے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا گیا، جس سے بندہ اور بندہ نواز میں کوئی فرق نہیں رہا، جسکا اعتراف آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے

اپنی کتاب Discovery of India میں کھلے دل سے کیا ہے،اسلام کے اسی بے نظیر و بے مثال عدل وانصاف کا نتیجہ تھا کہ اسلام کی آغوش رحمت میں آنے والے بادشاہ بھی تھے اور عوام بھی،عرب بھی اور عجم بھی،سفید بھی اور کالے بھی۔اسلام نے دوسری تہذیبوں کی اچھی بات کو قبول کیا ہے۔

اسلام اور گلوبلائزیشن میں یہی فرق ہے کہ اسلام قوموں کی خصوصیات کا احترام کرتا ہے،اور مقامی تہذیبوں اور تقاضوں کی بقا کا داعی ہے،اسلامی تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے پتہ چلتا ہو کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں کو کسی خاص نظام یا تہذیب کے تابع کیا ہو، بلکہ ہمیشہ مختلف مذاہب،زبانوں اور قومیتوں کا اعتراف کیا ہے،اور غیروں کے ساتھ اپنوں جیسا سلوک کیا ہے،یہی وجہ ہے کہ یورپ وافریقہ سے ایشیا تک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کی حکومتوں میں یہودی،عیسائی،مجوسی اور مختلف مذاہب کے ماننے والے جس قدر امن وسلامتی،مذہبی وتہذیبی آزادی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں؛ اتنی آزادی تو خود مسلمان اکثریت کو اپنے ملکوں میں حاصل نہیں ہے۔

اسکے مقابلے میں اپنے کو مہذب کہلوانے والی مغربی طاقتیں سمندروں کے راستے عالم اسلام کی طرف بڑھیں،ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کو ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' والی برطانوی گندی پالسی کے ذریعہ تباہ وبرباد کیا،افریقہ کے ۱۴ر ملین افراد کو غلام بنا کر امریکہ لے جایا گیا،ادھر فرانسیسی،ہالینڈی اور پرتگالی سامراج نے پوری دنیا پر اپنا استبدادی شکنجہ کس کر چپہ چپہ کو اپنی کالونی بنائی اور مغلوب قوموں کی زبان وتہذیب پر زبردستی حملہ کر کے اپنی تہذیب قبول کرنے پر آمادہ کیا،پورا افریقہ فرانسسی اور برطانوی زبانیں بولنے پر مجبور ہوا، الغرض پورا افریقہ،براعظم مشرق وسطی اور مغربی،مشرقی وجنوبی ایشیا کے ممالک استعمار کے شکار ہو گئے،دوسری جنگ عظیم کے بعد بہت سی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ان ملکوں کو آزاد کرنا پڑا؛لیکن جاتے جاتے قابض طاقتوں نے مشرقی ممالک کو نسلی،لسانی اور مذہبی تفریق

کے حوالے کر دیا، جس ملک کو بھی آزاد کیا وہاں کی تقسیم ایسی کی کہ وہاں کے باشندے آپس میں ہمیشہ لڑتے ہی رہیں اور ملک میں کبھی بھی امن وامان قائم نہ ہو سکے۔

نتیجۃً انکے آزاد کئے ہوئے ملکوں میں آج تک سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے استحکام اور مضبوطی نہیں آسکی، چنانچہ عراق میں شیعہ سنی، عرب اور کُرد، مراکش میں عرب و بربر، مصر میں مسلمان و قبطی، سوڈان میں مسلمان و مسیحی، چاڈ اور مالی میں عرب وافریقی اور خود ہندوستان کو ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کروادیا، کہیں حکومت وعوام کے درمیان، کہیں ایک ہی ملک میں مذہبی ونسلی تفریق نے ملک میں خانہ جنگی کے ذریعہ لاکھوں افراد کی نسل کشی کروائی گئی، روانڈا اور کونگو کا حال آپ کے سامنے ہے، عرب ملکوں میں بھی آپس میں سرحدی تنازعات، مصر وسوڈان کا حلابیب وشلا تین کے علاقے کولیکر، الجزائر اور مراکش میں صحرائے تندوف کا، سعودی عربیہ اور یمن کے درمیان عسیر ونجران کا، عمان اور امارات میں صحرائے بوریمی کا اور شام واردن کے مابین وادیٔ حمّہ کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔

قومیت اور وطنیت عالمگیریت کے پروگرام کے لئے رکاوٹ ہے، لیکن عالم اسلام میں انتشار واختلاف پیدا کرنے کیلئے قومیت عربیہ کا نعرہ بلند کروایا۔

جبکہ مسلمانوں نے اپنے مفتوحہ ملکوں میں اسطرح کی کوئی تفریق وانتشار برپا نہیں کیا، بلکہ اسکے برعکس انکے مسائل سلجھانے کی کوشش کی، چنانچہ مشہور مفکر ہملٹن گب اپنی کتاب Studies on civilization of Islam میں لکھتے ہیں کہ اسلام ایک تصور ہے جو ایک مربوط لیکن مختلف سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اجتماعیت کی شکل میں ظاہر ہوا، اور اسنے مختلف خطوں اور زبانوں میں، مقامی، جغرافیائی، سماجی، اور سیاسی قوتوں سے اثر پذیر ہوکر مختلف خصوصیات کا اظہار کیا ہے، دوسرے یورپی مفکر ولفرڈ کانٹویل اسمتھ لکھتے ہیں کہ مسلمان صرف میدان جنگ میں فاتح نہیں ہوئے اور انہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں پر ہی اثر نہیں ڈالا، بلکہ مختصر عرصے میں انہوں نے زندگی کو ایک ایسی مجموعی شکل دینے میں

کامیابی حاصل کی جسکو تمدن کہتے ہیں، اسلامی تہذیب کی تشکیل میں مختلف عوامل جیسے عرب، یونان اور شرق اوسط کی سامی تہذیب نے حصہ لیا، مسلمانوں کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ان سب عناصر کو ایک طریقۂ زندگی میں متحد کر دیا، اور اسے مزید ترقی دی۔ یہ اسلام تھا جس نے اسکی تکمیل کی، اور اسے باقی رکھنے کی قوت فراہم کی، اسلامی طرز زندگی نے معاشرہ کو وحدت وقوت عطا کی، معاشرہ کو تسلسل دیکر اس نے زمانے کو بھی وحدت بخشی، یہ الفاظ ہیں غیر مسلم یورپی مفکرین کے جو میں نے مختصراً نقل کئے، **الفضل ماشهدت به الاعداء .**

ھارون: مولینا! آپ کی پر مغز اور بہترین معلومات پر آپ کا بہت بہت شکریہ، بس اب ایک آخری سوال کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں، امید ہے کہ اس سلسلہ میں بھی آپ کی معلومات تسلی و تشفی بخش اور حرف آخر ہوگی، وہ یہ کہ اب اس گلوبلائزیشن کا حل کیا ہے؟ امت مسلمہ کو خود اس سے بچنے کے لئے اور پھر ساری انسانیت کی خیر خواہ اور رہبر ہونے کی ذمہ داری کے پیش نظر کیا لائحۂ عمل اختیار کرنا چاہئے، دنیائے انسانیت کو انکے دام فریب اور آہنی پنجے سے کس طرح بچایا جاوے؟ ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کیلئے کوئی فارمولا ضرور تجویز کیا ہوگا، اور اس مسئلہ کو سنجیدگی سے لے کر اقوام عالم کے مفاد کیلئے جو راہیں تجویز کی ہو، امید ہے کہ وہ بھی آپ براہ کرم بیان فرمائیں گے۔

سجاد: بھائی جب سے یہ منصوبہ سامنے آیا ہے، اسکے خطرناک خدوخال سے پردہ اٹھا ہے، نیز اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے اس کے بھیانک اور مکروہ چہرہ سے نقاب ہٹا ہے، مسلمانوں کے علماء دانشور بے حد متفکر رہے ہیں کہ اس چیلنج اور استعمار کے اس نئے طرز کا کس طرح مقابلہ کیا جائے؟ اس پر غور وخوض کے لئے متعدد کانفرنسیں اور سیمینار ہو چکے ہیں، ان میں دو کانفرنسیں اعلی پیمانے پر منعقد ہوئیں۔ ایک کانفرنس کویت میں ''عالمگیریت کا مقابلہ'' کے عنوان سے ہوئی، جب کہ دوسری کانفرنس مکہ مکرمہ میں رابطۂ عالم اسلامی نے ۲۳، ۲۷ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ کو ''امت اسلامیہ اور عالمگیریت'' کے عنوان سے کی۔

دونوں کانفرنسوں کی قراردادوں اور سفارشوں میں جو کچھ کہا گیا، اسکا خلاصہ یہ ہے کہ عالم گیریت کے مقابلے کے لئے تین طرح کے رویے اختیار کئے جاسکتے ہیں:

(الف) ''عالم گیریت'' کو من وعن تسلیم کرلیا جائے اور امریکہ اور صیہونیت کے دعووں کے مطابق اسکو انسانوں کے لئے سرچشمۂ خیر مان لیا جائے، ظاہر ہے کہ حقائق کی روشنی میں یہ بالکل غلط بات ہوگی، اور مسلمانوں کا ایسا عقیدہ رکھنا کفر وارتداد ہوگا۔

(ب) ''عالم گیریت'' کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے اسکی ہر سطح پر مزاحمت کی جائے، لیکن عملی طور پر یہ ان وجوہات کی وجہ سے ممکن نہیں:

{1} ''عالم گیریت'' کا طوفان پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے یا لینا چاہتا ہے، ساری دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کرچکی ہے، لہذا کسی خول میں بند نہیں رہا جاسکتا ہے۔

{2} ''عالم گیریت'' لاتعداد چینلوں کے ذریعہ لوگوں کو اپنا شکار کررہی ہے؛ خواہ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں، ان چینلوں پر نہ صرف افراد؛ بلکہ حکومتوں کے لئے بھی کنٹرول ممکن نہیں۔

{3} معاصر عالمی نظام کا خمیر، لین دین، تبادلے اور مشترکہ تعاون سے اٹھا ہے، لہذا کوئی قوم یا جماعت اور فریق اپنے آپکو دنیا سے علیحدہ نہیں رکھ سکتا۔

{4} تیسری دنیا کے بہت سے ممالک سابقہ روایتی سامراج کے دور کے ختم ہوجانے کے بعد بھی، اپنے پرانے آقا سے اتنے مربوط ہیں، جتنے اپنے پڑوسیوں اور اپنے برادر ممالک سے بھی مربوط نہیں۔

اسی طرح کے بہت سے دیگر اسباب کی وجہ سے ''عالم گیریت'' کی بالکلیہ مزاحمت ممکن نہیں۔

(ج) تیسرا نقطۂ نظر یا تیسرا رویّہ یہ ہوسکتا ہے کہ ''عالم گیریت'' کے مثبت پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا جائے اور اسکے منفی پہلوؤں سے یکسر احتراز کیا جائے۔ یہ اسلئے کہ حکمت مؤمن کی گم شدہ میراث ہے، جہاں بھی ملے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے لیکن ''عالم گیریت'' کے مثبت اور منفی پہلوؤں میں امتیاز آسان کام نہیں۔ اسکے لئے بڑی ذہانت، ہوشمندی،

تجربہ کاری اورجد وجہد کی ضرورت ہے ،یہ امتیازی یا انتخابی عمل دوسطحوں پر انجام دیا جاسکتا ہے۔

{1} انفرادی سطح پراسکا طریقۂ کار یہ ہوگا کہ اسلام کے مقاصداوراسکی جامعیت سے واقفیت حاصل کی جائے ،جس میں ''عالم گیریت''اوراسکے اہداف وخطرات ،اس سے نپٹنے اوراسکی مزاحمت کے ذرائع کی جانکاری بھی شامل ہے،اس کے لئے علماءو مصلحین اورطلبۂ علوم دین کوآگے آنا ہوگا،اور عام مسلمانوں میں اس حوالے سے شعور بیدار کرنے اوراسلام مخالف افکاروخیالات اورمنصوبوں سے اپنی حفاظت اوردین وایمان کے بچاؤ کی راہ اپنانے کا فریضہ انجام دینا ہوگا۔

{2} اجتماعی سطح پر یعنی امت مسلمہ کومن حیث المجموع تمام معاملات میں کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹنا ہوگا، متحدہ، مضبوط اورٹھوس رویہّ اپنانا ہوگا؛ تاکہ تمام توانائیوں اور قدرتی ذرائع ووسائل سے فائدہ اٹھایا جاسکے ،اس کے بعد''عالم گیریت'' کے ان پہلوؤں سے فائدہ اٹھانا آسان ہوگا، جو ہمارے دین سے متصادم نہیں،اور جو ہماری دنیا کے لئے فائدہ مند ہیں۔

بھائی یہ تو مختصر گفتگوتھی اس لئے میں آپ کواس موضوع کے مناسب تمام گوشوں کا تفصیلی ذکرنہیں کرسکا ہوں لیکن ہمارے جلسہ کے دیگر مقررین حضرات اورمحترم صدرجلسہ صاحب کے ملفوظات عالیہ سے آپکوضرورمزید معلومات حاصل ہوگی۔

ھارون: ضرورضرور ۔۔۔۔۔۔ السلام علیکم۔۔۔۔

اَرُن شوری کی کتاب دہ ورلڈ آف فتواز کا تحقیقی جواب

اشرف : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ھارون : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بھائی! یہ سب فائلیں اور کاغذات بہت حفاظت سے لے کر کہاں جارہے ہیں؟ کیا کوئی منسٹری مل گئی یا کسی اخبار کے ایڈیٹر بن گئے ہیں؟

اشرف : ارے بھائی، نہ کوئی منسٹری ملی ہے نہ ایڈیٹری بلکہ یہ بہت اہم کاغذات ہیں، آپ کے مسٹر شوری اور ان کے چیلے چپٹے سوُرب شاہ جیسے لوگ اسلامی شریعت اور مسلم معاشرہ کے پیچھے رات دن پڑے ہیں، ہفتہ دس دن میں کوئی مضمون اسلام کے خلاف نہ لکھے تو ان کا پیٹ درد کرنے لگتا ہے، نہ معلوم اس پر ان کو ملک دشمن جماعتوں کی طرف سے کتنے پیسے ملتے ہوں گے؟

ھارون : یہ باتیں تو میں نے بھی گجراتی اخبارات اور میگزنوں میں پڑھی ہے، یہ سب باتیں سچی ہی تو ہے، مسٹر شوری نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی ہے، بلکہ آپ کے فتاوی دارالعلوم دیوبند، فتاوی رحیمیہ، کفایت المفتی، فتاوی رِضویہ کے حوالہ سے ہی تو لکھا ہے، حقیقت میں مولوی لوگوں نے مسلمانوں کو بلیک میل کیا ہے، ایک مسلمان کو کب غسل کرنا چاہئے، ناخن، بغل، ناف اور داڑھی کے بال کب کاٹنا اور کیسے کاٹنا، بیت الخلاء کس سمت میں بنانا، کیسے بیٹھنا، روزے میں سرمہ لگانا، تیل ڈالنا، صحبت کے بعد غسل کرنا، حیض والی عورت سے صحبت کے مسائل، صحبت کس طرح کرنی چاہئے؟ اس وقت کیا دعاء پڑھنی چاہئے؟ اس طرح کے ہزاروں مسائل بلکہ مسلمانوں کی جنسی لائف کو بھی مولویوں نے اپنے کنٹرول میں

لے لیا ہے، اگر یہ سب باتیں مذہب میں ضروری ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذہب انسان کی نجی زندگی میں بھی دخل اندازی کرتا ہے، موجودہ سائنس وٹیکنالوجی کے دور میں بھی مسلمان اپنی گھڑی کی سوئی الٹی ہی جانب لے جا رہے ہیں۔

محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی	اس دور میں ہے شیشۂ عقائد پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے ایک جنون خام	ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش

مسٹر شوری کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس میں شریعت کم ہے اور شریعت کے نام پر علماء کی جانب سے بہت کچھ بڑھا دیا ہے، ان کے فتووں کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھا سکتا۔ ماضی میں مولینا آزاد، ڈاکٹر اقبال اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے ترقی پسند لوگ بھی ان کے فتووں کی چابک سے مار کھا چکے ہیں۔

اپنے فتووں میں یہ لوگ صرف اتنا کہہ دے کہ قرآن شریف میں یہ لکھا ہے تو یہ بھیڑ بکری جیسی عقل رکھنے والی قوم سر دھننے لگتی ہے۔

اشرف :

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے	یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا؟	رقابت، خودفروشی، ناشکیبائی، ہَوسنا کی
اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک	جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ	آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

بھائی، سب سے پہلے تو مجھے تمام مسلمانوں کی جانب سے آپ کے مسٹر شوری صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے آج کی مصروفیت کے دور میں بھی یہ سب مسائل چھیڑ کر خود ہی دنیا کو بتا دیا کہ اسلام ہی دنیا کا وہ واحد مذہب ہے، جو انسان کی انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی کے ہر مرحلہ اور منزل پر اپنے واضح اصول وہدایات رکھتا ہے، دنیا کے

کسی دوسرے مذہب یا قانون میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ مقابلہ کرتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو اس سے پیش آمدہ تمام مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں۔

اب اصل جواب سنئے، مسٹر شوری نے جن سینکڑوں چھوٹے چھوٹے مسائل کو چھیڑ کر بالارادہ اسلام کے دامن کو داغدار کرنا چاہا ہے، تو وہ بیچارے علم وعقل کے دیوالئے اسلامی احکام کے اقسام، فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہ وغیرہ کی تعریفات، حدبندیوں اور ٹمپریچر سے بالکل ناواقف ہے، اس لئے انہوں نے اکثر سنت ومستحب چیزوں کو مذہب کا لازمی اور ضروری جز قرار دے کر اسلامی احکامات کو انتہائی سخت، ناقابل عمل اور زمانہ کے تقاضوں کے خلاف ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، حالانکہ ان میں سے اکثر کا کہنا یا ان سے بچنا مسلمان پر فرض یا حرام نہیں ہے، بلکہ اپنے پیارے اور محبوب رسول اللہ ﷺ سے محبت اور اپنی چال ڈھال اور زندگی کے ہر عمل کو آقا کے عمل سے ملانے کا وہ جذبہ ہے جس نے عام مسلمانوں کو اس طرح کے سوالات کرنے پر آمدہ کیا ہے، آخر اس طرح کے جذبہ میں کونسی خرابی ہے، جب کہ آج کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنی چال ڈھال، سوچ وفکر اور ہر نقل وحرکت کو کسی فلم اسٹار ہیرو یا ہیروئن پر قربان کردیتے ہیں، وہ ان کے نزدیک آزادئ فکر وعمل اور زمانہ کی نبض شناسی سمجھا جاتا ہے، سائنس کے اس دور میں ہزاروں سال پرانی برہمن وادی ہندو تہذیب کا احیاء، روزانہ گجراتی اخبارات میں ہندو مذہبی اعتقادات کو تقدّس انہ انداز میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرنا، یہ سب باتیں مسٹر شوری کو بلیک میلنگ نظر نہیں آتی، دوسری بات یہ ہے کہ آج کے آزادئ رائے کے زمانہ میں ہر شخص کو ہر بات پوچھنے کی اجازت ہے، لیکن مذہبی معاملات میں اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں نہ دم خم ہے نہ ان کے یہاں اس طرح سوالوں کی اجازت ہے، یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا آدمی کسی بھی بڑے سے بڑے عالم یا مفتی صاحب سے کوئی بھی مسئلہ دریافت کرسکتا ہے۔

یہاں ہندو مذہب کی طرح نہ برہمن وشودر میں کوئی فرق ہے اور نہ مذہب کی کوئی بات

کسی سے چھپائی جاتی ہے، یا مذہبی کتاب پڑھنے پر کسی کے کان میں سیسہ ڈالا جاتا ہے، بلکہ **فسئلوا اهل الذكر** اور **بلغوا عني ولو آية** کی صدائے عام ہے۔ وضوء، غسل اور صحبت کے مسائل جن کو مسٹر شوری نے مذاق کے ساتھ بہت بھونڈے انداز میں پیش کیا ہے، آج کی سائنس نے ان سب پر ریسرچ کر کے سب کو فطرت کے مطابق صحت وتندرستی کیلئے بے حد مفید قرار دیا ہے۔ وضوء، غسل، بغل، ناف کے بال، ناخن وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے جرمنی کے ڈاکٹر جوا کیم دی یولف اور ڈاکٹر کوخ لکھتے ہیں کہ اسلام نے صفائی کا جو لحاظ کیا ہے وہ کسی مذہب میں نہیں اور یہ ظاہر کی صفائی اسلام کی روحانی و باطنی صفائی پر بھی غمازی کرتی ہے، اور مباشرت کے جو آداب جناب نبی اکرم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ذکر کئے ہیں، آج کے ماہر جنسیات ڈاکٹروں نے اس کو انسانی جذبات کی تسکین کا باعث اور ڈاکٹری قانون کے عین مطابق قرار دیا ہے، ہم بستری کے بعد غسل کی سائنسی وجہ ذکر کرتے ہوئے سائنس داں کہتے ہیں کہ مادّہ منویہ کے بدن سے نکلتے ہی ایک لطیف قسم کا زہریلا مادّہ پورے بدن میں سرایت کر جاتا ہے، جو پانی سے دور ہو جانے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں سے انسان کو بچاتا ہے، سب مسائل کی حکمت وسائنسی وجہ کب تک ذکر کروں، بس اتنا یاد رکھ لیں، **فطرة الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله . الايعلم من خلق وهو اللطيف الخبير .**

ھارون : مسٹر شوری کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اسلام کے نہ ماننے والے سب کو قرآن کریم میں کافر کہا گیا ہے، جو ایک گالی کا لفظ ہے اسطرح اسلام نے مسلمانوں کو اپنے کھانے، پینے، لباس، وضع قطع، غرض زندگی کے ہر عمل میں غیروں کی مخالفت اوران سے دور رہنے کی بھی تاکید کی ہے، ہندوؤں کے بیمار ہونے پر ان کی خبر گیری نہ کی جائے، ان کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، تجارت، لین دین سب منع ہے، ان کے قتل کرنے کی اسلام میں

کوئی سزانہیں ہے ،ان کے میلوں اورتہواروں میں مسلمان حاضری نہیں دے سکتا ،کسی مسلمان وزیر کی موت پرسب مذاہب کی مشترکہ عبادت نہیں ہوسکتی ،کیونکہ مسلمان ہندوؤں کی عبادت کو کبھی قبول نہیں کرسکتے۔

الغرض غیروں کے بارے میں مذہبی کتابوں میں خوب نفرت وعداوت پھیلائی گئی ہے، پھر مسلمان اس ملک کے باشندوں کے ساتھ قومی دھارے میں کس طرح زندگی گزار سکتا ہے؟

اشرف : آپ کے شوری صاحب یا تو قرآن کریم کے مطالب ہی نہیں سمجھے ہیں یا بالارادہ سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت وہ یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں،اور جس کو سورب صاحب نے واضح انداز میں لکھ دیا ہے کہ الیکشن میں بی.جے.پی.کو جتانے کیلئے اور اسی کے ضمن میں پارلیمنٹ میں پرسنل لا کی تبدیلی کی آواز اٹھانے اور ملک بھر میں ہنگامہ برپا کرنے کیلئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ چنانچہ بعد میں مسٹر شوری کو وزارت بھی ملی ،لیکن اپنی تلخ مزاجی کی وجہ سے اپنے شعبے میں وہ ناکام وزیر ثابت ہوئے۔

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بہت تفصیل سے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک،اچھے معاملات اور خوش گوار پڑوسی ثابت ہونے کا حکم دیا گیا ہے،ارشاد ربانی ہے: **لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الد ین ولم یخرجو کم من دیار کم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین** . یعنی جو لوگ تم سے لڑے نہیں اور نہ جنہوں نے تم کو اپنے گھروں سے نکالا،ایسے لوگوں کے ساتھ بھلائی ونرمی اور خوش اخلاقی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تعالی تم کو نہیں روکتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔مکہ مکرمہ کے مشرکین جنہوں نے تیرہ سال تک مسلسل مارا، پیٹا، وطن عزیز اور مال وجائداد چھوڑنے پر مجبور کیا، مدینہ منورہ میں بھی چین سے بیٹھنے

نہیں دیا،سینکڑوں میل کی دوری کے باوجود بدر،احداور خندق تک مسلمانوں کوصفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے کیلئے آئے،اللہ تعالی کے پیارے گھر میں داخل ہونے سے بھی روکا،ایسے سنگ دل ظالموں کے بارے میں بھی مسلمانوں کوفرمایا جاتا ہے:**ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدّوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا**، دوسری جگہ فرمایا: **علی الا تعدلوا، اعدلوا ھواقرب للتقوی** یعنی دیکھنا ان ۲۰ سالہ مسلسل تکالیف کے باوجود تم عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنا،انصاف کرنا،یہ تقوی سے زیادہ قریب ہے،اور یاد رکھنا کہ اللہ تعالی کوتمہارے ہر عمل کی خبر ہے

یہ پہلا سبق ہے کتاب ھدٰی کا	-	کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کی

نیز پیارے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا ماحصل ہے

کرومہربانی تم اہل زمیں پر	-	خدامہربان ہوگا عرش بریں پر

اور یہ بات یاد رکھئے کہ اچھے اچھے اصول وہدایات تو دنیا کی تمام مذہبی کتابوں اورسرکاری قانونوں میں لکھی ہوئی ملے گی، لیکن عمل کے میدان میں وہ ایسی انسانیت سوز حرکتیں کرتے ہیں کہ درندے بھی ان سے شرما جائے،اس کے مقابلہ میں اسلام قول وعمل میں مطابقت کا تاکیدی حکم کرتا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ان دشمنوں کوجنہوں نے اسلام کی بیخ کنی اورمسلمانوں کی ایذارسانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا،لیکن فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر **لا تثریب علیکم** سے سب کی عام معافی کا اعلان فرمایا،دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے کہ دشمنوں کوصرف معاف ہی نہیں فرمایا بلکہ ان کے گھروں کوبھی جائے امن بنادیا،حالت جنگ میں دشمن کی صلح کی درخواست کرنے پر فرمایا کہ: **فاجنح لھا وتوکل علی اللہ** تم بھی صلح کیلئے جھک جاؤ۔دشمن پناہ مانگے توفرمایا: **فاجرہ** اسکو پناہ دے دو **فاتموا الیھم عھدھم** دشمنوں سے کئے جانے والے عہد کو پورا کرو،اوراسکی

سینکڑوں مثالیں ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا نقصان برداشت کرتے ہوئے بھی وعدوں اور معاہدوں کا خیال رکھا، فتح کیئے ہوئے شہروں کو خالی کردیا؛سمرقند اس کی زندہ مثال ہے، رعایا سے لیا ہوا ٹیکس واپس کیا؛حمص اسکی مثال ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے؟اس کی پہلی دستاویز نجران کے نصارٰی کے ساتھ اور دوسری بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ تحریری و عملی شکل میں پیش آئی۔ان کو کیا حقوق دیئے گئے؟وہ تو بہت تفصیلی ہیں جس کو آپ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج،فتوح البلدان اور تاریخ طبری کے علاوہ اسلام دشمن یورپین مصنفین کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں،جس میں ان کی جان، مال، زمین، جائداد کی مکمل حفاظت، مذہبی نظام اور مذہبی عہدیداروں کو برقرار رکھنا، صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہ پہنچانا، ان سے فوجی خدمات نہ لینا، ان کے معاملات میں پورا انصاف کرنا، ان کے بوڑھوں، بچوں، عورتوں، سادھوں سنتوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ کاٹنا، جانوروں کو نہ مارنا، الغرض ان پر ذرہ برابر ظلم وزیادتی نہ ہونے پائے، مسلمان نہ ان کے گرجوں میں رہے، نہ اس کو گرائے، نہ اس کو نقصان پہنچائے، اس معاہدہ پر خود آپ ﷺ نے اور بیت المقدس کے معاہدے پر حضرت عمرؓ نے اپنی ذمہ داری لی، اس کے سینکڑوں سال بعد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے فتح بیت المقدس میں وہی فتح مکہ مکرمہ کا واقعہ دہراتے ہوئے سارے ظالم دشمنوں کو معاف کردیتے ہوئے شریف دشمن کا لقب پایا، ہندوستان کے پہلے باقاعدہ بادشاہ قطب الدین ایبک نے بھی قطب مینار کی بلند عمارت پر **لا اکراہ فی الدین** کی آیت لکھواکر مسلمانوں کے صلح وامن کا پیغام دہرایا، آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کی خبر گیری کی، ان کی تیمارداری کی، خرید وفروخت کا معاملہ آپ ﷺ نے خود کیا، جانی دشمنوں کو قحط سالی میں سابقہ پڑا تو آپ ﷺ نے غلہ جاری فرمایا، انگلینڈ کا بادشاہ ریچرد عین لڑائی میں بیمار ہوتا ہے، تو سلطان صلاح الدین عمدہ اور اعلی قسم کے پھل اور ماہر اطبّاء کی ایک ٹیم بھیجتے ہیں۔

اب آپ کوسوال پیدا ہوتا ہوگا کہ پھر قرآن شریف نے کافروں کوقتل کرنے کا بھی تو حکم دیا ہے، یہ تضاد بیانی کیسی؟ تو اسکا جواب سنئے کہ وہ دشمن جو مسلمانوں کی امن وسلامتی والی دعوت کے پیغام میں رکاوٹ بنے، بار بار مسلمانوں کے خلاف لڑنے کیلئے آئے، مسلمانوں کو جانی، مالی نقصان پہنچائے تو ایسے لوگوں کے بارے میں **فاقتلوا** کا حکم ہے، اس کیلئے جہاد کے بارے میں نازل ہونیوالی پہلی آیت میں غور کرنا چاہئے، فرمایا: **الذین هاجروا واخرجوا من دیارهم و اوذوا فی سبیلی** (ال عمران:۱۹۵) ہر غیر مسلم کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے، قرآنی آیات کو ان کے سیاق وسباق سے سمجھنی ہوں گی، صرف **فاقتلوا** کا لفظ نہیں دیکھنا چاہئے، حدیث شریف میں لڑنے والے کے علاوہ کوقتل کرنے سے منع فرمایا گیا، بلکہ جانی دشمنوں نے بھی پناہ مانگی تو معاف کر دیا گیا، آپ ﷺ نے ان کا ذمہ لیا، بہت سے واقعات ہیں کہ ایک ذمی کے قتل کرنے پر مسلمان کو بھی قتل کیا گیا ہے، یا اس سے بڑی رقم خون بہا کی لی گئی ہے، مسلمانوں نے عراق، مصر اور شام کو فتح کیا لیکن وہاں کی سرسبز وشاداب زمینیں وہاں کے اصل باشندوں کے پاس رہنے دی، کتاب الخراج میں صراحت ہے کہ زمینیں ان کے قبضہ میں رہنے دی، ان کو مالکانہ حقوق دیئے؛ کہ وہ اس کو بیچ سکتے ہیں، گروی رکھ سکتے ہیں بلکہ ان کو ذمی نام دے کر مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ ان کی جان ومال کی حفاظت کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔

اسی طرح کافر کا لفظ قرآن کریم میں اپنے اصلی معانی ہی کیلئے استعمال ہوا ہے، بعد کے زمانہ میں لوگوں نے اس کو کسی بھی معنی میں لے لیا ہو، قرآن کریم میں واقعات حقیقیہ بیان ہوتے ہیں، کوئی مبالغہ آرائی یا کسی سے ذاتی عداوت نہیں ہوتی۔

قرآن کریم کو اس لحاظ سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب ہے بلکہ وہ تو قیامت تک کی پوری انسانیت کے لئے کتاب ہدایت ہے، وہ جس طرح مسلمانوں کو مختلف

انداز سے خطاب کرتی ہے اسی طرح دوسرے انسانوں کو بھی خطاب کرتی ہے، وہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ اس خالق ومالک کا کلام ہے جو اپنے فرمابردار ونافرمان تمام بندوں کو یکساں طور پر کھانا، پینا، ہوا، روشنی وغیرہ نعمتیں عطاء کرتا ہے اس لحاظ سے جو بندہ اسکے سورج وچاند سے روشنی، اسکی زمین سے روزی، اسکے دریا سے پانی اوراسکی دوسری ساری بے شمار نعمتوں کواستعمال کرنے کے باوجود ان نعمتوں کودوسروں کی طرف منسوب کرے اور حقیقت کو چھپائے تووہ عربی لغت کے اعتبار سے کافر ہی ہوا، عربی میں بولا جاتا ہے: **کفر درعه بثوبه** اپنی زرہ کواپنے کپڑوں سے چھپالیا، اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ بلاشبہ ایک مربی باپ کی طرح قرآن کریم بھی غصہ کاانداز اختیار کرتا ہے تو کبھی **یا عبادی** کا پیار بھراانداز، یہی اسکے خالق کے کلام ہونے کا زندہ ثبوت ہے، اسکے تقابل میں مسٹرشوری کی کتابیں ویداور منوسمرتی میں برہمنوں کے علاوہ دوسروں کوملچھ وغیرہ برے القاب سے یاد کیا ہے۔

جہاں تک مسٹرشوری کا یہ کہنا کہ ہرعمل میں مسلمانوں کودوسروں کی مخالفت کرنے کاحکم دیا گیا ہے؛ یہ غلط ہے، ہاں مذہبی کاموں میں جوایک مسلمان کا شعار ہونا چاہئے وہاں سختی ضرور فرمائی ہے، لیکن عام تعلقات کھانا پینا، بیمار کی تیمارداری وغیرہ سے نہیں روکا ہے، بلکہ پیغمبراسلام ﷺ خود غیر مسلم ستانے والے بیماروں کی عیادت کے لئے گئے ہیں، اپنے تشخص اور کلچر کوتو ہرقوم وحکومت باقی رکھنے کی کوشش کرتی ہیں، پولس، فوج، ریلوے، ڈاکخانہ، اسکول، کالج وغیرہ اوراسمیں بھی چھوٹے بڑے کا الگ یونیفارم ہے، یونیفارم کے بغیر آنے والا مجرم قراردیا جاتا ہے، ملک کے جھنڈے الگ ہوتے ہیں، آپ کسی ملک کے جھنڈے کوگرادیں تو یہ اس ملک کی توہین سمجھی جاتی ہے، جنگیں بھی ہوسکتی ہے، الغرض دنیا میں الگ الگ پہچان کاعمل ہر قوم وملک اورانکے مختلف شعبوں میں چلا آتا ہے اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ جوقوم یا ملک اپنے یونیفارم اور کلچر کی حفاظت نہیں کرتی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں جذب ہوجاتی ہے،

سکھوں نے سراورداڑھی کے بالوں کے ذریعہ اپنی قومیت باقی رکھی، انتہائی سرد ملک کے رہنے والے انگریز نے بھارت جیسے گرم ملک میں بھی اپنے کوٹ پٹلون، ہیٹ اورٹائی کو نہ چھوڑا، تو وہ ۴۰ کروڑ کی آبادی میں بھی اپنے آپکو باقی رکھ سکا۔

سنسکرت زبان جسکو تاریخ کسی طرح بھی ہندوستان کی عام زبان یا کم ازکم آریہ نسل کی زبان بھی نہیں بتلاسکتی ہے، آج اسکی اشاعت کی پرزور کوشش ہورہی ہے حالانکہ اسکے سمجھنے والے بھی اکاّ دکاّ ہی ہیں۔

دھوتی کو مذہبی تقدس سمجھکر بڑے بڑے لیڈر اپنی سیاسی مجلسوں میں براجمان ہوتے ہیں اسکو ذرہ برابر معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے، تو ایک مسلمان کو بھی اپنے پیارے آقا کا رنگ ڈھنگ، شکل وصورت اختیار کرنے کا حق ہے اور یہی عقل وفطرت کا بھی تقاضا ہے۔

ھارون : مسٹر شوری کا ایک بڑا اعتراض اسلام کے نظام طلاق اور خاص کر کے شرطیہ طلاق پر ہے، شوہر کے اختیار میں طلاق ہے وہ جب چاہے بغیر کسی عذر کے طلاق دے سکتا ہے، عورت کی اجازت ضروری نہیں ہے، نہ گواہ ضروری، نہ عورت کی موجودگی ضروری، بلکہ خط کے ذریعہ بھی طلاق ہوسکتی ہے، خاص کر کے شرطیہ طلاق تو ہر مسلمان عورت کو مسلسل ذہنی پریشانی میں مبتلا رکھتی ہے، عورت کو شرط کے بعد شوہر کے حکم کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے، ورنہ خود بخود نکاح سے وہ نکل جائے گی، مسٹر شوری کا کہنا ہے کہ فتاوی قاضی خان اور درّ مختار کے حوالے سے دسیوں مثالیں پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہیکہ شرطیہ طلاق یہ عورت پر بہت بڑا ظلم ہے، شریعت کے نام پر مفتیوں کی اجارہ داری چل رہی ہے، یکساں سوِل کوڈ نہ ہونے کی بناء پر حکومت بھی اسکے مطابق فیصلہ کرتی ہے۔

اشرف :

کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی	-	اغیار کے افکار وتخیل کی گدائی

بھائی! اسلامی قانون کی رو سے مرد اور عورت کا دائرۂ کار الگ الگ ہے، اور عملی زندگی میں مرد کو عورت پر فوقیت دی گئی ہے: **الرجال قوامون علی النساء** جب سائنسی دور شروع ہوا تو اس اسلامی اصول کا بہت مذاق اڑایا گیا، اور اسکو دورِ جہالت کی یادگار قرار دیا گیا، مگر یورپ کے طویل تجربہ نے یہ بات ثابت کردی کہ پیدائشی طور پر دونوں یکساں نہیں ہے اسلئے دونوں کو یکساں فرض کر کے جو سماج بنایا گیا اسنے لازمی طور پر بے شمار خرابیاں پیدا کردیں، سنئے آزادیٔ نسواں کی تحریک کی تمام تر کامیابیوں کے باوجود آج بھی موڈرن (مہذب) دنیا میں مرد ہی جنسی برتر (Dominant sex) کی حیثیت رکھتا ہے۔

امریکہ و یورپ میں زندگی کے کسی بھی شعبہ میں اب تک عورت کو مرد کے برابر کا درجہ نہیں مل سکا ہے؛ بلکہ آپکو حیرت ہوگی کہ امریکہ و یورپ میں تو عورتوں کی تعداد سرکاری و نجی ملازمتوں میں بھی اب اور کم ہورہی ہے۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب	–	کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

یورپ کا پہلے یہ کہنا تھا کہ عورت اور مرد کا فرق محض سماجی حالات کی پیداوار ہے؛ مگر موجودہ زمانے میں مختلف شعبوں میں اس مسئلہ کا جو گہرا مطالعہ کیا گیا، چنانچہ ہاورڈ یونیورسٹی میں نفسیات کے پروفیسر جیروم کاگن اپنے طویل ریسرچ کے بعد لکھتے ہیں کہ مرد اور عورت میں بعض نفسیاتی فرق محض معاشرتی تجربہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ لطیف قسم کے حیاتیاتی فرق کی وجہ سے ہے۔

امریکی سرجن Edgar Berman کا فیصلہ ہے کہ عورتیں اپنی ہارمون کیمسٹری کی وجہ سے اقتدار کے منصب کے لئے جذباتی ثابت ہوسکتی ہیں، چنانچہ اب امریکہ میں یہ بات سمجھی گئی ہے کہ اس فرق کی اصل وجہ سماج یا قانون نہیں بلکہ خود فطرت کی بنیاد پر ہے فطری طور پر عورت بعض حیاتیاتی محدودیت Limitations of Biology کا شکار ہے، میل

ہارمون اور فیمیل ہارمون کا فرق دونوں میں پیدائشی ہے۔ چنانچہ اب امریکہ میں آزادی نسواں کے حامی کہتے ہیں کہ فطرت ظالم ہے ہمیں چاہئے کہ پیدائشی سائنس SCIENCE OF EUGENICS کے ذریعہ جینٹیک کوڈ بدل کر نئے قسم کے مرد اور عورتیں پیدا کریں، یہ ہے انسانی قانون کی بے بسی اور لاچاری کہ اب وہ نئے قسم کے مرد عورت بنانے کی فیکٹری قائم کریں گے۔

مجبور ہیں معذور ہیں مردان خردمند	-	کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
	آزادئ نسواں کہ زمرّد کا گلو بند	

ڈاکٹر الیکس کیرل عورت اور مرد کے فعلیاتی فرق Physiologieal بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ فرق صرف اعضاء کی خاص شکل، رحم کی موجودگی یا حمل ہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بنیادی طور پر نسیجوں کی بناوٹ اور پورے جسمانی نظام میں خاص کیمیائی مادے جو عورت کی بچہ دانی (خصیة الرحم) سے مترشح ہوتے رہے ہیں، وہ اختلاف کا حقیقی سبب ہے۔ عورت کے جسم کے ہر خلیے میں زنانہ پن کا اثر ہے اور انسانی آرزؤں سے اسکو بدلا نہیں جاسکتا، لہذا بہتر یہ ہے کہ عورتیں اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیں اور مردوں کی نقالی کرنے کی بیکار کوشش نہ کریں۔

آپ کے ان یورپی آقاؤں کے سائنسی وجنسی بیانات سننے کے بعد ایک عورت کی حقیقت وحیثیت کا احساس ہوگیا ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خالق فطرت نے مرد کو کیوں طلاق کا اختیار دیا ہے۔

علامہ اقبال نے اسکو اسطرح واشگاف کیا ہے :

ہزار بار حکیموں نے اسکو سلجھایا	-	مگر یہ مسئلہ زن رہا وہاں کا وہیں
قصور زن کا نہیں اس خرابی میں	-	گواہ اسکی شرافت پہ ہے مہہ و پروین

کہ مرد سادہ ہے، بیچارہ زن شناش نہیں	-	فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور

اب میں آپ کے سامنے شرطیہ طلاق کی حیثیت واضح کرنا چاہتا ہوں بغور سماعت فرمائیں، حضرات علمائے کرام نے شریعت مطہرہ کے تمام مسائل کا بہت گہرا اور وسیع مطالعہ کرنے کے بعد شرعی احکام کے ارکان، علتیں، اسباب اور شرطوں کو متعین فرمایا ہے، بہت لطیف و باریک فرق سے مسائل کی علتوں، شرطوں اور اسباب کی مختلف قسموں اور ہر ایک کے احکام واضح کیئے ہیں۔ جسکی مثال دنیا کے کسی بھی مذہب اور قانون میں ملنا مشکل ہے، مختصر آپ بھی انکا فرق سنئے۔

علت:۔ کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی ہے جو اسکے وجود میں مؤثر ہو۔

سبب:۔ کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی ہے جو اسکے حکم تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

شرط:۔ کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی ہے جس پر حکم کا وجود موقوف ہو۔

طلاق کے سلسلہ میں شریعت مطہرہ نے طلاق کے لفظ کو شوہر کی طرف سے واقع ہونے والی طلاق کی علت قرار دیا ہے کیوں کہ وہ فاعل مختار کی طرف سے واقع ہو رہی ہے، اب اگر وہ طلاق کے الفاظ کو کسی شرط پر معلق کر دیتا ہے تو اسوقت شوہر کی طرف سے دو چیزوں کا تکلم ہو رہا ہے، ایک طلاق کا جو علت ہے اور دوسرا شرط کا، اور طلاق علت کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ شرط کی وجہ سے، مسٹر شوری اس لطیف فرق کو نہ سمجھ سکے اور انکو یہ دھوکہ ہوا کہ طلاق شرط کی وجہ سے واقع ہوئی حالانکہ حقیقت میں طلاق تو الفاظِ طلاق سے ہی ہوتی ہے، جو اگر شرط نہ ہوتی تو فورًا واقع ہو جاتی، شریعت نے اسکی شرط کا اعتبار کر کے شرط کے پائے جانے تک وقوعِ طلاق کو موقوف رکھا، اور مسئلہ یہ ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ کا جب تکلم ہوتا ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ طلاق کے الفاظ بولنے پر طلاق واقع ہوتی ہے یہ ہر مسلمان کو معلوم ہے یا معلوم ہونا چاہئے، قانون سے ناواقفی کا بہانہ دنیا کے کسی بھی قانون میں معتبر نہیں ہوتا اور

الفاظ ہی کا دنیا میں اعتبار ہوتا ہے، عدم اعتبار کی شکل میں اسکو ہزل اور پاگل پنا سمجھا جائیگا۔ لہذا وہ اس لفظ کا شرط کے ساتھ یا بغیر شرط کے تکلم کرتے ہوئے سوچے گا کہ اس سے میرا خوشگوار خاندانی نظام درہم برہم ہوجائے گا، اور کوئی بھی عاقل بالغ شخص اپنی معاشرتی زندگی کو برباد کرنا نہیں چاہتا ہے کہ معمولی شرطوں سے عورت کو طلاق دے، اس بات کو خود مسٹر شوری نے بھی قبول کیا ہے کہ عملی زندگی میں اگرچہ مسلمانوں میں اس قسم کی شرطیہ طلاق کا وقوع بہت کم ہے، تو پھر خواہ مخواہ اس قسم کی بحث کو چھیڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسکے بجائے وہ ہندو سماج کی عورتوں کے بہت سے سنگین اور پیچیدہ مسائل یا عورتوں کی طرف سے ہندو کوڈ بل کے ظالمانہ استعمال کو روکنے کی تدبیر کرتے، اور اپنے سماج کی فکر کرتے جہاں طلاق کا تناسب مسلمانوں سے زیادہ ہے، اور جہیز کے مسائل میں خاندان کی جوان لڑکیاں اجتماعی خودکشی کرتی ہے۔ یا سسرال والوں کی طرف سے خود ہی جلادی جاتی ہے۔

ھارون : آپ کی پُر اثر گفتگو نے میرے ذہن سے بہت سارے اعتراضات دور فرمادئے۔ آپ سے مزید گذارش ہے کہ مسٹر شوری کے ایک اور خاص اعتراض کو بھی آپ سنیں؛ وہ یہ کہ قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ نے بہت سی باتیں زمین، آسمان، سورج، سیارے وغیرہ کے بارے میں ایسی کہی ہیں، جو آج کی موڈرن سائنسی تحقیقات کے خلاف ہے، پھر بھی مسلمانوں کا یہ کہنا کہ جو کچھ قرآن وحدیث میں ہے وہ سب سچا ہے چاہے سائنسی تحقیق اسکا انکار کرے۔

زمین کے سلسلہ میں قرآن کریم کا یہ فرمانا کہ وہ کارپیٹ کی طرح پھیلی ہوئی ہے، اور پیپر ویٹ کی طرح پہاڑ اس پر جمادئے گئے تا کہ وہ ہلنے نہ پائے، اسطرح زمین ثابت ہے **وھو الذی مدّ الارض وجعل فیھا رواسی۔ والارض مددناھا والقینا فیھا رواسی**، اور سات سیارے اسکے گرد گھومتے ہیں اسمیں سے چاند اور سورج نیچے کی سمٹ میں

گھومتے ہیں، اوراسی طرح حدیث شریف میں آپ ﷺ کا فرمان کہ سورج روزانہ طلوع ہونے سے پہلے اللہ تعالی کی اجازت مانگتا ہے، اورقیامت سے پہلے ایک دن وہ پورب کی جگہ پچھم سے نکلے گا،اس قسم کی باتیں آج کی سائنسی تحقیقات کے خلاف ہے تو ایک ترقی یافتہ مسلمان کوکیاان پرانی باتوں پرہی یقین کرنا چاہئے؟

اشرف : بھائی! آپ کے شوری صاحب سائنس داں نہیں ہے، بلکہ وہ اقتصادیات میں پی.ایچ.ڈی. ہیں۔ہم کوتعجب ہے کہ اپنی پوری کتاب میں مسٹرشوری نے اسلامی اقتصادیات کو نہیں چھیڑا ہے، جوانکا خصوصی موضوع تھا اورسائنس کی خارداروادی میں اپنے کوالجھادیا۔ جن اعتراضات کوانھوں نے پیش کیا ہے وہ انکی سائنسی جہالت کا ثبوت دے رہے ہیں،اب سائنس کی روشنی میں قرآن کریم کا استدلال سنئے،ارشادربانی: **والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم** اورزمین پرپہاڑ جمادئے تا کہ زمین تم کولیکر جھک نہ پڑے آج کی سائنسی زبان میں اسکوتوازن Balance کہا جا تا ہے،سائنسی تحقیق کے مطابق زمین کی سطح پرجو ہلکا مادہ تھا وہ پہاڑوں کی شکل میں ابھرآیااورجو بھاری مادہ تھا وہ گہری خندقوں کی صورت میں دب گیا جن میں اب سمندروں کا پانی بھرا ہوا ہے؛اسی طرح ابھاراوردباؤ نے مل کرزمین کا توازن اور Balance برقراررکھا،تھوڑے سال پہلے جنوبی ہندوستان کے ایک علاقے میں زلزلے کثرت سے ہونے لگے،سائنسی تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ پہاڑوں کی کثرت سے کھودائی کی وجہ سے زمین کا Balance نہیں رہا ہے،اسکے بعد بڑے بڑے پتھر لائے گئے اورسیمنٹ کے ذریعہ انکو پہاڑوں سے چپکایا گیا،اسکے بعد زلزلے بند ہوگئے **ذلک تقدیر العزیز العلیم** ....

دوسرا اعتراض زمین کے بچھانے اورپھیلانے کا **والارض بعد ذلک دحٰھا** یہ الفاظ سائنسی زبان میں انتشار براعظم Theory Of Drifting Continents کے نظریہ سے سوفی صد مطابق ہے،جسکا مطلب یہ کہ ہمارے تمام براعظم کسی زمانے میں

ایک ہی بڑی زمین کے حصہ تھے، اسکے بعد پھٹ کرادھرادھر پھیل گئے، اورسمندروں کے اردگرد براعظموں کی ایک دنیا آباد ہوگئی، اس نظریہ کو پہلی مرتبہ جرمن ماہرارضیات الفرد ویجسنر Alferd wegener نے پیش کرتے ہوئے دلیل کے طور پر کہا کہ جنوبی امریکہ کا مشرقی ساحل افریقہ کے مغربی ساحل سے مل رہا ہے،قرآن کریم نے'' **دحــا** '' کا لفظ فرمایا جسکا معنی کسی مجتمع چیز کو پھیلانے اوربکھیرنے کے ہیں یہی معنی انگریزی لفظ Drift کا بھی ہے، اس جغرافیائی نظریہ کی تعبیر کے لئے موجودہ سائنسدانوں نے اپنایا،۱۴۰۰ سال پہلے کا لفظ ''**دحــا**'' اورآج کا موڈرن لفظ Drift دونوں میں اسقدرحیرت انگیز یکسانی اس بات کی دلیل ہیکہ قرآن کریم اس ذات مقدس کا کلام ہے،جن کا علم ماضی، حال اور مستقبل سب پر محیط (گھیرنے والا) ہے۔

یہ سب باتیں ڈیٹل میں لکھتے ہوئے کناڈا کے اخبار CITIZEN نے سرخی لگائی Qur'an scores over modern science قرآن کریم موڈرن سائنس پر بازی لے گیا۔فرانس کے ڈاکٹر ماریس بوکائی نے اپنی کتاب The Bible The Qura'n and Science (بائبل،قرآن اورسائنس) میں زمین، آسمان،سورج، چاند،انسانی پیدائش،عالم نباتات،حیوانات،رحم مادرمیں بچے کے تخلیقی مراحل،اجرام سماویہ کی نوعیت، کائنات کا پھیلاؤ وغیرہ بہت سی چیزوں پر تفصیلی گفتگوکرتے ہوئے دعوی کیا کہ سائنس سے ۱۳۰۰سال پہلے کی یہ باتیں جنکو سائنس ردنہیں کرسکتا، اس بات کی دلیل ہیکہ قرآن کریم کسی انسانی ذہن کی تخلیق نہیں ہے۔سب سے پہلا روسی خلاباز یوری گگارن خلامیں دیکھ رہاہیکہ زمین کی سطح پراندھیرا اوراجالا اس طرح آگے پیچھے چل رہے ہیں جیسے وہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہوں، بعینہ یہی تعبیرقرآن کریم میں ہے:**یغشی اللیل والنھار یطلبہ حثیثا**۔ اللہ تعالی اوڑھاتا ہے رات پردن کو، وہ اسکے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا،قرآن کریم نے ۱۴۰۰ سال

پہلے فرمایا کہ انسان کو قلیل علم دیا گیا ہے: **وما اوتیتم من العلم إلا قلیلا۔** موجودہ زمانہ میں خالص سائنسی تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ انسانی ذہن کی کچھ ناگزیر محدودیتیں Limitations ہیں، انکی وجہ سے انسان کے لئے صرف محدود علم تک پہنچنا ممکن ہے، چنانچہ جدید سائنسی منطق کا یہ کہنا ہیکہ ہم اپنی موجودہ صلاحیتوں کے ساتھ صرف قرینہ Probability تک ہی پہونچ سکتے ہیں، سائنس دانوں کے بیانات ثابت کرتے ہیں کہ سائنسی معلومات آخری نقطہ اور حقیقت تک پہنچنے کے مراحل طے کر رہی ہے، جبکہ قرآن کریم آخری نقطہ کو بیان فرماتا ہے، لہذا انسانِ ظلوم وجہول کا اعتراض اسکی فطرت **خلق الانسان عجولا** کی غمازی کرتا ہے۔

ھارون : مسٹر شوری کا یہ بھی کہنا ہیکہ قرآن کریم میں وراثت کی تفصیلی بحث ہے، اور ہر ایک کے حصہ کی واضح ہدایات بھی ہیں، لیکن عملی طور پر اسکا نفاذ ممکن نہیں ہے، کیونکہ حصوں کی تقسیم فی صد سے نہیں ہوتی، بلکہ اس سے بڑھ جاتی ہے اور حصے برابر تقسیم نہیں ہوتے۔

اشرف :

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر	–	مردِ ناداں پر کلامِ نرم ونازک بے اثر

بھائی! یہ بھی انکی کج فہمی کی دلیل ہے، اسلامی وراثت میں جس وارث کا جو حصہ مقرر کیا گیا ہے، اسکے مطابق اسکو حصہ ملتا ہے، وراثت کے مال کو نہیں دیکھا جاتا کہ اسکے فیصد نکالے جائیں، لہذا اولاً وارث کو پوری جائداد کا کل کتنا حصہ ملنا چاہئے وہ متعین کیا جاتا ہے، اور اس میں بھی یہ کوشش ہوتی ہیکہ کم سے کم ایسے چھوٹے عدد پر تقسیم کیا جائے جس سے حساب میں آسانی ہو، جب ہر وارث کا حصہ متعین ہوگیا تو پھر اسکے مطابق کل جائداد کے بھی حصے کئے جاتیں ہیں، رات دن مفتی حضرات کروڑوں روپیوں کا حساب بہت آسانی سے کر دیتے ہیں، انکو کوئی دقت پیش نہیں آتی لیکن افسوس ہے کہ آپ کے اکونومکس میں پی.ایچ.ڈی.شوری

صاحب کو آج کے موڈرن کیلکیو لیٹری حساب کے دور میں بھی یہ مشکل معلوم ہوتا ہے، اب تو آپکو ان گڈری نشینوں کی عقل کے تابع ہو جانا چاہئے۔

ھارون : کچھ مسلمان ترقی یافتہ حضرات مسٹر فیضی اور طاہر محمود وغیرہ کے حوالے سے مسٹر شوری کا یہ کہنا ہیکہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے نام سے جن قوانین پر عمل ہوتا ہے، اسمیں قرآن وحدیث کے قواعد کے مقابلے میں تاریخ کے مختلف ادوار میں گذرے ہوئے قاضیوں کے فتاوی زیادہ ہیں اور اسکے بہت سے اجزاء پرانے ہو چکے ہیں، اور مفتی لوگ آج کے سائنسی دور میں بھی وضو، نماز اور روزہ کے مسائل میں ہی الجھے ہوئے ہیں، زمانے کے جدید تقاضوں اور مسائل کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی۔

اشرف : بھائی! قاضیوں کے فتاوی انکی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں، البتہ اگر زمانے کی تبدیلی سے کچھ احوال بدل بھی گئے ہوں؛ تو آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی شریعت میں زمانہ کے احوال کی تبدیلی کا بھی خیال رکھا گیا ہے، اور اسکے مطابق فقہائے کرام فیصلہ کرتے ہیں، رہا انکا یہ اعتراض کہ علماء کو جدید مسائل کی ہوا بھی نہیں لگی تو انکو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں فقہ اکیڈمیوں کا قیام، فقہی سیمنار اور انکے اہم فیصلوں کو کتابی شکل میں لکھا گیا ہے، اور جدید سے جدید مسائل کو بھی بہت تحقیق وتدقیق کے ساتھ حل کیا جاتا ہے، آج کسی بھی مسلمان کو جدید سائنسی دور میں کوئی الجھن یا مسئلہ درپیش ہو تو فقہائے کرام اسکا واضح جواب بیان فرماتے ہیں، یہ بے چارے کنویں کے مینڈکوں کو اسلامی کتابوں کا مطالعہ یا علماء سے کوئی ربط وتعلق رکھنا نہیں ہے، اور ہمہ دانی کا دعوی کرنا ہے۔

ھارون : بھائی! آپکا بہت بہت شکریہ کہ آپنے میرے ذہن سے اسلامی احکام کے بارے میں ہونے والے غلط تصورات کو دور فرمایا۔

مدارس کی اھمیت اور علمائے کرام کی قوم وملت کے لئے قربانی

مبارک : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..

ھارون : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ارے بھائی کیا بات ہے بہت دنوں سے آپ اسکول میں نظر نہیں آتے؟ کہیں گئے ہوئے تھے یا پھر پڑھنا چھوڑ دیا؟

مبارک: آپ کو معلوم نہیں کہ میں دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا میں عالمیّت کا کورس کرر ہاہوں، دنیوی تعلیم تو بقدرِ ضرورت سیکھ لی ہے، دینی تعلیم اصل ہے، جو دنیا وآخرت دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔

ھارون: بھائی! دنیا اکیسویں صدی میں قدم رکھ چکی ہے، سائنس وٹیکنالوجی اپنے نقطۂ عروج کو پہونچنے جارہی ہے، انٹرنیٹ کے ذریعہ دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہورہی ہے، اور آپ قرونِ وسطیٰ کی (جسکو سائنس کی زبان میں ڈارک ایج (Dark Ages) کہا جاتا ہے) ڈُگڈگی بجارہے ہیں، آج کے اس کمپیوٹر کے دور میں آپ کے یہ سارے علوم وفنون آؤٹ اوف دیٹ ہو چکے ہیں، لہذا زمانہ کی نبض شناسی کے بعد میرا تو یہی مشورہ ہے کہ آپ پھر سے اسکول میں داخل ہوجائیے، آپ جیسے ہونہار، ذہین اور سمجھدار بچے لکھ پڑھ کر قوم وسماج کے کام آسکتے ہیں، اور یہ بھی تو سوچئے کہ مولوی ہوکر تم قوم وسماج کی کیا خدمت کرسکتے ہو، الٹے قوم کیلئے بوجھ بن جاؤ گے، پھر آپ کی تنخواہ بھی کیا ہوگی؟ اتنی معمولی تنخواہ میں آپ بیوی، بچوں کا خرچ بھی کیسے نکال سکیں گے؟

اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا	-	ہے خونِ فاسد کے لئے تعلیم مثلِ نشتر

ان سب چیزوں کو سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرلو۔

مبارک:

ہم سمجھتے تھے کہ لائیگی فراغت تعلیم	-	کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

بھائی، آپ کی یہ سب باتیں سن کر مجھے بہت تکلیف ہوئی، آپ تو دین وایمان بیچ کر بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، آپ جیسا مسلمان گھر میں پیدا ہونیوالا بچہ اس قسم کے خیالات رکھتا ہے جو ایک بے ایمان خدافراموش آدمی کے ہوں مستقبل میں مسلم قوم آپ سے کیا امیدیں وابستہ رکھ سکتی ہیں، ایسی بے ایمانی والی سوچ وفکر پیدا کرنے کیلئے آپ مجھے اسکول وکالج کی دعوت دیتے ہو۔

اور یہ اھل کلیسا کا نظامِ تعلیم	-	ایک سازش ہے فقط دین وملت کے خلاف

میں نے تو بہت سوچ سمجھ کر ہی یہ مشکل وکٹھن راستہ تجویز کیا ہے، میں نے رزق کا مالک اپنے اس خداوندِ قدوس کو سمجھا ہے، جسکے قبضہ میں آسمان وزمین کے سارے خزانے ہیں، جو ذاتِ اقدس بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اسکی ماں کی پستان میں دودھ کی دو نہریں جاری کرکے **وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها** کا وعدہ پورا کررہی ہے، جو اپنی کروڑوں اور اربوں قسم کی بے زبان مخلوق کو غیب سے روزی دیتی ہے، کیا وہ مالکِ حقیقی اشرف المخلوقات بلکہ اسکے نبی کے وارثین کو محروم کردے گا؟ آپ کی سرکار یا پرائیویٹ کمپنی آپ کی تمام ضروریات کا خیال رکھے اور احکم الحاکمین عالم الغیب والشھادة اپنے دین کے کام کرنے والوں کو محروم رکھے؟ یہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اسکا تو وعدہ ہے: **ان تنصروا الله ینصرکم** جب اللہ تعالی اور رسول سے عشق ومحبت کا دعوی کریں گے تو پھر **الامثل فالامثل** والی حدیث شریف کی بنیاد پر عشق ومحبت کا امتحان بھی دینا ہوگا، **أحسِب الناس ان یُترکوا ان**

یقولوا آمنّا وھم لا یفتنون ۔ عشق ومحبت پر مصائب برداشت کرنا تو عشق مجازی کا آزمایا ہوا اصول ہے، لہذا میں نے بھی علمِ الٰہی کی راہ میں آنیوالی ہر تکلیف ومصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کیلئے اپنے آپ کو ذہنی وروحانی طور پر تیار کرلیا ہے،

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے	-	خوبیٔ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے

ھارون: لیکن بھائی یہ آپ جیسے لڑکوں کی لائن نہیں ہے، یہ تو گاؤں کے غریب، نادار، بے کار، لوفر، دماغی طور پر کمزور یا شریر بچے جو کسی کام کے نہ ہوں اور جنہوں نے پورے گاؤں کو سر پر لیا ہوا نکی لائن ہے، آپ کی لائن تو سائنس وکمپیوٹر کی ہے۔

مبارک: بھائی، یہ تو ہماری قوم کی دنیا پرستی کی علامت ہے، پیسے اور ڈگری کو بنیاد بنا کر اپنے شریف وہونہار اور ذہین بچوں کو اسکول وکالج میں بھیجتے ہیں، اور کند ذہن، بدھو، شریر اور جو کسی کام کے نہ ہوں ایسے بچوں کو علمائے کرام کے حوالہ کرتے ہیں، یہ تو مکہ مکرمہ کے مشرکین کی نقل ہوئی، کہ وہ بھی اچھی چیز بتوں کے نام ذبح کراتے تھے، اور ردّی وگھٹیا چیز خدا تعالی کے نام پر ذبح کرتے تھے۔

یہ تو بے چارے ان علمائے کرام کا ہی جگر گردہ، ہمت اور استقلال ہے کہ وہ ہزاروں قسم کی ذہنی، معاشی اور سماجی فکروں کے ساتھ بھی اپنا خون، پسینہ ایک کرکے قوم کے بگڑے ہوئے، سماج کے دھتکارے ہوئے اور ماں باپ کے ہنکائے ہوؤں کو صحیح راستہ پر لانیکی انتھک کوشش کرتے ہیں، اور **ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین** کو حرزِ جان بناتے ہوئے اپنے بے چین وبے قرار دلوں کو تسلّی دیتے ہیں۔

دوسری طرف دینی تعلیم دینے سے بے فکر ہوکر ماں باپ اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم دینے میں جان، مال، عزت وآبرو وغیرہ سب کی قربانی دیتے ہیں، اور پھر انکے ہی بوئے ہوئے بیج نافرمانی، اذیت، بدتمیزی وغیرہ کی شکل کے پھل انکو دیتے ہیں، تو پھر یہ ماں، باپ اولاد کی

شکایت کرتے پھرتے ہیں۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں	-	ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں

ھارون : بھائی، لیکن ہم دنیا میں ضروریات زندگی روٹی، کپڑا، مکان اور دیگر بہت سی چیزوں کے محتاج وضرورت مند ہیں، اسکے لئے کچھ کمانا تو پڑیگا ہی؛ اور اسلام بھی روزی، روٹی کمانے سے کہاں منع کرتا ہے؟ کیا اسلام نے تعلیم، عقل وخرد اور سوچ وفکر سے بھی منع کیا ہے؟

مبارک:

کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا	-	تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں

بھائی، روزی روٹی اور حصولِ معاش کیلئے تعلیم حاصل کرنا یہ تو علم کی توہین ہوئی، علم کا مقصد تو ذات کی تکمیل اور اعلی انسانی اوصاف کا حصول ہے، جس سے ملک وقوم بلکہ پوری انسانیت کی خدمت کی جاوے، معاش کا حصول تعلیم کا دوسرے نمبر کا مقصد ہے، موجودہ دنیوی تعلیم کا مقصد اچھی ملازمتوں سے زیادہ کچھ نہیں ہے، اس صورتِ حال میں تعلیم خواہ کتنی عام ہوجائے کسی ملک کو اجتماعی اور قومی فائدہ پہونچانے والے افراد پیدا نہیں ہوسکتے، بلکہ انہی تعلیم یافتہ لوگوں نے اپنے آرام وآسائش کیلئے رشوت، چور بازاری اور کرپشن کے ذریعہ ملک کو اقتصادی تباہی کے دہانے کھڑا کردیا ہے، ایسوں ہی کیلئے مولانا ابوالکلام آزاد جو ایک مولوی ہوکر آزاد ہندوستان کے سب سے پہلے وزیرِ تعلیم بنائے گئے تھے، اور جنہوں نے بہت قریب سے انگریزی تعلیم کے علم برداروں کو دیکھا تھا، فرمایا تھا کہ یہ بڑی بڑی سرکاری عمارتیں جو انگریزی تعلیم کی نوآبادیاں ہیں کس مخلوق سے بھری ہوئی ہیں؟ مشتاقان علم و شیفتگانِ حقیقت سے؟ نہیں ایک ایک مٹّھی گیہوں اور پیالہ چاول کے پرستاروں سے، جنکو یقین دلایا گیا ہے کہ بلاحصول علم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کرسکتے ہیں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ علم کی اس عام توہین وتذلیل کی تاریکی میں سچی علم پرستی کی روشنی برابر چمکتی رہی

ہے یہ ملت کے طالبانِ علم دین کی جماعتیں ہیں، جو اسلام کے قدیم مذہبی علوم اور مذہبی زبان کے فنون مختلف عربی مدارس میں حاصل کررہی ہیں، یقین کیجئے کہ بجاطور پر آج صرف یہی ایک جماعت علم کی سچی پرستار کہی جاسکتی ہے، اور بقول اقبال مرحوم ؎

جس نے قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش	-	عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا

اسلام عقل وشعور اور غور وفکر کا سب سے بڑا اور پہلا اعلان کرنے والا مذہب ہے، قرآن کریم کی ۲۳ سے زائد آیات میں عقل وشعور سے کام لینے اور غور وفکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مذہبِ اسلام پر تعلیم سے روکنے کا اعتراض کیسے کرسکتے ہیں؟ جبکہ آپ ﷺ پر نازل ہونیوالی وحی کا اوّلِ حکم ہی علم کا ہے، حالانکہ آسمان سے نزولِ وحی کا سلسلہ ۶۰۰ سال سے بند تھا، پھر نبی بھی امی اور امت بھی امی تھی، لیکن پھر بھی اقرأ (یعنی پڑھ) کے لفظ سے ابتداء ہونا گویا اشارہ تھا کہ اس نبیٔ امی اور انکے ماننے والوں کے ذریعہ اب انسانیت اور مذاہب کی تاریخ میں نئے دور کا آغاز ہوگا، مگر **باسم ربک** کے ذریعہ خالق ومالک کی پہچان کروادی کہ اسکو مت بھولنا، **علّم الانسان** اور **مالم یعلم** سے بھی اشارہ کیا کہ انکشافات وایجادات اور جدید ٹیکنالوجی وسائنسی معلومات کا مأخذ تعلیم الٰہی ہے نہ کہ انسانی کمال، لہٰذا ہر وقت اسکی طرف متوجہ رہو، احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کا مقصد ہی لوگوں کو تعلیم وتربیت دینا ہے **انما بعثت معلما** اور **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** سے تعلیم کی غرض بھی معلوم ہوگئی کہ تعلیم کے ذریعہ انسانیت، شرافت اور اعلیٰ اخلاقی کیریکٹر کا مالک بننا ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ دینی مدارس کا مقصد کیا ہے، اور ان مدارس میں کیا تعلیم ہوتی ہے؟ جبکہ آپ کی کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم کے نام پر بداخلاقی، بے حیائی، آوارگی، فساد، انتشار وغیرہ کتنی برائیوں نے جنم لیا ہے، جبکہ یہ مدارس خاموشی اور سکون ووقار کے ساتھ اپنے اعلیٰ مقاصد میں مشغول ہیں۔

ھارون : آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدارس ہی انسانیت کے صحیح رہبر اور انسانیت کو شرافت و اخلاقیات کا اعلیٰ درس دینے والے ہیں، دوسرے تعلیمی و صنعتی ادارے اس سے محروم ہیں، تو کیا یہ صرف زبانی جمع خرچ ہی ہے، یا عملی میدان میں بھی آپ لوگوں نے انسانیت کی کوئی خاطرخواہ خدمات کی ہیں؟ حالات کی سنگینیوں ،زمانہ کے ظالم و جابر حکمرانوں اور خواہشات نفسانی کا مقابلہ کر کے کبھی انسانیت کو بچایا ہے، یا صرف گدّے، بسترے اور اسٹیج کی ہی زینت بنے ہیں؟ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ہر زمانہ میں امّت کو ان مولویوں نے ہی گمراہ کیا ،اپنی حکومت اور مونوپولی چلاتے رہے ہیں، بلکہ میں نے تو ہسٹری میں یہ بھی پڑھا ہے کہ دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ بے کار اور بے مقصد یہ مدارس اور مولوی لوگ ہیں، ان مدارس نے مسلمانوں میں دقیانوسیت ،تنگ نظری ،اور پرانی باتوں کی رٹ لگانا اور ضد اور ہٹ دھرمی کے علاوہ کچھ بھی کام نہیں کیا ہے، اور پھر بھی کنویں کے مینڈک کی طرح دنیا کے احوال وواقعات سے بالکل بے خبر ہونے کے باوجود دنیا میں اپنی حکومت قائم کر کے زمانے کی رفتار وترقیات کی گھڑی الٹی ہی سمت میں پھرانے کی بے کار کوشش میں مصروف نظر آرہے ہیں،

کیا مدرسہ؟ کیا مدرسہ والوں کی تگ ودو؟	-	کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو	-	اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک

نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

مبارک: بھائی! امت اسلامیہ میں علماء کا طبقہ ہی ایک ایسا متحرک ،حسّاس ،فعال اور غیور طبقہ ہے جس نے دنیا کی تاریخ میں بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، تخت سلطنت سے لیکر مسندِ درس تک جتنے بھی صالح انقلابات رونما ہوئے ، چاہے بنوامیہّ کی سفّاکی کے مقابلہ میں علویوں کی صف بندی ہو یا تاتاری یلغار کے بعد حرم کی پاسبانی، سرزمینِ ہند پر انگریزوں سے نبرد آزمائی ہو یا آدابِ دار ورسن کی بجا آوری، سب اسی بے باک طبقہ کے

جرأت مندانہ اقدامات کا نتیجہ ہے، بقولِ شاعر ؎

تاریخ جنوں یہ ہے کہ ہر دورِ خرد میں	-	ایک سلسلۂ دار و رسن ہم نے بنایا

تاریخِ دعوت وعزیمت شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں ان مدارس کے علمائے کرام نے فتنوں کا مقابلہ کیا، ظالم وخود مختار حاکموں کو اپنی من مانی کرنے اور اسلام کا حلیہ بگاڑنے سے روکا، اس کیلئے اپنی جان کی بازی لگادی، بھوکے پیاسے رہے، طعنے اور گالیاں سنی ،جیل کی کال کوٹھریوں میں پیٹھ پر کوڑے کھائے ،حکمرانوں کی ناراضگی مول کر سخت اذیتیں برداشت کی مگر شریعتِ اسلامیہ کی ادنیٰ مخالفت کو گوارہ نہ کیا ،حسن بصریؒ،امام مالکؒ ،امام ابوحنیفہؒ ،امام احمد بن حنبلؒ، ابوالحسن اشعریؒ، امام غزالیؒ، ابن الجوزیؒ ، ابن تیمیہ ، ابن قیمؒ ،شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ عزالدین ابن عبدالسلامؒ کی عظمت واستقلال کی داستان پڑھیے ،

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ، ارادت ہوتو دیکھ ان کو
یدبیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہہ وبالا

آخر کس چیز نے جیل خانہ سے امام ابوحنیفہؒ کا جنازہ اٹھایا، امام مالکؒ کو مجرم بنا کر ننگی پشت پر کیوں کوڑے برسائے گئے؟ مسئلۂ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل کی پشت پر ہاتھی بھی تاب نہ لاسکے ایسے کوڑے کس جرم میں مارے گئے؟ متحدہ ہندوستان میں اکبر کے دینِ الٰہی کے ذریعہ شریعتِ اسلام کی کھلی توہین اور کلمۂ طیبہ تک کی تبدیلی کا ہوجانا جس سے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ ہندوستان میں اسلام اب چند دن کا مہمان ہے؛ لیکن ایسے پر آشوب اور خطرناک ماحول میں مدرسہ کی چٹائیوں اور خانقاہوں کی دریوں پر بیٹھ کر کتاب وسنت کا درس دینے والے ایک مولوی کی روح بے چین وبے قرار ہوگئی ، وہ اسلام کے خلاف اس

ہنگامہ آرائی کو برداشت نہ کرسکا، وہ فتنۂ اکبری کا مقابلہ کر کے اسلام کے روشن چہرہ کو شرک و بدعات کے غبار سے پاک کر کے ہی دم لیتا ہے، میری مراد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّ د الفِ ثانیؒ کی ذات گرامی ہے، اقبال مرحوم کو بے اختیار خراجِ تحسین میں کہنا پڑا ۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان	-	اللہ نے بر وقت کیا جسکو خبردار
گردن نہ جھکی جسکی جہاں گیر کے آگے	-	جسکے نفَسِ گرم سے ہے گرمی احرار

ہندوستان میں انگریز نے اسلامی عقائد کو بگاڑنے اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی تو اسکا مقابلہ کرنے والے یہی علمائے کرام تھے، اگر یقین نہیں آتا تو مالٹا کی جیل کی کوٹھری سے پوچھو کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کو حرمین شریفین سے کس جرم میں مالٹا پہونچایا گیا؟ کراچی اور انڈیا کی جیلوں سے دریافت کرو کہ سید حسین احمد مدنیؒ بار بار تمہاری زیارت کیلئے کیوں آتے تھے؟ انڈمان کے جزیروں سے پوچھو کہ کالے پانی والے جعفر تھانیسری کون تھے؟ بالاکوٹ کے سنگریزوں سے سوال کرو کہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید یہاں کس غرض سے آتے تھے؟

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی انگریز نے سب سے پہلے علماء کو اپنا نشان بنایا، کبھی مسلمانوں کو مرتد بنانے کی تدبیریں؛ تو کبھی دینی مدارس بند کرانے کی سازشیں ہوتی تھیں، علمائے کرام نے اپنی دوراندیشی و بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہوئے پورے ملک میں دینی مدارس کا جال بچھا دیا، بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ علمائے کرام نے امت کی نشأۃ ثانیہ کا جو پلان دینی مدرسہ کی شکل میں بنایا تھا اس میں وہ کامیاب ہوگئے، علمائے کرام نے صرف مدارس ہی قائم نہیں کیئے، بلکہ اس وقت کی تمام اسلام دشمن طاقتوں کا علمی، عملی، سیاسی، اخلاقی و روحانی طور پر مقابلہ کیا، کبھی عیسائیت سے مقابلہ ہوا، کبھی آریہ سماجیوں کا تعاقب ہوا، تو کبھی سندھی سنگھٹن کی تحریک کو توڑا، الغرض علمائے کرام اور دینی مدارس نے بنیادی کام کیا وہ یہ کہ اسلام کو اس شکل میں باقی رکھا، جس شکل پر رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے اس کو

چھوڑا تھا، دین کو اپنی اصلی روح اور طاقت کے ساتھ باقی رکھا، اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ بادشاہوں کی طرف سے رشوتیں دیں گئی، دھمکیاں دیں گئیں، خطرات میں ڈالا گیا، بڑے بڑے منافع سامنے آئے، لیکن کسی کی بھی پرواہ نہ کی، اس کے ساتھ یہ بھی کوشش کی کہ اسلام ہر زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے والا، زمانے کی چیلنج کا مقابلہ کرنے والا، زمانے کے تغیر سے متأثر ہونے والا تحریف اور انحراف اور جہالت وضلالت سے پاک رہے۔

جہاں میں چھیڑ کے پیکار عقل ودین میں نے	-	لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو
اللہ کے شیروں کو نہیں آتی ہے روباہی	-	آئین جواں مردی حق گوئی وبے باکی

یہاں تک کہ ۲۰۰ سال کے طویل عرصہ میں ہر طرح کی سازشوں، کاوشوں اور دنیا بھر کے وسائل استعمال کرنے کے باوجود مغربیت کو شاید سب سے کم کامیابی متحدہ ہندوستان میں حاصل ہوئی،

لٹا گیا جو پہاڑوں پے اپنے سرخی خوں	-	خوشاں وہ آبلہ پا کاروانِ اہلِ جنوں

ھارون : آپ نے تو ۱۴۰۰ ؍سالہ اسلامی دور کی تاریخ سنانی شروع کردی، میں تو ہندوستان کے علماء کرام کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی سماج کی تشکیل اور انکے دکھ درد میں علماء کرام نے کیا دل چسپی لی ہے؟ خاص کرکے ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں علماء نے کیا رول ادا کیا ہے؟ ہم تو آزادی کی پوری تاریخ پڑھتے ہیں لیکن دو چار علمائے کرام کے ناموں کے علاوہ کہیں بھی آپ کے علمائے کرام کے نام پڑھنے میں نہیں آتے ہیں، جبکہ آپ تو آزادی کی پوری جنگ وقربانی علماء کے کھاتہ میں ہی جمع کرنا چاہتے ہیں، یہ کیا تضاد بیانی ہے؟

مبارک : بھائی! علمائے کرام کی جنگِ آزادی کی قربانی انگریز کی ہی زبانی سنئے: انگریز مؤرخ سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ کے غدر میں سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی

تحریکِ جہاد کی بچی کچی چنگاریاں ہی کام کررہی تھی، مولانا یحییٰ علی اور مولانا جعفر تھانیسری کی سزائے موت صرف اس لئے منسوخ ہوئی کہ اس موت کے فیصلہ پر یہ بزرگ خوش وخرّم ہوگئے، انگریز مجسٹریٹ یہ خوشی برداشت نہ کرسکا، تو انکی سزا میں تخفیف کی اور حبسِ دوام میں تبدیل کرکے کالے پانی انڈمان بھیج دیا، ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال پیش کیجئے کہ انگیز نے سزا میں اسلئے تخفیف کی ہو کہ مجرم کی اپنی پھانسی کے فیصلہ پر مجرم کی خوشی کو انگریز ظالم برداشت نہ کرسکا ہو، دارالحرب کا فتوی دیکر انگریز کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے والے شاہ عبدالعزیز اور مولانا فضل الحق خیرآبادی ہیں، ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں تقریبا دولاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ۵۲ ½ ہزار علماء تھے، کیونکہ ۱۸۵۷ کی جنگ کے اصل ہیرو اور محرّک علماء ہی تھے۔

علمائے صادقپور کی داستانِ دردوالم سن کر کلیجہ منہ کو آ لگتا ہے، انگریز کی یہ دہشت گردی و ظلم وتشدد اسلئے تھا کہ یہ علمائے کرام میدان میں آگے نہ بڑھے، لیکن انبیائے کرام کے ان وارثین نے حوصلہ نہیں ہارا، بلکہ اسکے فوراً بعد مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا گنگوہیؒ، حاجی امداد اللہ جیسے رجال کار نے آزادی کا جھنڈا عملاً بلند کیا، انکے بعد شیخ الہندؒ کی سیاسی بصیرت نے بہت حکمتِ عملی سے اس مشن کو چلایا، ریشمی رومال کی تحریک کے نتیجہ میں آپ کو اور آپکے شاگردِ رشید حضرت مولانا مدنیؒ کو اسیر مالٹا ہونا پڑا، ۱۹۱۲ کی جنگ بلقان اور تحریک خلافت کے وقت انگریز کے خلاف رائے عامّہ میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی، سیاسی شعور کا لاوا پھوٹ پڑا، اسکو پورے ملک میں انگریز کے خلاف ہوا دینے والے بھی علماء ہی تو تھے۔

ان مدارس نے دیئے ملک کو گوہر آبدار	- وقت آنے پر جنہوں نے کی ہے اپنی جاں نثار

مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال، مولانا ظفر علی خاں کے زمیندار اور مولانا محمد علی جوہر کے ہمدرد اور کامریڈ کے آتشی مضامین نے ہی تحریکِ آزادی میں مہمیز کا کام کیا، مولانا جوہر کا

گول میز کانفرنس میں شیر کی طرح گرج کر آزادی کے بغیر وطن واپسی کا انکار کرنا، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن اور شاہ عطاء اللہ بخاری نے اپنی شعلہ نوائی سے انقلابِ حرّیت کی ایسی آگ لگائی جو آزادی تک سرد نہ ہوسکی، ہندو مسلم اتحاد کی مختلف تحریکیں اور تنظیمیں جمیعۃ العلماء، آل انڈیا کانگریس، ترکِ موالات، تحریکِ خلافت وغیرہ کی قیادت میں بھی علمائے کرام ہی کا کلیدی رول رہا، اگر علماء عزیمت وقربانی کی یہ انمول مثال قائم نہ کرتے تو نہ آفتابِ حرّیت طلوع ہوتا، نہ آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا، قید وبند کی داستانِ دل خراش، آدابِ دار ورسن کی بجا آوری، ایوانِ افرنگ میں حق وصداقت کی صدائے بازگشت انہی علماء کی جوہر فشاں مثالیں ہیں؛ جنکی بدولت برطانوی سامراج کا سورج غروب ہوکر آزادی کی صبح نمودار ہوئی، ''یہ سب نقوشِ راہ ایثار ہیں شاہد میرے''

قابل تعریف ہیں وہ باغبانِ بوستاں	-	جو تھے آزادی کے متوالے وطن کے پاسباں
خون کے ایک ایک قطرے سے ہی سینچا گلستاں	-	درس گاہوں کو کیا قائم مٹاکر اپنی جاں

ھارون : جب آپکے علمائے کرام نے انسانیت کو ہر زمانہ میں ہر طرح کے ظلم وستم اور دہشت گردی سے بچایا، اور اپنی جان ومال، عزت وآبرو کی قربانی دیکر بھی مسلم سماج کی تعمیر بلکہ انسانی سماج کی فلاح وبہبودی کے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اور ملک وقوم کی وہ خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں کہ سرزمینِ ہندوستان کا چپہ چپہ اور شجر وحجر تک آپکی قربانیوں کے گواہ ہیں کہ آزادی کے ان متوالوں نے درختوں اور پھانسی گھروں میں لٹک کر بھی ملک وقوم کو آزادی، شرافت اوراعلی اخلاقیات کا درس دیا ہے، آزادی کی تمام تحریکوں کو پروان چڑھایا ہے، پھر ملک میں آپ کو کیوں شک کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے؟ مدارس کو کیوں دہشت گردی کے اڈّے سمجھے جارہے ہیں؟ آپکا وہ دارالعلوم دیوبند جسنے کئی دہائیوں تک تسلسل کے ساتھ آزادئ وطن کیلئے بڑے بڑے مجاہدین اور محبِ وطن رہنماؤں کو جنم دیا، اور

جسکے بارے میں سابق صدرِ جمہوریہ راجندر پرساد صاحب نے کہا تھا کہ دیوبند کی طرح کے مدارس اس ملک میں کثرت سے قائم ہونے چاہئے کہ انکے وجود سے ہی ہمارے ملک میں امن وشانتی اور امانت ودیانت باقی ہے۔

یہ مدارس ملک کے ہیں مثل انجمن	-	روشنی ہے ان کے دم سے انجمن در انجمن
یہ سکھاتے ہیں زمانے کو محبت کا چلن	-	دیتے ہیں انسانیت کا درس ہے وہ بانکپن

آپ حضرات نے وقت کے غلط رجحانات، خطرناک فتنے اور غلط سیاست کا سرفروشانہ مقابلہ کیا، ملک کو سینکڑوں سماجی خدمت گذار، علی اخلاقی قدروں کے رکھوالے، باوقار اور ٹھوس علمی صلاحیت والے افراد دیکر دنیا بھر میں ہندوستان کا سر ہمیشہ فخر سے سربلند رکھا، پھر بھی کبھی جمعیۃ العلماء جیسی پرانی آزادی کی فعّال، محرّک جماعت کے دفاتر پر چھاپے تو کبھی پیامِ انسانیت کے علمبردار اور عالمِ اسلامی میں بڑے بڑے ایوارڈ پا کر بھارت کا سر فخر سے سربلند کرنے والے بزرگ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے مدرسہ اور انکی خانقاہ پر چھاپہ مارا جارہا ہے، آخر یہ سب کیا ڈراما کھیلا جارہا ہے، جبکہ یہ مدارس تو

مخزن انسانیت، علم وادب اور فکروفن	-	گر کسی نے ان کو لوٹا، لٹ گیا گویا وطن

کے حقیقی مصداق ہیں۔

مبارک : بھائی! آپ کی بات صحیح ہے کہ

جب گلستاں کو خون کی ضرورت پڑی	-	سب سے پہلے گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے اھل چمن	-	یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

انسانیت کی سوکھی کھیتی کی آب پاشی کرنے والے، انسانیت کی جوت جگانے، پیار ومحبت کرنے، رنج وغم میں شریک ہونے والے اور سچے بے لوث انسانیت کا درس دینے والے بلکہ ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ سمجھنے والے انہیں مدارس کو آج فرسودہ، بیکار بلکہ ناکارہ بنانے کا مرکز

غیروں ہی کی طرف سے نہیں! بلکہ اپنوں کی طرف سے بھی سمجھا اور سمجھایا جارہا ہے۔

اس وقت پورے عالم کے میڈیا پر یہودیوں کا قبضہ ہے، انکے پروٹوکول میں شامل ہے کہ ہمارے قبضے وتصرّف میں ایسے اخبارات ہونگے جومختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید کریں گے، خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہو یا انقلاب کی حامی، حتی کہ ہم ایسے اخباروں کی بھی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی واخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے۔

ایک ممتاز یہودی ڈاکٹر آسکر لیوی نے فخریہ انداز میں اپنی تصویر خودان الفاظ میں کھینچی ہے، کہ ہم ہی دنیا کے حاکم اور مفسد ہیں، ہم ہی تمام فتنوں کو ہوا دیتے ہیں، ہم ہی جلاّ دہیں۔

ان تحریروں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہر بغاوت، انقلاب، سازش، تخریبی نظریات، تباہ کن فلسفوں اور ہرقسم کی بے انارکی اور ہرطرح کے اقتصادی، سیاسی، اجتماعی اوراخلاقی بحران کے پیچھے یہودی پریس کام کرہا ہے، اور یہی تعلیم ہندوستان میں بھی وہ اپنے چیلوں چپٹوں کوسکھلا رہے ہیں، جواس طرح علمائے کرام اور دینی مدارس کودہشت گردی کے اڈے سمجھ رہے ہیں، جبکہ دینی مدارس کا یہ حال ہے کہ ایک سانپ نکل آئے تو مارنے کیلئے ڈنڈا بھی نہ ملے، جہاں آکر پولیس وانتظامیہ کے لوگ کہیں کہ یہاں آکر ہماری آتما کو بڑا سکون ملتا ہے، ایسی جگہوں کودہشت گردی کی تربیت گاہ کہا جائے اور جہاں قتل کے واقعات ہوں، ناجائز اسلحہ برآمد ہوں، بم پھٹتے ہوں، پولیس کو چوکس رہنا پڑتا ہواسکوامن وشانتی کی جگہ کہا جاوے۔

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا برسوں سے سری لنکا میں جو کچھ ہورہا ہے یہ کرنیوالے مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں؟ بوسنیا، فلسطین، چیچنیا، برما میں مسلمانوں پرظلم وجور کے توڑے جانے والے پہاڑ اورامریکہ وافریقہ میں سیاہ فاموں کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہتا ہے یہ ظلم کرنے والے کس دارالعلوم کے فارغ ہیں؟ روس اور تمام کمیونسٹ ملکوں میں مسلمانوں کے

ساتھ ۷۰ سال سے مسلسل کیا جانے والا ظلم و جبر کن علمائے کرام کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے، دنیا کو دو عظیم جنگوں میں جھونک کر کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے کس مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے؟ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات میں عزتیں لوٹی جاتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں، کروڑوں کی املاک و جائداد خاک میں ملا دی جاتی ہے یہ سب کھلا ناچ مدارس کے علماء کی طرف سے ہوتا ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی علوم، دینی درسگاہیں اور علمائے کرام سے ہمیشہ کی عداوت و دشمنی کرنے والوں نے باقاعدہ مسٹر گوئیلز کی پالسی کے تحت جھوٹ اتنی کثرت سے دنیا بھر میں مشہور کر دیا ہے، کہ لوگ اب اسکو سچ سمجھ کر اسکے خلاف سننے کو بھی تیار نہیں ہے اسکے مقابلے میں

جہانِ مغرب کے بتکدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہیں عقلِ عیار کی نمائش

ھارون : مولانا، آخر یہ مولوی، ملاّ کونسی مخلوق ہے کہ سب ہی انکے پیچھے پڑے ہیں، آخر سب کو ان سے اتنا ڈر کیوں لگ رہا ہے؟ جبکہ سچی بات یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مال و دولت اور ظاہری وسائل کے اعتبار سے یہ مولوی لوگ کمزور اور بے بس ہیں، اور ان سے ڈرنے والوں کے پاس سارے اسباب و وسائل اور ہر قسم کی طاقت و قوت ہے، یہ بے چارے تمام وسائلِ زندگی میں دوسروں کے دست نگر ہوتے ہوئے بھی لوگ ان سے خوف زدہ کیوں ہیں؟

مبارک : بھائی! جب عالم اسلام پر یورپی طاقتوں نے اپنا شکنجہ کسا تو ان کے ناپاک ارادوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی علماء بنے، یہ تنِ تنہا وہ مخلوق ہے جس نے کسی بھی محاذ پر ایک لمحہ کیلئے بھی یورپ کی بالادستی تسلیم نہیں کی، نہ سیاسی غلامی قبول کی، نہ ذہنی غلامی، اور نہ بیڑیاں اور زنجیریں انکو اپنے عزائم سے ہٹا سکی، ان بوریا نشینوں نے روزی روٹی کے تمام دروازے بند ہونے کے باوجود روکھی سوکھی کھا کر، کھدّر پہن کر، دنیوی خوشحالی کے تمام

وسائل تج کر ہر سیاسی اور فکری محاذ پر یورپی طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور انکی سازشوں کے مقابلہ میں آہنی دیوار بن گئے۔

ظاہری بات ہے کہ ایثار و سرفروشی کے یہ پیکر یورپ کو کیسے پسند آسکتے تھے، جو ہندوستان کو ہمیشہ کیلئے اپنا سیاسی و مذہبی غلام بنانے کیلئے توپ سے لیکر زر و جواہرات تک اور عیسائی مشنریوں سے لیکر لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم تک ہر حربہ آزمانا چاہتے تھے، انکے مقصد کی تکمیل کا ایک ہی راستہ تھا، اور وہ یہ کہ ان مولوی اور ملاؤں کو جو انکے ہر منصوبے میں کھنڈت ڈالنے کیلئے ہر وقت کمربستہ رہتا ہے، مغرب پرستوں کی نگاہ میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتے رہتے ہیں، اسکو خود مسلمانوں میں صرف بدنام ہی نہیں بلکہ ذلیل و رسوا کر کے چھوڑیں؛ تاکہ عام مسلمان آہستہ-آہستہ انکی عزت و احترام اور انکی پیروی کا جذبہ دل سے نکال دیں، اور یورپ اور امریکہ کو میدان خالی مل جائے، اقبال مرحوم نے اسکو ان الفاظ میں بیان کیا ہے

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا	- روحِ محمدؐ اسکے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات	- اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دین کا ہے یہ علاج	- ملّا کو انکے کوہ و دمن سے نکال دو

چنانچہ علمائے کرام کو باقاعدہ سوچی سمجھی سازش اور منصوبہ بندی سے بدنام کیا گیا، انکے خلاف ایسے ایسے الزامات تراشے گئے، انکے تمسخر و مذاق کیلئے ڈرامے بنائے گئے، ان مدارس کو بدنام کرنے، انکا مذاق اڑانے، ان پر طرح طرح کے الزامات لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک کہ یہ بات لوگوں کے دلوں میں رچادی کہ یہ مدارس، فرسودہ، بیکار اور آؤٹ اوف ڈیٹ ہیں، جنہوں نے دقیانوسیت، تنگ نظری، شدت پسندی اور بیکاری کی آبیاری کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دی، اسکے ساتھ اہل علم کے بھیس میں کچھ دنیا پرستوں نے بھی جو ہر دور میں موجود رہے علمائے کرام کو بدنام کر کے لفظ ملّا کو گالی بنا دیا۔

ھارون : اچھا، ایک آخری سوال کر کے بات ختم کرتا ہوں، وہ یہ کہ دینی و دنیوی دونوں علوم کی حقیقت، نتائج، خاصیت اور فوائد کے بارے میں تھوڑی روشنی ڈالیں؛ تاکہ میں بھی اس سلسلہ میں کوئی لائحۂ عمل طے کرسکوں، ساتھ میں یہ بھی بتاتے چلیں کہ آپ کے ان مدارس میں کیا پڑھایا جاتا ہے؟ اور کس چیز کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے؟ تاکہ میں اپنے مستقبل کے سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرسکوں۔

مبارک : بھائی، دنیوی علوم کا سرچشمہ اور مرکز مادّہ ہے، جبکہ دینی علوم کا منبع ذاتِ وصفاتِ خداوندی ہے، دنیوی علوم میں مادّہ اور (بَھوْتِکْتَا) کی ذات وصفات کو رات دن کرید نے اوراسمیں ہر وقت گھسے رہنے سے مادّیت اور مادّی جذبات واخلاق چھا کر نفسِ امّارہ کو قوت ملتی ہے، مادّی قوت کے غرور اور وقتی وسائلِ زندگی کی کثرت میں گھسنے سے آخرت سے غافل ہوکر نفس پرورَری، خودغرضی، لالچ، دوسروں کی حقارت، نفاق، قساوتِ قلبی، بے حیائی، دنیا طلبی، مہذب انداز کی چوری، قانونی رنگ کی ڈکیتی، اور حقیر سے حقیر قسم کی اغراض و خواہشات کی تکمیل کیلئے ہزاروں انسانوں کی جان ومال سے کھیلنے میں لطف محسوس کرتا ہے؛ جس سے دنیا میں بے چینی، بے اطمینانی، بے اعتمادی، مایوسی، تعصب وغیرہ کی فضاء بن کر یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔

جبکہ دینی علم میں اللہ تعالی کی ذات وصفات اور کمالات کی معرفت میں رات دن مشغول ہونے سے اللہ تعالی کی کمالاتِ قدرت، طاقت اور عظمت وغیرہ سے نفس مطمئنہ بن جاتا ہے، اسمیں خدائی اخلاق، رحمت ومحبت، ایثار وغناء، کمزوروں کی مدد، حیاء وعفت، جود وسخاوۃ، عدل و انصاف، ناداروں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری، حاجت برآری، مظلوموں کی دادرسی اور تمام مخلوق کی خیر خواہی والے اخلاق وجذبات پیدا ہوتے ہیں، جس سے دنیا میں چین وسکون، دلوں میں بشاشت، معاملات میں فرحت ومسرّت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، جس سے یہ دنیا

کا ظلمت کدہ جنّت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر جانوروں تک کو چین وسکون میسّر ہوتا ہے، پھر چیونٹیاں اپنے بلوں میں، مچھلیاں دریاؤں میں اور پرندے فضاؤں میں انکے لئے دعاء خیر کرتے ہیں، ملائکہ جیسی روحانی مخلوق انکے قدموں کے نیچے پر بچھاتی ہے، دنیوی مادّی علوم سے فکرِ آخرت وخوفِ خداوندی میں غفلت طاری ہوجاتی ہے؛ جبکہ دینی علوم سے خوفِ خداوندی اورفکرِ آخرت نصیب ہوتی ہے،اسی لئے فرمایا گیا:**انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** تمام مادّی علوم صرف بدنی ضروریات ہی پورا کریں گے،روح کی بے چینی تو صرف آخرت والے علوم سے ہی نصیب ہوگی **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ،آج کی دنیامیں خوش منظر اور دل فریب سامانوں کی بہتات ہے؛لیکن عیش وآرام اورامن وسکون مفقود ہے،عیش کی جگہ تنگ حالی،امن کی جگہ ماردھاڑ،چین کی جگہ تشویش ہے،**فاعرض عمّن تولّی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا** توکہیں فرمایا: **یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غافلون** اسکاواحدعلاج یہی ہے کہ آخرت کی یادتازہ کرانے والے ان دینی مدارس اوردعوت وتبلیغ کے کام سے دلچسپی وتعلق رکھا جائے، اسکے بغیرسب جگہ لعنت ہی ہے جیسے کہ آقائے مدنی نے فرمایا: **الدنیا کلھا ملعون وملعون مافیھا الا العالم والمتعلم اومن والاہ** .

اس وقت بھی یہ دینی مدارس جوکام کررہے ہیں ان کومعمولی نہ سمجھا جائے، کتنے فتنے، مصائب اور بیماریاں ان کے وجود سے رکی ہوتی ہیں،اگر یہ روشنی کے منار باقی رہے تو ہندوستان میں مسلمانوں کو ذہنی وجسمانی ارتداد کا کوئی خطرہ نہیں ہے، یہ بات اسلام دشمن طاقتیں خوب اچھی طرح جانتی ہیں کہ اسوقت بھی ہندوستان کو دنیا میں علمی ،عملی وروحانی مرکزیت جوحاصل ہے، وہ ان دینی مدارس اوردعوت وتبلیغ کے نتیجے میں ہے،اوردعوت وتبلیغ

کو بھی علماء کرام کی روحانی قوت ومدد مل رہی ہے، جسکا ہمارے دعوت وتبلیغ کے احباب کو بھی خوب احساس ہے اور ہونا بھی چاہئے، زمانے کی رفتار کے ساتھ مدارس میں بھی کچھ کمزوریاں ضرور آئی ہیں، اسکا ان علماء کرام کو خوب احساس بھی ہے؛ لیکن اس سے مدارس کو بالکل بیکار نہ سمجھا جائے، ورنہ اسلام دشمن طاقتوں کی چاہت خود مسلمانوں کے ہاتھ پوری ہوجائے گی۔

ہو چبھن ہر دل میں اس کی، ذہن میں ہو یہ خیال	-	نقش پائے مصطفے ہے رہنمائے باکمال
آپسی نفرت مٹاکر وقت تھوڑا دیجئے	-	یہ رہیں قائم ہمیشہ ایسا ہی کچھ سوچئے
ہوں محافظ آپ اس کے، جو کہ ہے روحِ چمن	-	نوچ کھائیں گے ورنہ وقت کے زاغ وزغن

ھارون : اچھا، تو آپ یہ شاندار لباس میں ملبوس ہوکر کہاں جارہے ہیں، کیا کوئی شادی کا پروگرام ہے یا اور کوئی پارٹی وغیرہ ہے؟

مبارک : نہیں بھائی! پروگرام و پارٹی تو آپ حضرات کو مبارک ہو، ہم تو اسی مدرسہ والی نسبت پر جنکو آپ فرسودہ اور آؤٹ اوف ڈیٹ کہہ رہے تھے؛ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے سالانہ دستار بندی کے جلسہ میں شرکت اور صدرِ محترم کے ملفوظاتِ عالیہ سے مستفیض ہونے کیلئے جارہے ہیں۔

ھارون : ارے بھائی، میری غلطی ہوئی، میرے سامنے دینی مدارس کی حقیقت واضح ہوگئی، اور بقولِ علاّمہ اقبال ''اگر یہ دینی مدارس ہندوستان میں نہ رہے تو یہاں پر بھی اسپین کی تاریخ دہرائی جاسکتی ہے'' لہٰذا میں بھی آپ کے جلسہ میں شریک ہونیکی درخواست کرتا ہوں۔

مبارک : چلو تو۔۔۔۔۔۔السلام علیکم۔

ختم نبوت مع رد قادیانیت

منہاج : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ھارون : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بھائی! بہت جلدی جلدی میں، یہ زرق برق لباس پہن کر آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں، کیا کہیں منگنی ہونے جارہی ہے؟

منہاج : نہیں، بھائی آج ہماری انجمن نصیحۃ الاخوان کا سالانہ جلسہ ہونے جارہا ہے، جس میں ہمارے پیارے آقا جناب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے خلاف بغاوت کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کا پوسٹ مارٹم ہونے والا ہے، جس میں شرکت کرنا میری غیرت ایمانی اور عشق رسول کا تقاضا ہے، میں وہیں جارہا ہوں، آپ بھی چلیئے!

ھارون : میرے پاس آپ کی طرح فضول وقت نہیں ہے، دنیا میں اور بھی بہت سے کام کرنے کے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ قادیانی صاحب نے کوئی نئی نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا ہے، وہ تو اپنے آپ کو رسول ﷺ کا نائب اور ظل وبروز مانتے ہیں، دیگر اولیائے کرام جس طرح **ملھم من اللہ** ہوتے تھے، اسی طرح یہ بھی اپنے کو ولی اور مجدّد قرار دے رہے ہیں۔

مرزا صاحب اپنی کتاب''**ایام الصلح ومباحثہ راول پنڈی**''۱۴۴-۱۴۶ پر لکھتے ہیں کہ قرآن شریف میں ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے، اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے، حدیث: **لا نبی بعدی** میں نفی عام ہے۔

اسی طرح **تبلیغ رسالت ۲** پر لکھتے ہیں کہ ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے قائل ہیں، اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح کی عبارتیں ان کی کتابیں **ازالۃ الاوھام، کتاب البریہ، حمامۃ**

البشری اور **آئنۂ کمالات انسان** وغیرہ میں موجود ہے، پھر انکے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے **تفریق بین المسلمین** کی راہ ہموار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آج امت مسلمہ کو سب سے زیادہ اتفاق واتحاد اور ملی یکجہتی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے باطل طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ ایسی بے کار بحثوں میں الجھا کر اسلام دشمن پریس اور میڈیا ہم کو دوسرے تعمیری کاموں سے روکنا چاہتے ہیں، اور آپ جیسے بھولے، بھالے نوجوان ان کے چکر میں آجاتے ہیں یہ مولوی ملاّ تو موقع بموقع امت کو بہکا کر اپنا الّو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔

منہاج : بھائی! ذرا زبان سنبھال کر بولئے، ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ آپ خود کسی قادیانی کے چکر میں آجانے کی وجہ سے الّو بن رہے ہیں، **تفریق بین المسلمین** بلکہ **تخریب بین المسلمین** کے کام کا آغاز تو خود قادیانی صاحب نے کیا ہے، امت مسلمہ میں ایک ظلی، بروزی، مجازی وغیر تشریعی نبوت کی داغ بیل ڈال کر امت کا رشتہ اپنے پیارے آقا رسول عربی ﷺ اور قرآن کریم سے توڑ کر ہندوستانی نام نہاد نبوت سے جوڑنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔

آپ نے انکی بہت سی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، تو آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ مرزا صاحب پر تین دور گزرے ہیں؛ جو بہت تفصیل طلب ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ ۱۸۹۱ کا وہ دور تھا جب مرزا صاحب سب مسلمانوں کی طرح مسلمان تھے، اور امت کے اجماعی عقائد ونظریات کو بلا کسی جدید تاویل وتحریک کے تسلیم کرتے تھے، اور ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے لکھتے تھے۔ دوسرا ۱۸۹۹ کے بعد کا ہے، جس میں انہوں نے تدریجی طور پر کچھ دعوے شروع کئے، مجدد ہوئے، مہدی ہوئے، مسیح موعود بنے، عقیدۂ ختم نبوت کے ہوتے ہوئے مسیح موعود بننا مشکل تھا، تو ختم نبوت کے معنی میں تحریف شروع کی، نبوت کی خودساختہ چند قسمیں تشریعی، غیر تشریعی، ظلی، بروزی، لغوی ومجازی کر کے ختم نبوت کے یقینی عموم واطلاق کو مشکوک کرنا چاہا۔

تیسرا دور بیسویں صدی کے شروع کا تھا؛ جس میں تاویل وتحریف سے بے نیاز ہوکر کھلے طور پر ہر قسم کی نبوت کے سلسلہ کو بلا تفریق تشریعی وغیر تشریعی کے جاری کیا، اور خود کو صاحب شریعت نبی بتلایا، چنانچہ تتمۂ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۶۵، ۶۷، ۶۸، ۱۵۰، ۱۴۸، ۱۰۲، ۱۰۷، اور براہین پنجم/۱۱۰، براھین احمدیہ ۴۹۸، دافع البلاء ۱۰، ۱۱ انجام آتھم ۶۲ میں صاف اور واضح طور پر اپنے کو تشریعی نبی وصاحب وحی وکتاب قرار دیا، بلکہ اپنے کو تمام انبیاء کرام بلکہ سید المرسلین خاتم الاولین والآخرین جناب نبی اکرم ﷺ سے بھی افضل قرار دیا، تحفۂ گوہرویہ ۴۰ پر آپ ﷺ کے معجزات کی تعداد صرف تین ہزار اور براھین احمدیہ حصۂ پنجم ۵۶ پر اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ بتلاتا ہے: کہتا ہے حضور ﷺ کیلئے چاند گرہن ہوا، میرے لئے تو چاند اور سورج دونوں کو گرہن ہوا۔

''اعجاز احمدی'' ۷۱ اور ''نزول المسیح'' ۹۹ پر لکھتا ہے،

آنچہ دادہ است ہر نبی را جام	-	داد آں جام را مرا بہ تمام

اسکا ایک مرید لکھتا ہے

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں، اور آگے سے ہے بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھے ہیں جسے اکمل، غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

یہ ہے آپ کے مرزا صاحب جو مالیخولیا اور ہسٹریہ کے مریض ہوتے ہوئے تمام انبیاء کرام بلکہ خاتم النبیین جناب رسول رحمت ﷺ سے بھی اپنے آپ کو افضل وتمام کہہ رہے ہیں۔

کہہ رہے ہیں جنون میں کیا کیا کچھ	-	کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ھارون: قادیانی لوگ اس سلسلہ میں کچھ احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ کے بعد نبوت کے جاری ہونے کا اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے: **لو کان النبی بعدی لکان عمر بن الخطاب (ترمذی)**

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے، دوسری روایت ابن ماجہ کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ **لو عاش ابراهیم لکان صدیقا نبیا** کہ اگر حضرت ابراہیمؓ (آپ ﷺ کے صاحبزادے) زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے۔ اور استدلال یہ ہے کہ ان احادیث میں آپ ﷺ کے بعد نبوت کا جاری رہنا فرض کر کے کلام کیا گیا ہے، اور جو چیز فرض کی جاتی ہے، وہ ممکن ہوتی ہے، لہذا آپ ﷺ کے بعد نبوت کا امکان ثابت ہوا، محال تو نہیں ہے۔

منھاج : بھائی! ان کا استدلال حدیث شریف کے لفظ **لو کان** پر ہے، تو آپ کو معلوم ہے کہ حروف شرط میں سے ''لَو'' کا استعمال اول شرط کے ممتنع ہونے کی وجہ سے ثانی (جزاء) کے امتناع پر دلالت کرنے کیلئے آتا ہے، جیسے کہ **لو کان فیهما آلهة الا الله لفسدتا** میں معبود کے متعدد ہونے کے ممتنع ہونے کی وجہ سے فساد کی بھی نفی کی گئی ہے، اور قرآن کریم میں اگر چہ لَوْ کا مدخول ممکن و ممتنع دونوں آیا ہے، ممکن کی مثال: **ولو امن اهل الکتاب لکان خیرا لهم** اور لَو کا مدخول امر ممتنع ہونے کی مثال: **لو اراد الله ان یتخذ ولدا لاصطفی مما یخلق مایشاء** لیکن صرف نبوت کا امکان ذہنی اور فرضی ہوگا، امکان واقعی اور حقیقی نہیں ہوگا، جسکو دلائل شرعیہ وخارجیہ سے سمجھا جائے گا، اور اس سلسلہ میں ختم نبوت پر قرآن کریم کی سو سے زائد آیات اور دو سو سے زیادہ احادیث نبویہ اور امت کے ۱۴۰۰ سالہ اجماع نے مسئلہ کو خوب واضح کر دیا ہے اور **لو عاش ابراهیم لکان صدیقا نبیا** والی روایت ابن ماجہ میں ہے لیکن اسکی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہے، امام نسائیؒ نے انکو متروک الحدیث اور امام احمد و امام شعبہ نے منکر الحدیث کہا ہے، البتہ بخاری شریف کتاب الادب میں امام بخاریؒ نے بحوالۂ عبداللہ بن ابی اوفیؓ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ سے حضرت ابراہیمؓ کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ انکا انتقال بچپن میں ہوگیا

تھا،صحابی نے آگے فرمایا: **ولو قضٰی ان یکون بعد محمد ﷺ نبیّ لعاش ابنه ولکن لانبی بعد ہ** یہ روایت بخاری وابن ماجہ میں ہے،لیکن صحابی کا قول ہے،وہ اپنا خیال بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری رکھنا مقدر ہوتا تو حضرت ابراہیمؓ زندہ رہتے ،لیکن چونکہ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے،اسلئے انکو زندگی نہیں بخشی گئی ، ملاعلی القاری اسکو موضوعات میں قول صحابی کے طور پر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ کلام فرض وقوع اور تعلیق المحال بالمحال کے طور پر ہے۔

ھارون : آپ ختم نبوت پر اجماع امت نقل کرتے ہیں ،حالانکہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی ،علامہ عبدالوہاب شعرانی ،شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ،شاہ عبدالقادر جیلانی ،مجدد الف ثانی وغیرہ محققین علماء وصوفیائے اہل کشف نے اپنی اپنی کتابوں میں نبوت کا امکان اوراسکی تشریعی وغیر تشریعی تقسیم کی ہے ،پھر اجماع امت کا دعوٰی کہاں سے صحیح ہوا؟ مرزا صاحب نے اگراس طرح کی تقسیم کی ہے تو ان پر ہی کیوں آپ لوگوں کو ناراضگی اور غصہ ہے؟

منھاج : آپ نے جن محققین علماء وصوفیاء کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے،انکی کتابوں میں دوقسم کی عبارتیں ہیں ایک تو آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اورآپ کے بعد کسی نبی کا نہ ہونا، یہ سب باتیں ان کی کتابوں میں صراحةً ،دلائل قاطعہ ویقینہ سے لکھی ہوئی ہے،فتوحات مکیہ، فصوص الحکم ، الیواقیت والجواہر اور مکتوبات مجدد الف ثانی کے سینکڑوں صفحات ختم نبوت کے دلائل سے بھرے پڑے ہیں، بلکہ نبوت کے دعوٰی کرنے والے کے متعلق تو شیخ اکبر اور علامہ شعرانی نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

البتہ ان صوفیائے کرام کی عبارتوں میں تشریعی وغیر تشریعی کے الفاظ ضرور نظر آتے ہیں، لیکن ان کی تشریحات کو ان کی دوسری کتابوں کے ساتھ ملا کر سمجھنا ہوگا ،جن میں انہوں نے صاف طور پر آپ ﷺ کی نبوت کو دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بعض اہل

کشف نے نبوت کی لغوی تقسیم کی ہے، نہ کہ نبوت اصطلاحیہ کی جو صرف آپ ﷺ کے لئے مختص ہے، اسلئے شیخ اکبر فتوحات میں صراحۃً فرماتے ہیں کہ **اسم النبی زال بعد رسول اللہ** ﷺ آپ ﷺ کے بعد نبی کا اسم زائل ہوگیا، کیونکہ حقیقۃً حضور ﷺ کے بعد نبی تو اس شخص کو کہہ سکتے ہیں، جو آپ ﷺ کے بعد منصب نبوت کی ڈیوٹی پر فائز ہو، ہاں حضرت عیسیٰؑ و ادریسؑ والیاسؑ جو حضور ﷺ سے پہلے اپنے زمانے میں منصب نبوت کی ڈیوٹی پر فائز تھے، اب وہ حضور ﷺ کے بعد شیخ اکبر کے نزدیک زندہ موجود ہیں، انکی ڈیوٹی ختم ہوگئی، لہذا ان کو غیر تشریعی نبی بھی کہہ سکتے ہیں، حاصل مطلب یہ کہ صوفیائے کرام نبوت لغویہ کی تقسیم کرتے ہیں، نبوت عامہ غیر تشریعی جو علی قدر المراتب تمام مخلوقات کو حاصل ہے، جس میں کشف، الہام، القائے ربانی، القائے ملکوتی وغیرہ کو شامل کرتے ہیں، اسی لئے شیخ اکبر **واوحی ربک الی النحل** (یعنی شہد کی مکھی کو آپ کے رب نے وحی کی) وغیرہ آیات سے غیر تشریعی کا استدلال کرتے ہیں۔

دوسری نبوت تشریعی ہے، جو صرف انبیاء کرام کیلئے خاص ہے۔ ایک اہم بات جاننا ضروری ہے کہ شیخ اکبر کی فتوحات وغیرہ دیگر کتابوں میں بعض یہود نے افتراء اور جھوٹ شامل کردیا ہے، اس وجہ سے محققین علماء نے شیخ کی کتابوں کی اس قسم کی باتوں کے مطالعہ سے امت کو منع فرمایا ہے، درمختار کتاب المرتد میں اور علامہ شعرانی نے بھی الیواقیت کے دیباچہ میں شیخ کی کتابوں کو مدسوس کہا ہے، جمال الدین نامی ایک شخص نے اس میں تحریف کردی ہے۔

صوفیائے کرام کے احوال اور ان کی تعبیرات مختلف ہوتی ہیں، جن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے، اسی لئے محققین فقہائے کرام نے ان کے کلام کی تاویل کی ہے، یا جمہور کے خلاف ہونے کی بنیاد پر رد کیا ہے۔

ھارون : علماء دیوبند کے سرخیل اور دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولینا قاسم نانوتویؒ

جیسے محقق ومدقق عالم نے بھی تو آپ ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کیا ہے، جسکو قادیانی لوگ ان کی کتاب تحذیر الناس کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

منہاج : ارے بھائی یہ تو مولینا احمد رضا خان فاضل بریلوی صاحب کی کرم فرمائی ہے کہ انہوں نے مولینا نانوتویؒ کی عبارتوں میں کتر بیونٹ کر کے کچھ کا کچھ مطلب نکالا ہے، حالانکہ حضرت نے کسی بھی جگہ آپ ﷺ کی ختم نبوت کا انکار نہیں کیا ہے، رہا ان کی کتاب تحذیر الناس کا مسئلہ؛ تو آپ کو اس کا پس منظر معلوم ہونا چاہئے کہ مولینا کی یہ کتاب ایک استفتاء کے جواب میں فتوی کی شکل میں ہے، بلکہ آپ کی پوری کتاب کا نام **فتوی تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس** ؓ ہے، اسکی وضاحت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت **الله الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن** یعنی اللہ تعالی نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی، اور ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبی کی طرح، **فی کلٍ نبیٌّ کنبیکم**، آدمؑ ہے تمہارے آدمؑ کی طرح اور عیسیٰؑ ہے تمہارے عیسیٰ کی طرح، یہ روایت بیہقی اور درمنثور میں ہے، **اسناده صحیح ولکنه شاذ**، اس روایت پر حضرت نانوتویؒ کے زمانہ میں بحث چلی، اور لوگوں نے اس روایت کا انکار کر دیا کہ اسکو صحیح مانتے ہوئے آپ ﷺ کی ختم نبوت پر اعتراض لازم آتا ہے، یہ سوال حضرت نانوتویؒ کے پاس بھی آیا تو آپؒ نے **فتوی تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس** کے عنوان سے اسکا جواب دیا، آپ نے یہ فرمایا کہ اثر ابن عباسؓ کی وجہ سے اگر چہ زمینوں میں چھ (٦) محمد ﷺ ہوں، تو بھی وہ سب وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالوصف ہیں، اور آپ ﷺ وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہے، آپ کے الفاظ اس طرح ہے ''اسی طرح اگر فرض کیجئے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو، تو وہ بھی اس وصفِ نبوت میں آپ کا ہی محتاج ہوگا، اور اسکا سلسلۂ نبوت بہرطور آپ ﷺ پر مختتم

ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے، جب **علم ممکن للبشر** ہی ختم ہو گیا تو پھر سلسلۂ علم و عمل کیا چلے۔ غرض اختتام اگر بایں معنیٰ تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ ﷺ کا خاتم ہونا انبیاءِ گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ادھر تصریحات نبوی مثل **انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبی بعدی** جو بظاہر بطرز مذکور اس لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس باب میں کافی'' کیوں کہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہونچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا۔ یہ ہے حضرت نانوتویؒ کی عبارت جو انتہائی صاف اور واضح انداز میں ختم نبوت کی تشریح کر رہی ہے۔

ھارون : اگر آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہوا مانیں اور دوسرے نبی بھی مان لئے جائیں تو عقلا اسمیں کیا خرابی ہے؟ آخر نبوت تو رحمت ہے، اسکا ختم ہونا رحمت کا ختم ہونا ہے، اور آپ ﷺ تو رحمت للعالمین بن کر تشریف لائے ہیں، جسکا تقاضی یہ ہے کہ نبوت والا سلسلہ آپ کے بعد بھی جاری رہنا چاہئے۔

منھاج : یہ دین و عقیدہ کا مسئلہ ہے، عقلی مسئلہ نہیں ہے کہ عقلی گھوڑے دوڑائے جائیں، پھر بھی آپ اگر عقلا اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں تو یہ سمجھئے کہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والا قرآن کریم، احادیث نبویہ اور خود آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کا حیرت انگیز ریکارڈ یہ سب عقل، نقل اور استناد کے انتہائی سچے پیمانے پر تولے گئے ہیں، انسانی دنیا کو نبوت سے دو چیزیں بنیادی طور پر حاصل ہونا ضروری ہے۔

ایک علم کامل، دوسرا انتہائی اعلی اخلاقی معیار، یہ دونوں باتیں قرآن وحدیث اور آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ سے بہترین طریقہ پر حاصل ہو چکی ہیں۔ اب اس سے بڑھ کر کوئی علمی و عملی

زندگی کانمونہ آنہیں سکتا۔ **لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا الله الخ..** ۱۴۰۰سال میں دنیانے اس کا تجربہ کرلیا کہ قرآنی علوم اورآپ کی اخلاقی زندگی کے مقابلہ میں تمام علمی وعملی ،اخلاقی وسیاسی نظریات اورانسانی کیریکٹر پھیکے پڑ گئے ہیں،اس امت کوکسی بھی مسئلہ میں کبھی بھی کسی کے سامنے کاسۂ گدائی پھیلانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ،ہاں دوسرے اسکے خوشہ چین ضرور ہوئے ، اعلی درجہ کاعلم اوراعلی کردار والے نبی کو چھوڑ کرکم درجہ اورگھٹیا کیریکٹروالے کا انتظارکرنا گھڑی کی سوئی کو الٹی سمت پھیرنے کے برابر ہوگا،جسکوسائنس وترقیات کے دورکا کوئی بھی عقلمند آدمی پسند نہیں کرسکتا۔

اورنبوت کا رحمت ہونے کی بنیاد پراس رحمت کے باقی رہنے والی بات کا جواز ثابت کرنا،توسنئے کہ رحمت بھی اپنی تمام انواع واقسام ،حیثیات اورنوعیات کے ساتھ مکمل طور پر ظاہر ہوچکی ،آپ نے تمام کائنات کے حق میں جس رحمت عامہ وتامہ کاعلمی وعملی درس دیا، اب اس سے بہتر رحمت کا تصور دنیائے انسانیت نہیں کرسکتی ،لہذا آپ ﷺ تو رحمت کواس کے تمام لوازمات وتنوعات کے ساتھ مکمل کرنے والے ہوئے ،جس کی بنیاد پر آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرماکر رحمت تامہ کی مہر آپ کے نام ثبت کردی گئی،اوراسی کوآپ نے اپنے معجزانہ انداز میں یوں بیان فرمایا کہ میری اوردیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی مثال ایک محل جیسی ہے،جسے نہایت شاندارطریقہ سے تعمیر کیا گیا ہو،مگراسمیں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو،محل دیکھ کرلوگوں نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ محل مکمل ہوجاتا،آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ آخری اینٹ ہوں جس سے محل پایۂ تکمیل کوپہونچا،اسی طرح رسالت ونبوت کا سلسلہ اپنے تمام لوازمات مع شمول رحمت عامہ کے ختم ہوا، یہ مفہوم ہے آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین ہونے کا،جسکوقادیانی امت غلط انداز میں پیش کرتی ہیں۔

ھارون : مولینا، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے دل میں پیدا ہونیوالے شبہات کا تشفی بخش جواب دے کر مجھے رحمت للعالمین کی سچی غلامی میں باقی رکھا، میں آپ کے ہاتھوں خاتم النبیین کے سچے امتی ہونے پر بیعت ہوتا ہوں ،اور دوران گفتگو جناب رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں ہونے والی گستاخی اور جسارت بیجا پر ندامت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں معافی کا خواست گار ہوں۔

منھاج : بھائی! مجھے افسوس ہے کہ وقت کی قلت کی بناء پر میں ان مسائل کو تفصیلی طور پر دلائل و براہین کے ساتھ بیان نہ کرسکا۔

ھارون : جزاک اللہ تعالی کہ آپ نے میرے تمام سوالات کا تشفی بخش جواب دیا، کیا اس سلسلے کی مزید معلومات حاصل ہوسکتی ہے؟

منھاج : بھائی ہماری انجمن کا آج کا اجلاس اسی عنوان پر ہے، اور میں وہیں جارہاہوں۔

ھارون : چلوتو پھر اس بابرکت جلسہ میں شرکت کی تیاری کریں۔

منھاج : السلام علیکم۔۔۔۔

لڑکے لڑکیوں کے آزادانہ مخلوط تعلیم کے نقصانات

شعیب : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ھارون : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بھائی صاحب کیا بات ہے بہت دنوں سے نظر نہیں آتے؟ کسی سفر میں گئے تھے یا کسی اچھے جوب میں لگ گئے ہو، اور یہ کاغذات اور فائلیں لیکر کہاں جارہے ہو؟

شعیب : بھائی صاحب! میں کہیں نہیں گیا تھا نہ کسی جوب میں لگا ہوا ہوں، بلکہ اس وقت یہ ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے اہم مسئلہ مسلم گرلز اسکول (MUSLIM GIRL'S SCHOOL) کے چکّر اور دوڑ دھام میں پڑا ہوا ہوں۔

ھارون : بھائی صاحب آخر مسلم اسکول کی کیا ضرورت ہے؟ سرکار ہمارے تمام مسائل روزی، روٹی، نوکری وغیرہ کو حل کرتی ہے، اور تمام سہولتیں ہم کو مہیا کرتی ہے، پھر ہم کو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیٰحدہ اسکولیں کھولکر اپنے کو ہندوستانی کلچر اور تہذیب سے الگ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز مسلم سماج کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ قوم کی گاڑھی محنت سے کمائی ہوئی کتنی بڑی رقومات عمارتوں کی تعمیر اور اسکے اسٹاف کی تنخواہوں میں صرف ہونگیں، اور پھر بھی ہمارا تعلیمی معیار سرکاری اسکولوں کے برابر نہیں ہوگا۔

شعیب :

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن	-	کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

بھائی! ہم اس ملک میں ایک جانور کی طرح صرف چرنے کے لئے نہیں آئے ہیں، ہم

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک انقلابی اور دعوتی پیغام لیکراس ملک میں آئے ہیں، کھانے کمانے اور جسمانی راحت کے سارے نقشوں کے ساتھ روحانی وقلبی غذا یعنی اسلامی احکامات واخلاقیات کا ایک بہت بڑا خزانہ ہمارے پاس ہے، جو ہر زمانہ میں ڈوبتی ہوئی انسانیت کو کنارے پہونچانے اور کسی جاں بلب سوسائٹی کو بچانے کی عملی صلاحیت رکھتا ہے۔ ماضی میں ہماری شاندار مسلم سوسائٹی نے دنیا کو بڑے بڑے فتنوں اور مصیبتوں سے نجات دلائی ہے۔ اور آج بھی قرآن کریم، سیرت نبوی ﷺ، فقہ وقانون اور اخلاقیات کا بیش بہا مستند ریکارڈ موجود ہے، لہذا اس ذہنی وقلبی سکون والی تعلیم ہماری نئی نسل خاص کر کے ہماری لڑکیوں (Girls) کو جو مستقبل کے سماج کی ماں کی حیثیت سے تربیت کی اہم ذمہ داری سنبھالنے والی ہیں۔ ان کے لئے نہایت ہی ضروری ہے اسکے لئے گاڑھے پیسے کی کمائی تو کیا؟ بلکہ قرض لیکر بھی انکی اصلاح اور اسلامی کلچر پر انکو باقی رکھا گیا، تو بھی ہمارا بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ اور اس ملک کو اسپین بنانے والوں کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

بہت افسوس ہے کہ آپکو یورپی تہذیب، ان کے سماج کی پریشانیوں اور مسائل کا علم نہیں، انکے مسائل اس قدر پریشان کن ہیں کہ بظاہر اسکا کوئی علاج خود یورپین عقلمندوں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اور ہزاروں نت نئے مسائل نے انکی سوسائٹی کے نظام کو مکمل طور پر بے کار کر دیا ہے۔

ھارون : آپ بہت بڑا الزام یورپی سوسائٹی (Western Culture) پر لگا رہے ہو، اگر آپ کا دعوی سچا ہے تو ذرا تفصیل سے صحیح حوالوں اور ٹھوس ثبوت کے ساتھ اپنے دلائل پیش کریں۔

شعیب : ماشاءاللہ آپ نے تو میرے دل کی پکار سن لی، تو اب ذرا یورپی تہذیب کے اتار چڑھاؤ سننے کے لئے کان کے پردے کھول دیجئے، یورپ میں مرد عورت کے ایک

دوسرے کے ساتھ اسکول کالج، کلَبَ اور پارٹیوں میں آزادانہ اختلاط اور ننگے پن نے شہواتی جذبات کو اس طرح ابھارا کہ نکاح کا طریقہ ناکافی ثابت ہوا، چنانچہ آہستہ آہستہ آزاد جنسی تعلقات والا ذہن پیدا ہوا، نیا لٹریچر بڑے پیمانے پر شائع ہونے لگا، جس میں مرد عورت کے درمیان آزاد جنسی تعلقات کو فطری (Natural) اور بے ضرر قرار دیا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ نکاح کو بوجھ سمجھ کر اس سے دور بھاگنے لگے، نوجوان لڑکے لڑکیوں نے نکاح کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر کے رہنا شروع کر دیا، نکاح کا بندھن ٹوٹ گیا، تو محبت والا تعلق نہیں رہا، بلکہ ہر ایک نے دوسرے سے اپنے فائدہ کی چیز تلاش کرنی شروع کی، جسکے نتیجہ میں کڑواہٹ پیدا ہو کر ایک دوسرے سے علیٰحدگی پیدا ہوئی۔ عورت کے معاشی استقلال نے طلاق کی کثرت میں اور زیادہ اضافہ کیا، انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا ۱۹۸۴ء نے بتایا کہ دنیا کے صنعتی ملکوں میں طلاق کی شرح میں اضافہ کی وجہ عورتوں کا کمانے میں مردوں کا محتاج نہ ہونا ہے، ایک امریکی اخبار The Plain Truth (1987) کے مطابق فرانس میں ۵۰ فیصد شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں، کناڈا میں ۴۰ فیصد اور امریکہ میں ۵۰ فیصد شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں، امریکہ کی دس عورتوں میں سے چھ وہ ہیں جو طلاق کا تجربہ کر چکی ہیں۔

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر	-	یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور

اور مزید سنئے: برطانیہ میں جو بچے پیدا ہو رہے ہیں، ان میں ہر پانچ میں ایک بچہ وہ ہوتا ہے، جو ناجائز جنسی تعلق کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ہر تین حمل میں سے ایک حمل غیر شادی شدہ جوڑوں کے ذریعہ قرار پا رہا ہے۔

یہ ناجائز بچے اس حال میں دنیا میں آتے ہیں کہ انہیں نہ اپنے باپ کا علم ہوتا ہے، اور نہ اپنی ماں کا۔ وہ سرکاری اداروں میں پلتے ہیں۔ اور پھر جانور کی طرح سماج میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مغربی ملکوں میں طلاق کی کثرت نے بھی یہی صورت حال پیدا کی ہے، مغربی ملکوں میں

نکاح کا رشتہ بے حد کمزور ہو گیا ہے، معمولی معمولی باتوں میں عورت اور مرد کے درمیان طلاق ہو جاتی ہے، ان طلاقوں نے بہت بڑے پیمانہ پر وہ مسئلہ پیدا کیا ہے جس کو اجڑے ہوئے گھر (Broken homes) کا مسئلہ کہا جاتا ہے، عورت اور مرد جب طلاق لے کر جدا ہوتے ہیں تو عین اسی وقت وہ اپنے بچوں کو بھی ماں اور باپ کے سایہ سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ تمام بچے معاشرہ میں جانوروں کی طرح پلتے ہیں۔ اور پھر انہیں کے اندر سے مجرمانہ کردار ابھرتے ہیں۔

انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا (۱۹۸۴) نے کم سن مجرمین کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے بوکھلا دینے والے سماجی روگوں میں سے ایک روگ وہ ہے جس کو کم سنی کا جرم کہا جاتا ہے، یہ ایک عالمی روگ ہے اگرچہ کیفیت اور رفتار کے اعتبار سے ایک ملک اور دوسرے ملک میں فرق پایا جاتا ہے۔ انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا ۱۹۸۴ میں لکھا ہوا ہے کہ اس قسم کے بچے اکثر نفسیاتی بے اعتدالی (Psychophysical) میں مبتلاء ہوتے ہیں، امریکہ میں ہر سال تقریباً ۳۰۰ بچے اپنے ماں باپ کو قتل کرتے ہیں۔

آسٹریلیا کی مشہور آزادی پسند خاتون محترمہ جرمین گریئر (Ms Germaine Greer) نے بڑی عمر کو پہونچ کر یہ اعتراف کیا ہے کہ نوجوانی کی عمر میں آزادئ نسواں کے لئے ان کا جوش وخروش حقیقت پسندانہ نہ تھا، انہوں نے ایک انٹرویو (انڈین اکسپریس ۱۴/ جنوری ۱۹۸۷) میں کہا:

آج جو چیز پریشان کن ہے وہ آزاد صنفی تحریک کے نتائج ہیں، کم عمر لڑکیاں جو ۱۲، اور ۱۳ سال کی عمر میں مانع حمل گولیوں پر رہنے لگتی ہیں، اور وہ لڑکیاں جو ۱۵، اور ۱۶ سال کی عمر میں حاملہ ہو جاتی ہیں، مرد عورت کے ایک دوسرے کے ساتھ غلط تعلقات نے ایڈز جیسی مہلک بیماری کو جنم دیا ہے۔

ایڈز کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک متعدی مرض ہے، چنانچہ یہ مرض اب نئے قسم

کے اچھوت پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے، جو مرد یا عورت ایک بار ایڈز میں مبتلا ہو جائے، لوگ ان سے دور بھاگنے لگتے ہیں، کیوں کہ انھیں اندیشہ ہوتا ہے کہ انہیں بھی یہ مرض لگ جائے گا، بعض مغربی ملکوں میں باربرشاپ پر اس قسم کے نشانات نظر آنے لگے ہیں جن کے اوپر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ شیو کے لئے یہاں نہ آئیں:.No shaves here؛ حکومتی ذمہ داروں نے اس کو ایڈز ہسٹریا کہا ہے، تاہم باربر حضرات کا کہنا ہے کہ مریض کے چہرے کا پسینہ یا شیو کرتے ہوئے معمولی سا خون نکل آنا بھی بیماری کے پھیلنے کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے احتیاطی طور پر ایسے مریضوں سے بچنا ضروری ہے۔

ٹائمس کے محققین کی جماعت نے تفصیلات پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اس مہلک مرض کا سب سے بڑا سبب آزادانہ جنسی تعلق ہے، اسی بنا پر اس مرض کو رنڈی کا مرض کہا جاتا ہے، یہ مرض بہت تیزی سے پھیلتا ہے، ایڈز کی ہلاکت خیزی کو دیکھ کر ایک مبتلائے مرض نے کہا: آہ! اس دنیا کا کیا ہوگا؛ اگر ہمارا حال یہ ہو جائے کہ ہم کو محبت کرنے کے لیے مرجانا پڑے، ایڈز اس صدی کی آفت ہے۔

تنگ آجائے گی خود اپنے چلنے سے دنیا	تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

آزادانہ جنسی تعلق، جس کو مغرب میں خوبصورت طور پر آزادانہ محبت کہا جاتا ہے، وہ اب لوگوں کے لیے عذاب بنتا جا رہا ہے، ۱۹۹۱ تک امریکہ میں ۱۲,۷۰,۰۰۰ افراد اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں، جن کا علاج کرنا امریکی ڈاکٹروں کے قابو سے باہر ہے۔

قرآن مجید میں ہدایت کی گئی تھی کہ عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق قید نکاح میں لا کر کرو، نہ کہ بدکاری کے طور پر کرنے لگو (محصنین غیر مسافحین، مائدہ:۵) مفسرین نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے کہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے ذریعہ تعلق قائم کرو، نہ کہ زانی بن کر (یعنی متزوجین غیر زانین) تجربات نے بتایا کہ یہی طریقہ صحیح

فطری طریقہ ہے، مناکحت اور مسافحت میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ ایک اگر زندگی ہے تو دوسرا موت ، ایک طریقہ انسانی سماج کے لیے رحمت ہے، تو دوسرا طریقہ انسانی سماج کے لیے عذاب۔

ھارون : آج کی موڈرن دنیا میں عورت کا گھر سے باہر نکلنا اور مردوں کے ساتھ ملکر کام کرنا ضروری ہے۔آج مسلمانوں کے علاوہ تمام قوموں کی عورتیں حکومت اور پارلیمنٹ کے ایوان میں ،آفسوں اور فیکٹریوں میں مردوں کے شانہ بہ شانہ ملازمت کی وجہ سے ترقی پر گامزن ہے، جب تک مسلمان عورتیں آگے نہیں آئے گی وہاں تک مسلم قوم ترقی نہیں کرسکتی ہے۔

شعیب:

اغیار کے افکار و تخیّل کی گدائی	-	کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی

بھائی! آزادیٔ نسواں کے دلفریب نعروں نے ہی یورپ کی عورتوں کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لا کھڑا کیا، اسے دفتروں میں کلرک اور اجنبی مردوں کی پرائیویٹ سیکریٹری کا اعزاز بخشا گیا، تجارت چمکانے کے لئے سیلز گرلز اور ماڈل گرلز کا شرف بخشا گیا، اسکے ایک ایک عضو کو برسرِ بازار رسوا کرکے گاہکوں کو مال خریدنے کی دعوت دی گئی ،تجارتی اداروں کے لئے ایک شوپیس(Show Piece) اور مرد کی تھکن دور کرنے کا تفریحی کھلونا بنایا گیا، دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد کئے گئے، پروپیگنڈے کی قوتوں سے یورپی تہذیب نے یہ عجیب وغریب فلسفہ لوگوں کے ذہنوں پر مسلط کردیا کہ عورت اگر گھر میں اپنے شوہر، ماں باپ، بھائی اور اولاد کے لئے گھر کے کام کاج کرے تو یہ قید اور ذلت ہے، لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے ،انکے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ائیرہوسٹس بنکر سینکڑوں انسانوں کی ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بنے ، دکانوں پر اپنی

مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے ،دفتر میں افسروں کی ناز برداری کرے ، تو اسکا نام آزادی اوراعزاز ہے ،اسکے بعد بھی عورت تو مردوں کے ظلم کا بدستور شکار رہی ، آفس اور گھر کے دوسرے بوجھ تلے دبنے کے بعد بھی مرد انکی پٹائی کرر ہے ہیں ،زنا بالجبر انکے ساتھ ہورہا ہے۔

آزادی نسواں کے بعض عَلَم برداروں کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ایک بدکاری کلچر پیدا ہو چکا ہے، جس میں مردوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ جارحانہ برتاؤ کریں۔

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب	-	کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

ایک جائزہ کے مطابق امریکہ میں ہر ۱۸ سیکنڈ میں ایک عورت ماری جاتی ہے، کبھی اپنے شوہر کے ہاتھوں اور کبھی اپنے دوست لڑکے کے ہاتھوں۔

ٹائم میگزین امریکہ کی 1972 کی رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ سائنس کے تمام متعلقہ شعبوں کی تحقیق کے مطابق مرد ہی جنس غالب (Dominant Sex) ہے، مرد عورت کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے وہ محض جنسی اعضاء کی خاص شکل ،رحم کی موجودگی، حمل یا طریقۂ تعلّم کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ نسیجوں کی بناوٹ سے پیدا ہوتے ہیں جو پورے نظام جسمانی میں خصوصی کیمیائی مادّے کے سرایت کرنے سے ہوتے ہیں، جو کہ خصیّت الرحم سے نکلتے ہیں،عورت کے جسم کے ہر خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے۔

امریکی سرجن Edgar Berman کا فیصلہ ہے کہ عورتیں اپنی ہارمون کیمسٹری کی وجہ سے اقتدار کے عہدے کے لئے جزباتی ثابت ہوسکتی ہیں میل ہارمون اور فیمل ہارمون کا فرق دونوں میں پیدائشی ہے۔

موجودہ زمانہ میں خالص علمی طور پر یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ مرد اورعورت کے

درمیان بنیادی پیدائشی فرق پائے جاتے ہیں،انسائکلو پیڈیا آف برٹانیکا 1984 میں خواتین کی حالت پر ایک مفصل مقالہ ہے اس مقالہ کا ایک ذیلی عنوان یہ ہے: Scientific studies of male-female defferences (مرداورعورت کے فرق کا علمی مطالعہ) مقالہ کے اس حصہ میں مقالہ نگار نے دکھایا ہے کہ جدید تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ عورت اور مرد کے درمیان عین پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔

مرحوم علامہ اقبال نے اس حقیقت کو اس طرح کھولا ہے:

ہزار بار حکیموں نے اسکو سلجھایا	–	مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہاں کا وہیں
قصورزن کا نہیں اس خرابی میں	–	گواہ اسکی شرافت پہ ہیں مہ و پروین
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور	–	کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ھارون : ماشاءاللہ، آپ نے تو یورپی تہذیب وکلچر کے بارے میں ایسی باتیں بتائیں جس سے میں اتنا واقف نہیں تھا، لیکن میرا آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا اہل یورپ کو ان باتوں کا شدید احساس ہے؟ کیا انکا سنجیدہ طبقہ اپنے سماجی بگاڑ کا سبب مرد عورت کے مخلوط نظام تعلیم کو مانتا ہے؟

شعیب: جی ہاں، اب یورپ اور امریکہ کو معلوم ہو چکا ہے کہ فطرت اور نیچر کی خلاف ورزی نے ایسے ایسے مسائل پیدا کئے ہیں جنکا حل موجودہ یورپی تہذیب وحکومتوں کے پاس نہیں ہے، اب خود وہی لوگ اس طریقہ کے مخالف ہیں، جو پہلے عورتوں کی آزادی کے حامی تھے۔

یہی بات انگلینڈ کی ایک ماہر نفسیات Psychologist اولیورجمیز oliver James نے مس ڈیانا کی موت کے پس منظر میں تفصیل سے لکھتے ہوئے کہا ہیکہ انگلینڈ اور ویلز کے پولیس ریکارڈ کے مطابق 1950 میں تشدد آمیز جرائم کی تعداد 6000 تھی، جبکہ 1996

میں یہ تعداد دولاکھ انتالیس ہزار 2,39,000 ریکارڈ ہوئی ہے، آج کا نوجوان افسردگی (Depression) کا شکار ہے، ماں باپ میں فاصلے بڑھ گئے، والدین اور بچوں کے تعلقات میں فرق ہوگیا ہے، بوڑھے ماں باپ اور اولاد کے بندھن ٹوٹ گئے ،مس اولیور (oliver) آگے لکھتی ہیں کہ مس ڈیانا بھی بدمزہ شادی اور پھر طلاق کے قصوں کے علاوہ ہماری سوسائٹی کی عورتوں والے انہیں مسائل کا شکار تھی ،اور اسکے لئے یادگاری رجسٹروں میں دستخط کرنے والی بھی ۸۰ فی صد عورتیں ہی تھی۔

یورپی آقاؤں کی داستان غم اور سنئے ،ترقی کے بجائے تنزل:

امریکی میگزین ٹائم ۲۹ دسمبر ۱۹۸٦ کی ایک اسپیشل نمبر میں لکھا ہے کہ امریکی عورت نے ماں کی ذمہ داری اور گھر کی ذمہ داری کو پندرہ سال پہلے چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ روزگار کے بازار میں اپنی جگہ بنا سکے، اب وہ ان تینوں ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے نازک کام کی کوشش کررہی ہے،امریکی مرد اپنے آپ کو ایک نئی سخت دنیا میں پا رہا ہے اور بمشکل ہم آہنگی کی کوشش کررہا ہے، جب امریکی مرد اور عورت ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں، جیسا کہ شادی شدہ جوڑوں کی نصف تعداد آج کل کرتی ہے ،تو امریکی بچہ اپنے سرپرستوں سے محروم ہوکر ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر پروان چڑھ رہا ہے۔

بیسویں صدی کے آخر میں پہونچ کر امریکہ کا دانشور طبقہ اس بات کا اعتراف کررہا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں امریکہ نے جس چیز کو ترقی کا زینہ سمجھ کر اختیار کیا تھا، وہ اس کے لیے صرف بربادی کا زینہ ثابت ہوا ہے،عورت کو گھر سے باہر نکالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ کا خاندانی نظام بالکل منتشر ہوکر رہ گیا،مزید یہ کہ عورت کو ''آزاد'' کرانے کا خوش نما منصوبہ عملا ازدواجی زندگی کو غیر مستحکم بنانے کا ذریعہ ثابت ہوا ، اوراس کے نتیجہ میں بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوگئی۔

اب امریکہ میں اس سابقہ فکر پر نظر ثانی کا ذہن پیدا ہو رہا ہے، مگر جدید عورت چونکہ دوبارہ گھریلو عورت بننے کے لیے تیار نہیں ہے، اس لیے جو عورت نئی زندگی اختیار کرتی ہے اس کے حصہ میں صرف یہ آ رہا ہے کہ وہ باہر کی ذمہ داریوں کے ساتھ گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے، کیسی عجیب ہے وہ ترقی جس کا نتیجہ بربادی کی صورت میں ظاہر ہو، کیسی عجیب ہے وہ آزادی جو عملاً غیر آزادی بن جائے۔

ھارون : اچھا تو اسلام نے عورتوں اور مردوں کے آپسی تعلقات کے سلسلہ میں کیا تعلیم دی ہے، اور عورتوں کے متعلق کیا احکام ہیں؟

شعیب : بھائی! قرآن اور حدیث میں نہایت تفصیل کے ساتھ عورت کے متعلق احکام ہیں، نیز عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کے بارہ میں واضح تعلیمات درج ہیں، میں ان میں سے کچھ آیتیں اور حدیثیں بیان کرتا ہوں۔

وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى ان تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا (النساء : ١٩)

اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزر کرو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اس میں تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔

ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة والله عزيز حكيم (البقرة : ٢٢٨)

اور عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر وہی ہے جو مردوں کے لیے ہے، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے، اور اللہ غالب ہے حکیم ہے۔

للرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او كثر نصيبا مفروضا (النساء : ٧)

مردوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ مقرر ہے۔

ومن اٰیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة (الروم: ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کی تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔

اور احادیث مبارکہ میں بھی اس سلسلے کی بہت سی ہدایات مذکور ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما اکرم النساء الا کریم وما اهانهن الا لئیم (حدیث)

عورتوں کی عزت وہی شخص کرے گا جو شریف ہو اور عورتوں کو وہی شخص بے عزت کریگا جو کمینہ ہو۔

خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی (حدیث)

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے اچھا ہوں۔

لا یفرک مؤمن مؤمنة ان کرِہ منها خُلقا رضی منها اٰخر .(مسلم)

کوئی مؤمن مرد کسی مؤمن عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کوئی خصلت اس کو ناپسند ہوگی تو کوئی دوسری خصلت اس کی پسند کے مطابق ہوگی۔

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا وخیارکم خیارکم لنساءکم (ترمذی)

مؤمنین میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے، اور تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے اچھا ہو۔

ایک حدیث میں اچھی عورت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے بہتر عورتیں کون ہیں؟ فرمایا: وہ عورت کہ مرد جب اسے دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے، اور مرد جب کسی کام کے لیے کہے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اپنے نفس اور اپنے مال میں وہ مرد کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرے۔

تمام آیات واحادیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں سے معاملہ کرتے ہوئے ہمیشہ یہ ذہن میں رکھو کہ عورتیں فطری طور پر نازک اور جذباتی ہوتی ہیں، اللہ نے مخصوص مصالح کے تحت انہیں بالارادہ ایسا ہی بنایا ہے، اس لیے تم ان کے ساتھ ہمیشہ نرم برتاؤ کرو۔ کوئی بات بتانا ہو تو نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بتاؤ اگر تم ان کے ساتھ سختی کروگے تو ان کی شخصیت اس کا تحمل نہ کرسکے گی، ان کا دل اسی طرح ٹوٹ جائے گا جس طرح پسلی سیدھا کرنے میں ٹوٹ جاتی ہے۔

یہ ہے عورت کے بارے میں اسلامی اخلاق و تعلیم، جو دنیا کے کسی بھی مذہب، سماج اور قانون میں اسکو آج تک میسر نہیں ہوسکے۔

ھارون : کیا اسلام کی یہ اعلی اور اخلاقی تعلیم یورپ کی عورتوں تک نہیں پہونچی ہے؟ جس سے وہ بھی فائدہ اٹھائیں اور یورپی سوسائٹی کے بگاڑ کو دور کرسکے، یا پھر انکو جان بوجھ کر اس سے دور رکھا جاتا ہے؟

شعیب : بھائی! صحیح بات یہ ہیکہ ان کو اسلام سے دور رکھا جارہا ہے، اور انکے سامنے یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ اسلام عورتوں کا دشمن ہے، انکی حق تلفی کررہا ہے، حالانکہ اسلام نے ۱۴۰۰ سال قبل سب سے پہلے عورت کو وراثت میں شریک کرکے مال و دولت کا اسکو حقدار بنایا، جبکہ یورپ نے پچھلے سو سال سے اسکو وراثت میں حصہ دار بنایا، حضرت ھاجرہؓ کے ایک

عمل کی یاد میں صفا مروہ کے چکّر لگا کر عورت کی قربانی کو قیامت تک باقی رکھا، یورپ کی عورتیں اب الحمدللہ اسلامی تعلیمات سے واقف ہوکر اسلام میں خوب کثرت سے داخل ہورہی ہیں، یہ دیکھئے لندن ٹائمز کے حوالے جس میں عورتیں اسلام لاکر بہت خوش ہیں۔

برطانیہ کی جن نومسلم خواتین سے ''لندن ٹائمز'' کے نمائندہ نے گفتگو کی اسکوان خواتین نے بتایا کہ ہمارے لئے اسلام میں کشش کا سبب یہ ہوا کہ اسلام مرداورعورت دونوں کے لئے الگ الگ دائرۂ کار تجویز کرتا ہے، جو دونوں کی جسمانی اورحیاتیاتی سانچوں کے عین مطابق ہے، ان کے نزدیک مغرب کی ''تحریک نسواں'' Feminism درحقیقت عورت کے ساتھ بغاوت تھی۔تحریک آزادئ نسواں پرتبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عورتیں مردوں کی نقالی کریں، یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدروقیمت باقی نہیں رہتی۔

لنڈن ٹائمز لکھتا ہے کہ بہت سی نومسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اورعظمت حاصل ہے جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں اوران کے نزدیک مغرب کی تحریک آزادی نسواں کا اس کے سوا نتیجہ نہیں ہوا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی ہے۔

ھارون : بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے عورتوں کے سلسلے میں اسلامی صحیح تعلیم اور یورپ کی طرف سے عورتوں کے ساتھ منافقانہ چالبازیوں کا پردہ فاش کرکے ''دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی'' الگ کردیا۔

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته ....

قومی فسادات کے اسباب
اور انکا صحیح حل

ھارون : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

طاھر : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بھائی سنایئے آجکل کیا چل رہا ہے، ملک کے حالات اور خاص کر کے ہمارے صوبہ گجرات کے حالات کس سمت کروٹ لیں گے؟

ھارون : بھائی! کیا خبر سناؤں، رات دن حالات ایسے عجیب وغریب اور بھیانک ہوتے جارہے ہیں کہ الامان والحفیظ، یہ سب پڑھکر اور سنکر زندگی تلخ معلوم ہوتی ہے، کسی کام میں جی نہیں لگتا ہے، ایک انجانا سا خوف اور بے چینی ہے، جو ہر وقت دل کو اچاٹ کئے ہوئے ہیں، ایسا ارادہ ہوتا ہے کہ انسانی دنیا چھوڑ کر جنگلی جانوروں میں چلے جائیں، وہاں کچھ بھی تو امن ملے گا، چین سے دن گزر جائیں گے، باقی اس انسانی دنیا سے تو توبہ توبہ پکارتا ہوں، اخلاق، تہذیب اور انسانیت نام کی کوئی چیز اب اس صوبہ بلکہ ملک میں نہیں رہی، آخر اس ملک کا مستقبل کیا ہوگا؟

کیا حکومت کا جاسوسی کا محکمہ اتنا کمزور ہوگیا ہے؟ اسکو اتنا معلوم نہیں کہ اصل مجرمین کون ہیں؟ اور جب اندرون ملک کے حالات پر انکا قابو نہیں چل سکتا تو ملکی سرحدوں کی دشمنوں سے وہ کیا حفاظت کرواسکیں گے، ملک میں ایک خونی ڈراما کھیلا جارہا ہے، حالات قابو میں ہے، اسکا بہانہ کر کے کرفیو نافذ کیا جاتا ہے، اسکے بعد مسلمانوں پر ظلم وجور کا جو بازار گرم کیا جاتا ہے، اسکو سنکر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مردوں پر بے تحاشا ظلم اور عورتوں کی

عزتیں لوٹی جاتی ہیں۔ انسان کو بلکہ معصوم بچوں کو زندہ جلانے کا منحوس عمل جاری ہو چکا ہے، عدالتی تحقیقات کا کمیشن بٹھایا جاتا ہے، لیکن آج تک نہ کسی کمیشن نے مجرمین کو پیش کیا، نہ انکو سزا ملی، آخران حالات میں اس ملک کا مستقبل آپ کو کیسا لگتا ہے؟

طاھر: بھائی! ظلم بہرحال ظلم ہے۔ جو بھی کرے برا ہے، یہ حالات ملک کے بڑے بھیانک انجام کا پتہ دے رہے ہیں، انکو یہ پتہ نہیں کہ جو گھر جلتا ہے وہ بھارت کی ملکیت ہوتا ہے، جو جان جاتی ہے وہ ایک بھارتی کی ہوتی ہے۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ظلم کے ساتھ کوئی بھی بڑی سے بڑی حکومت نہیں چل سکتی، اس دنیا میں وقت کے بڑے بڑے فرمارواں اور سلاطین فرعون، ہلاکو خان، چنگیز خان، حجاج اور ہٹلر کی شکل میں نمودار ہوکر زیر زمین دفن ہو گئے، اور آج دنیا میں انکا نام صرف ظلم وجور کی مثال دینے کیلئے باقی رہ گیا ہے، غیرت خداوندی اور سب کچھ برداشت کرلیتی ہے، لیکن ظلم وتشدد برداشت نہیں کرسکتی۔ تاریخ کا تجربہ ہے کہ مستقبل مظلوموں کا ہوتا ہے، میں آپ کے گھر یا دوکان کی کوئی چیز ادھر ادھر کردوں، توڑ پھوڑ کردوں تو کیا آپ کو غصہ نہیں آئے گا؟ تو پھر سوچئے یہ سارا جہاں اللہ تعالی کی ملکیت اور اسکا گھر ہے، اسکو کوئی ویران کرے، اسمیں کوئی فساد مچائے، عیال اللہ یعنی مخلوق خداوندی پر ظلم کرے تو کیا خداوند ذوالجلال والجبروت اسکو برداشت کرے گا؟ ہرگز نہیں! ایسے لوگوں کے بارے میں صاف ارشاد فرمایا: **ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون . انما یوخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار** ۔یعنی ظالم لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس سے آپ اللہ تعالی کو غافل مت سمجھئے، بلکہ وہ انکو قیامت کے دن تک ڈھیل دے رہا ہے، پھر انکو پتہ چلے گا۔ دوسری جگہ فرمایا: **اذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لایحب الفساد.** یعنی وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، اور کھیتی اور اولاد کو ہلاک کرتے ہیں، یادرکھئے

اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔نظام خداوندی میں یہ دخل اندازی وفساد انگیزی کو حق تعالی کبھی برداشت نہیں کرتے ہیں ،مظلومین کی آہ وبکا کے آسمان تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی:

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں	-	ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ھارون : میں نے اس سلسلہ میں اپنے ایک ہندودوست سے گفتگو کی، ملک کے سنگین حالات کی اسکو بھی فکر ہے،اسکا کہنا تھا کہ کچھ شر پسند اور فرقہ پرست لوگوں نے ہندوؤں میں یہ بات بڑی تدبیر اور سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت پھیلائی ہے کہ مسلمانوں نے تم کو ایک ہزار سال تک غلام بنائے رکھا ہے،اور تم پر بہت ظلم وتشدد کیا ہے،تمہارے مندروں کو توڑا، مذہبی شعائر کی توہین کی،اس طرح کی بہت سی باتیں وہ لوگ ہندو بھائیوں میں پھیلا کر ہندو مسلم تعلقات میں رخنہ اندازی پیدا کرتے ہیں،آخر یہ باتیں کہاں تک صحیح ہے؟

طاھر : بھائی! یہ انگریز کی سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ ’’لڑاؤ اور حکومت کرو‘‘، پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر ۱۹۱۸ء میں جبکہ ہندو مسلم ایکتا واتحاد کا عجیب ماحول بنا ہوا تھا،خلافت تحریک شباب پر تھی، ہندو مسلمان کندھے سے کندھا ملا کر انگریز کو اس ملک سے نکالنے پر تلے ہوئے تھے، انگریز نے دیکھا کہ اگر یہ اتحاد برقرار رہا،تو چند دنوں میں ہندوستان سے انکو بورئے بسترے لپیٹنے پڑیں گے،تو انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو پاش پاش کرنے اور دونوں قوموں میں عداوت ونفرت پیدا کرنے کی غرض سے مسلم بادشاہوں کے خلاف نامناسب اور خلاف انسانیت قصہ کہانیاں گھڑنا شروع کیں ،جو ہندو بھائیوں کے جذبات میں برانگیختگی پیدا کرے، چنانچہ یہ سب کچھ ہوا، دونوں قوموں کے درمیان ایسی عداوت ونفرت کا ماحول پیدا کیا گیا جسنے بالآخر ملک کو تقسیم کردیا، یہ خلیج بڑھتی ہی گئی اور آج یہ اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے۔ بابری مسجد کا قضیہ بھی اسی ’’ لڑاؤ اور حکومت کرو‘‘ پالسی کا ایک جزو ہے، جو اَوَدْھ (لکھنو) کے

نوابوں کو پریشان کرنے کیلئے اپنائی گئی تھی۔

ھارون : میں نے بھی تاریخ میں یہ پڑھا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندورعیت کو غلام کی طرح رکھا، انکے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی، ان پر ہر طرح کا ظلم روا رکھا گیا، انکے مندروں کو توڑا گیا وغیرہ بہت سی باتیں لکھی گئی ہیں، لہذا اب ہماری حکومت ہے اب ہم کو ہزار سالہ غلامی اور ذلت کا بدلہ لینا ہے اور ہمارے باپ داداؤں کی ارواح کو خوش کرنا ہے۔

طاھر: بھائی! انگریز نے ہم کو ہندو مسلم تاریخ پڑھائی ہے ہندوستانی تاریخ نہیں پڑھائی، یہ سراسر الزام ہے، ایک بہت بڑے ہندو پروفیسر ڈاکٹر اسوری پرساد لکھتے ہیں کہ مسلم بادشاہوں نے اپنی ہندورعیت کی راحت کا خیال رکھا، انکے مذہبی جذبات کا بھی خوب لحاظ رکھا گیا، مذہبی جشن وتہوار اور رسومات کی ادائیگی میں مکمل آزادی دی گئی، انکے پرسنل لا کے عملی نفاذ کیلئے عدالتوں میں پنڈتوں کا تقرر ہوا، جو ہندو قانون کے مطابق ان کے فیصلے کرتے تھے، ہندوؤں کو بڑے بڑے سرکاری عہدے دئے گئے، انکے مہنتوں اور مذہبی پیشوا خاص کر کے برہمنوں کا نہایت ہی احترام واکرام کیا گیا، شاہ علاء الدین خلجی، شاہ بلبن او رفیروز شاہ کے دربار میں ان کو بلایا جاتا اور احترام سے بٹھایا جاتا تھا، جناب کے۔ ایم۔ پائنیکر لکھتے ہیں کہ سلطان علاء الدین خلجی آچاریہ مہاسین کو کرناٹک سے اپنے دربار میں احترام واکرام کے ساتھ بلاتے تھے، جین مذہب کے پیشوا پورنا چندر اور رام چندر سوری کا علاؤالدین کے دربار میں بہت بڑا مقام تھا، سلطان غیاث الدین تغلق کے دو گورنر جین مذہب کے تھے، سلطان فیروز شاہ تغلق رتن سکھ شاعر کا بہت احترام کرتا تھا، علاء الدین نے اپنی حکومت کو بالکل غیر مذہبی سیکولر بنایا تھا، محمود غزنوی جیسے بدنام بادشاہ کے ڈھلوائے ہوئے سکوں پر سنسکرت کے الفاظ کندہ تھے، جنگ کے دوران متھورا کے مندروں کی خوبصورتی سے متأثر ہو کر اپنی آپ بیتی میں ان کی خوب تعریف کرتے ہیں۔

مسلمان اپنے ساتھ حکومت کے تمام شعبوں کو چلانے والے تجربہ کار آدمی لیکر نہیں آئے تھے، ملکی نظام چلانے کیلئے یہاں کے ہندوؤں کو ہی تمام شعبوں میں مناسب عہدے دئے گئے، ان سے تعمیرات کروائی، سکے ڈھلوائے، حسابات لکھوائے، فوجی افسر بھی بنائے گئے، انہیں سرکاری زبان سکھلائی، گورنر اور فوجی کمانڈر جیسے بڑے اہم اور قابل اعتماد عہدے دئے گئے، غرض ایک معزز اور باوقار شہری کے تمام حقوق انکو فراہم کئے گئے، اس کے ساتھ ساتھ انکی بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا اور مکان کی طرف زیادہ توجہ دی گئی، رعیت کو ہر طرح کی سہولیات فراہم کرنے کیلئے مسلم سلاطین نے خوب محنت کی، کھیتی اور تجارت کو خوب فروغ دیا، ضروریات زندگی بہت سستے دام میں بکتی تھی، ہر طرح ملک میں امن وچین تھا، سلطان بلبن کے زمانے کے ایک پنڈت یوگیشور کا لکھا ہوا ایک کتبہ دہلی کے لال قلعہ کے عجائب گاہ میں موجود ہے، اس میں لکھا ہے کہ بنگال کے گور شہر سے افغانستان کے غزنی تک اور دکن میں رامیشور تک ہر جگہ امن وسلامتی اور ملک اس طرح منور ہے، جس طرح موسم بہار میں زمین مزین ہوتی ہے، جب سے اس سلطان ذی شان نے دنیا کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا ہے، دنیا کو سہارا دینے والے شیش ناگ دھرتی کے بوجھ سے سبکدوش ہوگئے ہیں، اور وشنو بھگوان دنیا کی نگرانی کا خیال چھوڑ کر دودھ کے سمندر میں محو راحت ہے، پورا ملک سَورگ دھام کی طرح عیش ومسرت کا ٹھکانہ ہے، یہ ایک ہندو پنڈت کے لکھے ہوئے الفاظ ہیں اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس ملک کو کس طرح جنت نما بنایا تھا۔

ھارون : انکا یہ کہنا ہے کہ مسلمان بادشاہ ہندوستان کے راجاؤں سے مسلسل لڑ رہے تھے، اور ان کا مذہبی اور سیاسی استحصال کرتے ہوئے انکو ذہنی وجسمانی طور پر اذیت پہنچاتے رہے۔

طاھر : بھائی! اس زمانہ کی لڑائیاں مذہبی نہیں ہوتی تھی، بلکہ سیاسی اقتدار اور حکومت حاصل کرنے کیلئے ہوتی تھی، اسکی واضح دلیل یہ ہے کہ مسلم لشکر کے افسر ہندو اور ہندو لشکر کے

افسر مسلمان ہوتے تھے،محمود غزنوی جیسے بدنام بادشاہ کے فوجی کمانڈر کا نام تلک تھا۔اسکی فوج میں تو بہت سے ہندو فوجی تھے، جو محمود کے ساتھ ملک وسط ایشیا تک جنگ کرنے کے لئے گئے تھے۔

پُرتھوِی راج کی فوج میں افغان سپاہی اور محمد غوری کی فوج میں راجہ جمون کا لڑکا اپنے مذہب والوں کے خلاف لڑنے گیا تھا، عالمگیرؒ کے خلاف لڑنے والے سیواجی کے کمانڈر مسلمان تھے، اکبر کا سپہ سالار راجپوت اور رانہ پرتاپ کا سپہ سالار مسلمان تھا، اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی لڑائیاں فرقہ واریت کی نہیں ہوتی تھی، لہذا انکے سیاسی استحصال کا اور بلیک میلنگ کا سوال ہی نہیں تھا، بلکہ اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر ان پر اعتماد اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا مقصود ہوتی تھی ۔ اسی طرح مسلمان بادشاہوں کی ہندو رعیت اور ہندو راجاؤں کی مسلمان رعیت دونوں امن، چین اور سلامتی سے رہتی تھی۔کسی کو بھی اپنے حاکموں سے کوئی شکایت نہیں تھی، بلکہ دونوں قوموں کو ایک دوسری حکومت میں اعلی عہدوں پر رکھا گیا تھا، ہندو راجاؤں اور مسلمان تاجروں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہوگئے تھے، راجاؤں نے تجارت کا بازار گرم رکھنے اور ملک کی ترقی کے لئے مسلمان سوداگروں کی آمد و رفت اور بود و باش نیز دیانت داری و امانت کو دیکھ کر انکو اپنی خاص حفاظت اور سرپرستی میں لے لیا تھا۔

مالابار کے کولری راجاؤں کی حکومت میں مسلمان امیر البحر اور وزراء کے عہدوں پر براجمان تھے، کالی کٹ کا راجہ بڑا عادل اور خیر خواہ تھا، گجرات کے وَلبھی راجہ کی تمام مسلمان مؤرخین تعریف کرتے ہیں۔وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرتے تھے، کھنبھات کے ہندوؤں نے مسلمان تاجروں اور مسجد پر حملہ کیا تو راجہ سدھ راج جیسیہ نے نہروالہ سے کھنبھات جا کر خود واقعہ کی تحقیق کی۔اور حملہ آوروں کو سخت سزا دی۔اور مسجد کی تعمیر کے لئے

ایک لاکھ روپئے دئے، بعض ہندوراجاؤں کے یہاں مسلمان لشکری بلکہ افسر بھی تھے، مسلمان بادشاہوں کے انصاف سے ہندورعیت بھی بہت خوش تھی ، سلطان محمد تغلق نے اپنے بھتیجے کو سخت سزادی، احمد شاہ بادشاہ نے اپنے داماد کو پھانسی کی سزادی، الغرض ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات انتہائی خوش گوار تھے، ابوریحان البیرونی وہ پہلا مسلمان ہے جس نے سنسکرت اور ہندوعلوم وفنون کا کافی مطالعہ کیا، سنسکرت کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرکے دنیا کے سامنے ہندوستان کا تعارف کروایا، ہندوستان کے فلسفے، منطق، طب وغیرہ علوم کو زندہ کیا، اسی طرح امیر خوسرو نے بھی ہندوستانی تہذیب، پھل، پھول، آب وہواوغیرہ تمام چیزوں کی اپنی شاعری میں خوب جھوم کر تعریف کی ہے، ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

بہشتی فرض کن ہندوستان را	-	کزآنجاں نسبت است ایں بوستاں را
وگرنہ آدم وطاؤس زآنجاں کجا	-	ایںجاں شدیدے منزل آرائی

ہندوستان کی عظمت کا راگ الاپتے ہوئے اور ہندوستان کی محبت کی آواز بلند کرتے ہوئے اور بھی بہت سے اشعار پیش کئے ہیں۔ الغرض ہم نے اس بے بنیاد الزام کی تحقیق میں فاران کی چوٹیوں سے لیکر دہلی کے لال قلعہ تک کی اسلامی تاریخ کا وسیع وعریض جائزہ لیا، تو ہر جگہ وسمت سے یہ جواب ملا کہ اسلام میں اقلیت واکثریت کا کوئی سوال ہی نہیں، اسلامی حکومت میں سب اللہ تعالی کے بندے اور آدم کی اولاد ہیں۔ ان ربکم واحد وان اباکم واحد .

ھارون : تاریخ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے ہندوستان میں اسلام پھیلایا۔ آخر یہ کہاں تک صحیح ہے؟

طاھر : اس کی حقیقت بھی پہلے اعتراضات کی طرح ہے۔ انگریز نے اپنی سیاسی اغراض کے لئے یہ بہتان تراشا ہے، عجیب اتفاق ہے کہ یہ اعتراضات مسلم حکومت کے ۷۰۰

سالہ دور کے بعد کیا جا رہا ہے، جبکہ خود بہتان تراش انگریز کی تلوار بے گناہوں کے خون سے سرخ ہو رہی تھی، اس بہتان کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کی اس نفرت اور ناراضگی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف پھیر دے، جس کے خود اپنی خون ریزی اور ظلم کی طرف امنڈنے کا اندیشہ تھا، انسانی طبیعت کی کمزوری ہے کہ جب وہ میدان جنگ میں ہار جاتا ہے تو میدان قلم میں بھی مقابلہ کی ہمت نہیں کرتا، چنانچہ اس تہمت میں بھی دنیا کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے میں یورپ کامیاب ہوگیا، اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں اور پریس نے انگریز کے پیش کردہ اس نظریہ کو بلا تحقیق قبول کرلیا، حالانکہ مسلم حکومتیں اپنی قومی رواداری اور بے تعصبی میں ہمیشہ آگے رہی ہیں۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں: ہندوستان میں اسلامی فتوحات اور ان کی قوت کا مرکز صوبہ آگرہ، دہلی، اودھ، بہار اور دکن رہا، مگر دیکھو کہ یہی وہ مقامات ہیں، جہاں آج بھی مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ کم ہے، یعنی آٹھ سو ۸۰۰ برس کے بعد بھی وہاں پندرہ فیصدی سے زیادہ نہ بڑھ سکے، برخلاف اس کے جہاں ان کا اقتدار حکومت زیادہ مضبوط نہ تھا، وہاں وہ حیرت انگیز اکثریت رکھتے ہیں، بنگال، کشمیر اور سندھ جیسے دور دراز علاقوں میں ان کی تعداد اپنے ہمسایوں سے زیادہ ہے، دکن پر مسلمانوں کا ہمیشہ قبضہ رہا، برہمنی سلطنت پوری قوت سے مسلط تھی، اس کے بعد پانچ اسلامی سلطنتیں ایک ہی زمانہ میں قائم ہوئیں، اور پھر نظامِ حیدرآباد کی سلطنت قائم ہے، تاہم مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ کم ہے، سب اہل تاریخ مانتے ہیں کہ راجپوتانہ کی ریاستوں کو کلی طور سے کوئی مسلمان بادشاہ زیر نہ کرسکا، مگر بایں ہمہ ان کی کوئی ریاست آج ایسی نہیں جہاں تھوڑے بہت مسلمان نہ ہوں، سیلون اور برما پر کبھی مسلمانوں نے قبضہ نہیں کیا، مگر وہاں

مسلمانوں کی خاصی تعداد ہے، اُتر پردیش میں چھ سو سال تک مسلم حکومت رہی لیکن یہاں مسلمان صرف ۱۴ فی صد ہیں، ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا سب سے پہلا اور قدیم سبب عربوں اور ہندوؤں کا تجارتی میل جول تھا۔

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی اصل وجہ بتاتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ عرب تاجروں نے خود آکر اپنی نو آبادیاں قائم کیں، یہاں کی نومسلم عورتوں سے انہوں نے شادیاں کیں، تاجروں کی فیاضی اور انسانیت نوازی نے غریبوں اور محتاجوں کو اپنے دامن میں پناہ دی، نیچ ذات کے ہندو اور غیر برہمن جو برہمنوں کے دباؤ، ظلم اور ترفع و غرور سے نالاں تھے، انہوں نے اسلام میں آکر عزت پائی، جو لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر اپنی ذات سے خارج کردیئے جاتے تھے، وہ اسلام کی برادری میں داخل ہوتے گئے، بہت سے لوگ اپنے بچوں کو غربت کی وجہ سے عربوں کے ہاتھ فروخت کردیتے تھے، وہ ان کو لیکر اسلام کی تربیت دیتے اور اپنی اولاد کی طرح پال کر جوان کراتے تھے، سب سے بڑی وجہ یہ ہیکہ اسلام کی روحانی طاقت کی عجیب وغریب نشانیاں انکی نگاہوں سے گذریں جس نے ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کردیا۔ نیز علماء اور درویشوں نے اپنی روحانی کشش کے جلوے بھی دکھائے۔ یہی باتیں سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی لکھیں ہیں۔

ہندوستان کے مشہور مؤرخ پنڈت سندر لال لکھتے ہیں کہ اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے کسی خاص کشش اور جدوجہد کے بغیر بہت مختصر عرصے میں دنیا کے بیشتر حصہ کا احاطہ کرلیا تھا، یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، کیوں کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی مذہب بھی بزورِ شمشیر نہیں پھیل سکا ہے، اور ایسی حالت میں جبکہ اسلام کا جنم انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں ہوا ہے، اور اس کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں تھا، تو بھلا اس کے فروغ کیلئے اس کے حق میں تلوار چلانے والا کون تھا؟ اصل بات یہ ہیکہ اسلام میں جاذبیت

اورکشش ہی کچھ ایسی ہے کہ یہ خود بخود انسانوں کے دل میں گھر کرتا چلا جاتا ہے، ہندوستان میں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی ہے، لیکن کسی مسلمان خاندان کے دور حکومت میں اس ملک میں تبلیغ اسلام کی طرف معمولی توجہ بھی صرف نہیں کی گئی، اس کے باوجود اس ملک میں کروڑوں مسلمان ہیں، جو لوگ اپنے شجرہ نسب باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملا سکتے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔

ہندوستان کا سب سے پہلا باقاعدہ مسلم بادشاہ قطب الدین ایبک قطب مینار کے پہلے منزلہ پر **لااکراہ فی الدین** (دین کے اختیار کرنے میں کوئی جبر نہیں) یہ آیت لکھوا کر روز اول سے مسلمانوں کی مذہبی رواداری کا اعلان کر چکا ہے، لہذا جب تک قطب مینار رہے گا، اور ان شاء اللہ تا قیامت رہے گا، مسلمانوں کی رواداری کا بانگ دہل اعلان کرتا رہے گا، اس کے ساتھ یہ بھی تاریخ کا ایک عجوبہ ہی ہے کہ بھارت جیسے ذات پات والے ملک کا پہلا مسلم بادشاہ ایک غلام تھا، جس نے ثابت کر دیا کہ مسلم سماج مساوات اور بھائی چارگی کا عملی درس دیتے ہوئے ذاتی صلاحیت کی وجہ سے غلام کو بھی بادشاہ کے منصب پر قبول کر سکتا ہے، بلکہ پورا خاندان ہی بادشاہ بنا دیا گیا، جو خاندان غلامان سے مشہور ہوا۔ اس کے مقابلے میں آزاد بھارت میں آج تک کسی دَلت کو وزیر اعظم کے عہدہ پر قبول نہیں کیا گیا ہے۔

ھارون : ان کا یہ بھی اعتراض ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے ۳۰۰۰ مندر توڑ کر مسجدیں بنائیں، یہ بابری مسجد بھی رام جنم بھومی کا مندر توڑ کر تعمیر کی گئی، اسی لئے یہ سارا قضیہ اٹھ کھڑا ہوا ہے، اسکی کیا حقیقت ہے؟

طاھر : بھائی! یہ الزامات بھی دوسرے الزاموں کی طرح بالکل بے بنیاد ہے، جو سلاطین اپنی رعایا کے اتنے خیر خواہ اور بہی خواہ ہوں کہ ان کی ضرورت زندگی کی تمام چیزوں کا خیال رکھے، بارش نہ ہونے پر فقیرانہ لباس میں رعیت کے لئے اللہ پاک سے دعا مانگے، وہ

اتنی اَوچھی حرکت نہیں کر سکتے ،اگر وہ مندر شکن ہوتے تو ۱۱۹۳ء سے ۱۸۵۷ء تک ۶۵۰ چھ سو بچاس سال میں ایک بھی مندر باقی نہ رہتا، جبکہ ہمالیہ کے دامن میں اور ملک کے اندر ہزاروں مندروں کے پرانے ہونے کا ہندو بھائی خود دعویٰ کرتے ہیں۔ میسور کا ہندو مندر حیرت انگیز طور پر محفوظ ہے، اجنٹا اور ایلورا کے برہمنی اور بودھی آثار کے تحفظ میں مسلمانوں کا ساتھ رہا، مگر ہم کو اس پر کوئی تعجب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اسلام نے ہندوستان میں کوئی نئی قوم لاکر آباد نہیں کی تھی ،اسلام تو یہاں صرف ایک نورانی مشعل لیکر آیا ہے، اشوک کے فرمان کا قیمتی ستون والا کتبہ جسکو سلطان فیروز تغلق اپنے ساتھ میرٹھ سے دہلی لایا، یہ ہندوستان کے آثار قدیمہ کی حفاظت کا پہلا قدم تھا۔

حقیقت یہ ہیکہ مسلمانوں کو اسلام نے دوسروں کی عبادت گاہ توڑنے سے منع فرمایا، لہذا مسلم سلاطین نے کبھی مندر نہیں تورے ، ہاں اسکے برخلاف مندروں کے سارے اخراجات ادا کرنے اور انکی حفاظت کی ذمہ داری مسلم سلاطین نے لی ،انمیں سب سے زیادہ بدنام بادشاہ حضرت عالم گیر اورنگزیبؒ ہیں، جنہوں نے بہت سارے مندروں کا خرچہ اور انکی حفاظت کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف کی ،انکے لکھے ہوئے دستاویز کے نمونے ثبوت کے طور پر آج بھی مٹھورا اور بنارس کے مہنتوں کے پاس موجود ہے ،اُجّین کے مہا کلیشور مندر کا خرچہ اورنگزیبؒ ادا کرتے تھے۔

پھر بھی انہیں لے دے کہ ساری داستانوں میں یاد ہے اتنا
کہ اورنگ زیب ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

یہی حال بابری مسجد کا بھی ہے کہ انگریزوں کی سازش سے اسکے رام جنم بھومی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ،اگر حقیقت یہی ہوتی تو بابر اس جگہ اپنا محل بناتا مسجد کیوں بنائی؟ جبکہ مسجد کیلئے تو پاک اور حلال جگہ کا ہونا ضروری تھا، دوسرے کی غصب کی ہوئی زمین پر مسجد نہیں ہوتی ،اس وقت کے

علماء اس میں نماز ناجائز ہونے کا فتوی دیتے ،دوسری بات یہ کہ تلسی داس کی رام چرٹ مانس جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں لکھی گئی، اسمیں اسکا ذکر ہوتا، اور انگریز حکومت کے تیار کردہ گزیٹیئر میں بھی اسکا نام جنم بھومی یا متنازع عمارت نہیں، بلکہ بابری مسجد کے نام سے وہ موسوم ہے، جبکہ یہ مسئلہ تو انگریزوں کا ہی پیدا کیا ہوا ہے۔

نیز بابر کے سیکولر ہونے کی دلیل اسکی اپنی آپ بیتی (توزک بابری) میں وہ وصیت ہے، جو اسنے اپنے بیٹے ہمایوں کو کی تھی ، جسمیں ہر قسم کے مذہبی تعصّبات مٹا کر انصاف وقومی رواداری کے ساتھ حکومت کرنے کا حکم دیا ہے۔

جس بادشاہ نے ایسی بے لاگ ، جمہوری نصیحت کی ہو، وہ ایسی حرکت ہرگز نہیں کرسکتا، اور کسکو نیچا دکھانے کیلئے کرتا، اس نے تو مسلم بادشاہ ابراہیم لودی کو شکست دے کر ہندوستان پر قبضہ کیا تھا۔

بابر کی سیکولر اور رواداری والی حکومت پر تو ہندو اور یورپین مؤرخین اور اسکالر حضرات نے بہت کچھ لکھا ہے، اور دل کھول کر اسکی تعریف کی ہے۔

ھارون : جب اسلام سلامتی اور بھائی چارگی کا درس دیتا ہے، اور شروع اسلام میں جب ہمارے قافلے دریائے سندھ کی راہ سے، اور بعد میں گنگا جمنا کے کنارے لنگر انداز ہوئے، تو اس ملک کے باشندوں نے ہمارا استقبال کیا تھا، بلکہ فاتح سندھ محمد بن قاسم کی مورت بنا کر اسکو مجسمۂ تعظیم وعقیدت بنایا تھا، انکو ہم سے اور ہم کو ان سے کوئی بیر نہیں تھا، آپس میں بھائی بھائی کا تعلق تھا، تو کیا اسلام کی وہ اخوت و بھائی چارگی کی تعلیم آج ہمارے ہم وطن ہندو بھائیوں پر اثر انداز نہیں ہورہی ہے، یا پھر ہماری وطن دوستی میں کمی آ گئی ہے، ہم ملک سے وہ وفاداری نہیں رکھتے جو پہلے تھی ملک سے غداری اور بے وفائی مسلمانوں کا شعار ہوگئی ہے، جیسے کہ ہمارے بہت سے ہندو بھائی کہتے ہیں، آخر سچائی کیا ہے؟

طاھر : جہاں تک ملک کی حفاظت اوراس سے وفاداری کاتعلق ہے،تو ہم ان تمام ہندو بھائیوں کواس ظلم کے خلاف صف آراء ہونے کی دعوت دیتے ہیں جوسیکولرزم اورقومی یک جہتی پراعتماد رکھتے ہیں،ہم سب ملکراس فرقہ پرستی کا مقابلہ کریں،جوملک کوتباہ وبرباد کرنے پرتلی ہوئی ہے۔جس نے دنیا کے صنعتی اورترقی یافتہ ملکوں کے سامنے ہماری ناک کٹادی ہے،اس معاملہ میں ہم سے زیادہ ملک کا کوئی وفادارنہیں،ہم علی الاعلان ’’ڈنکے کی چوٹ‘‘ کہتے ہیں کہ ہمارے اسلاف اس ملک میں کوئی حصہ رسد بٹانےنہیں آئے،دولت سے بھرے ہوئے اور سرسبزملکوں کوچھوڑ کر ہندوستان کی دولت میں حصہ لگانےنہیں آئے تھے، بلکہ ہم اس ملک میں ایک مشن،ایک خدمت اورایک پیغام یعنی پیام انسانیت لے کرآئے تھے،ہم یہاں رہنے آئے تھے، جانے کے لئےنہیں آئے تھے،ہمارے ساتھ اس ملک کی ایک تاریخ ہے،ہم نے ۸۰۰؍ برس تک اس ملک میں کامیاب حکومت کی ہے،یہ ملک ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا،ایک دوسرے سے دست وگریباں تھے،ہم نے ملک کے شمال وجنوب اورمشرق ومغرب کوایک کیا،ٹکڑوں میں بٹے ہوئے اس ملک کوایک مضبوط اور مستحکم انتظامیہ اوروسیع مرکزی حکومت کے ماتحت کرکے،اکھنڈ بھارت کا خواب شرمندۂ تعبیر کیا۔ہمارے ۸۰۰؍سالہ دورحکومت میں فرقہ وارانہ فساد کا صرف دومرتبہ ذکرآتا ہے،وہ بھی جب ہماری گرفت کمزورہوگئی،اورطوائف الملوکی کا دورشروع ہوا، توفرّخ سیر کے زمانہ میں احمد آباداور کشمیر میں ہوا،دونوں جگہ تحقیق کے بعد مجرموں کوسزادی گئی، جبکہ آپ کے ۶۰ سالہ دورمیں ۲۰ ہزارفرقہ وارانہ فساد ہوئے،جسمیں لاکھوں کی جانیں تلف ہوئی، کھربوں روپیوں کا نقصان ہوا،ملک کی شاخ ختم ہوگئی،روزانہ بند اورفسادات سے ملک کو کھربوں روپیہ کااقتصادی نقصان ہورہاہے،مفلسی،بیکاری،مہنگائی اورغیرملکی قرضہ میں اضافہ اس وقت کے سب سے بڑے مسئلے ہیں،ملک کوہم اسی طرح ۲۱ویں صدی میں لے جائیں گے؟ ہرگز نہیں لہذا آئیئے ہم سب ملکرملک کوبچائیں ورنہ

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں	-	نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے ہندوستاں والو

مسلمانوں سے وفاداری اور وطن دوستی کا سوال کرنے والے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر اپنے دل اور آتما سے پوچھو کہ ملک کا غدار اور وفادار کون ہے؟ مسلمان تو مرنے کے بعد بھی وطنِ عزیز کی مٹی میں دفن ہوکر راشٹر پریم اور وفاداری کا پاس رکھتا ہے، آج کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کے دور میں بھی ہم نے اپنی وفاداری اور وطن دوستی کو باقی رکھا ہے، ملک کے خلاف غداری، جاسوسی اور بے وفائی کا الزام تحقیقی طور پر آج تک کسی مسلمان پر نہیں لگا، ملک کے سیاسی اور سماجی لیڈر کے خون سے کسی مسلمان کے ہاتھ رنگین نہیں ہوئے، ہم سے وفاداری مانگنے والے بے وفا اور ملک دشمن بابائے قوم گاندھی جی کا خون کرنے والے، حکومت اور سیٹ حاصل کرنے کے لئے ملک بھر میں فرقہ وارانہ فسادات اور خون کی ندیاں بہانے والے، ہڑتالیں، رتھ یاترائیں، جلوس اور بند کا اعلان کرکے ملک کے کروڑوں روپیہ کا اقتصادی اور سماجی نقصان کرنے والے، رام چندر جی اور کرشن جی کے نام پر دھبّا اور کلنک لگانے والے، دیش کا اقتصادی اور اخلاقی دیوالیہ نکالنے والے، غیر ملکی خفیہ اداروں کے ایجنٹ، ملک کی قیمتی دستاویزات اور خفیہ فائلیں غیر ملکوں کو کروڑوں روپئے میں بیچنے والے، پہلے اپنی خبر لو!!! ملک کے وزیر اعظم کے آفس کی فائلیں جب محفوظ نہیں رہ سکتی تو پھر اور دوسرے ڈپارٹمنٹ (Dipartment) کا کیا حال ہوگا ؟

انڈیا کو متحد پر امن اور ترقی یافتہ ملک بنانے کے لئے اصل جس چیز کی ضرورت ہے، وہ نیشنل کیریکٹر ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ آدمی ذاتی مفاد کو اہمیت دینے کے بجائے قومی مفاد کو اہمیت دے، باہر کا کوئی ملک پیسہ دیکر آپکو خریدنا چاہے تو دیش کی محبت آپکو اس بات سے روکے، یا ٹیکس نہ دینے میں آپکے ذاتی مفاد کو قربان کرکے قوم کے فائدے کے لئے ٹیکس ادا کریں، ملاوٹی چیزیں سپلائی کرنے میں ذاتی فائدہ ہے، لیکن ملک کی ترقی رک جاتی ہے۔ الیکشن میں ہار جائیں تو ملک کے سیاسی نظام کو استوار رکھنے کے لئے اپنی ہار مان لیں، اگر آپ

سرکاری عہدے پر ہیں تو اپنے مالی فائدے کے لئے اسکینڈل میں ملوث ہوکر ملک کے اقتصادی ڈھانچے کو تباہ نہ کریں ،اگر کسی پارٹی کے لیڈر ہیں تو اپنے الیکشنی مفاد کے لئے دوگروہوں میں نفرت وعداوت اور خوف کے جذبات نہ پیدا کریں، کیوں کہ اس سے آپکا ووٹ بینک تو بنے گا لیکن ملک کا بینک دیوالیہ ہوجائے گا ، اسی کا نام سچی دیش بھکتی ہے، اور یہی ہمارے ملک میں نہیں ہے، دیش بھکتی کے بجائے سارے لوگ خویش بھکتی میں لگے ہوئے ہیں، اسی نے ملک کو تباہ کردیا ہے، حقیقت یہ ہے یہ ہندو مسلم کشمکش کا اصل سبب نہ مذہب کا اختلاف ہے اور نہ تہذیب وثقافت کا اختلاف ،اسکا اصل سبب وہ سیاست ہے، جو معصوم بن کر مذہب اور تہذیب وثقافت کو منافرت اور کشمکش کا مجرم قرار دیتی ہے ،یا پھر مذہب اور تہذیب وثقافت کے وہ تنگدل اور متعصب علمبردار ہیں ،جو اپنے مذہب اور اپنی تہذیب و ثقافت کے سوا کسی دوسرے مذہب اور تہذیب وثقافت کو دیکھنا گوارا نہیں کرسکتے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، نہ اسلام غیر مسلموں سے لڑنے کی تعلیم دیتا ہے، نہ ہندو مذہب مسلمانوں سے لڑنے کی تلقین کرتا ہے، دونوں مذہب امن وامان کی تعلیم دیتے ہیں، ہندو مسلمانوں کو اپنے سیاسی مقاصد کو پروان چڑھانے کیلئے متعصب لیڈر دھرم اور سنسکرتی کا نعرہ لگاکر اور ایسے ہی اخباروں کے ایڈیٹر اپنے اخبار کی اشاعت بڑھا کر دولت کمانے کیلئے آپس میں لڑاتے ہیں۔

ہندوستان میں مذہبی، تہذیبی ہی کشمکش نہیں ہے، سیاسی تصادم اور کشمکش بھی ہے۔ حالانکہ تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اور رہنما غیر مسلم ہی ہیں ،اس اختلاف کا مٹانا اور ایک تہذیب وثقافت کا قیام ضروری ہے،تو ان سیاسی پارٹیوں میں کیوں شدید اختلاف اور کشمکش ہے جن کے زعماء اور قائدین ایک ہی مذہب اور ایک ہی تہذیب وثقافت سے تعلق رکھتے ہیں؟ معلوم ہوا کشمکش کا حقیقی سبب مذہب اور تہذیب وثقافت کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ سیاسی مقاصد سے ان کا غلط استعمال اور مذہبی، تہذیبی، خود پسندی، تنگدلی اور عصبیت ہے، قومی اتحاد و یکجہتی

اور جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے قومی اتحاد و یکجہتی کی بنیاد ایک تہذیب وثقافت کو نہیں، حب الوطنی کو قرار دیا جائے کسی ملک کی سالمیت اور استحکام کیلئے اصل چیز حب الوطنی ہی ہے، اور حب الوطنی ایسی قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی سے پیدا ہو ہی نہیں سکتی، جو مختلف تہذیب و ثقافت کو مٹا کر ایک تہذیب وثقافت کی بنیاد پر قائم کی جائے۔

ہندوستان کے دستور نے ہندوستان کے تمام مذاہب اور تمام تہذیب وثقافت کو آزادی اور ان کے بقاء وتحفظ کی جو ضمانت دی ہے، اسکا صرف قول سے نہیں عمل سے احترام کیا جائے تاکہ ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب اور اپنی تہذیب وثقافت کے بقاء وتحفظ کی طرف سے قلبی طمانینت اور آسودگی محسوس کرے، حکومت کسی پارٹی کے لیڈر یا کسی مذہب کے رہنما کو اسکی اجازت نہ دے کہ وہ کسی مذہب کے پیروؤں کی تہذیب وثقافت کو چیلنج کریں، یا اپنی تہذیب وثقافت میں انکی تہذیب وثقافت کو ضم کرنے کی کوشش کرے، ایسا کرنے والوں کے خلاف حکومت مناسب قانونی کارروائی کرے۔

اھل ملک کا ذہن بدلنے کے لئے حکومت ضروری تدابیر اختیار کرے، اور مذہبی وتہذیبی تنگدلی اور تعصب کے بجائے خواص وعوام سب میں بے تعصبی اور رواداری پیدا کرنے کے لئے اسٹیج، ریڈیو، اور لٹریچر وغیرہ سے کام لے، ایک مذہب کے علماء دوسرے مذہب کے خلاف گمراہی اور نفرت و بیزاری پھیلانے کیلئے ان کے عقائد واعمال کو مسخ اور ان کو غلط رنگ میں پیش کر کے ان پر جرح وقدح نہ کریں، جو بحث و گفتگو بھی کریں علم وتحقیق کی روشنی میں حق پسندی اور دیانتداری کے ساتھ کریں، جس کا مقصد احقاق حق ہو نہ کہ پروپیگنڈہ۔

اس ملک کو سب سے بڑا خطرہ رشوت بازاری، گنڈا گردی اور مافیا گروہی سے ہے جس نے پورے ملک کو اپنے آہنی شکنجہ میں کس لیا ہے۔ گنڈے لوگ ووٹینگ کرواتے ہیں، اپنے مخالفین کا قتل واغوا کرواتے ہیں، پھر اسمبلی میں منتخب ہو کر وزیر بھی بن جاتے ہیں۔

ملک کی آزادی کے وقت انگلینڈ کے وزیراعظم مسٹر چرچل اور دیگر انگریز حکام ہمارا مذاق اڑاتے تھے، اور انتہائی گھناؤنے انداز میں کہتے تھے کہ اس ملک کو آزادی دے کر کس کے حوالے کرر ہے ہو؟ کیا گنڈوں، لفنگوں اور بدمعاشوں کے حوالے کرر ہے ہو، ان کی یہ باتیں آج حرف بحرف سچی ثابت ہورہی ہے۔ جمہوریت کے نام پر ٹولہ بندی اور گروہ بندی رائج ہے۔ سیاسی پارٹیوں نے اپنے مفادات کے لئے جمہوریت باقی رکھی ہے، کیوں کہ جمہوریت کے نام پر جو کرنا چاہے کر سکتے ہیں، ہر کس و نا کس یا ہر چھوٹی بڑی جماعت ملک کسی بھی حصے میں جب چاہے جلوس اور ریلیاں نکال سکتی ہے، ڈنگا فساد اور کسی کے خلاف جو فساد انگیز نعرہ لگانا ہو وہ لگا سکتی ہے، ہمارے ساتھ آزاد ہونے والے چھوٹے چھوٹے ممالک آج ہم سے کتنے آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کی اقتصادی، سماجی اور سیاسی استحکام اور مضبوطی کو دیکھئے۔ ہم ابتک ملک کی آدھی آبادی کی تعلیم جیسی اہم اور بنیادی ضرورت بھی پوری نہیں کر سکے ہیں، لاکھوں دیہاتوں میں بجلی، پانی اور پختہ سڑکوں کا انتظام نہیں کر سکے ہیں، اور جہاں ہے وہاں بھی ''آیا رام گیا رام'' کی طرح ہے، مہنگائی کی وجہ سے عوام کی حالت بدتر ہوتی جارہی ہے، اور سیاسی لوگ مالدار سے مالدار تر ہوتے جارہے ہیں، آزادی کے لیڈر گاندھی جی، نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ نے ملک کی آزادی کے لئے اپنی جان، مال، عزت آبرو وغیرہ کی قربانی دی، اسکے بجائے آج کاروبار یا ملازمت نہ مل سکنے والے بے کار لوگ سیاست میں داخل ہو گئے ہیں، جو بداخلاقی، بے قانونی وغیرہ سے کام لیتے ہیں۔

سیاست خدمت کے بجائے پیشہ بن گیا ہے، پیشہ اور ڈھنڈھے کے بھی کچھ اصول وقوانین ہوتے ہیں، لیکن اس سیاست کے پیشہ میں تو کوئی بھی قانون نہیں ہے، جس طرح چاہے ملک کو لوٹ کھسوٹ لو۔ بس ''اندھیری نگری اور چوکٹ راج'' کا قانون ہے۔

ھارون : جب یہ حالات اتنے سنگین اور نازک ہو گئے ہیں، اس ملک میں مسلمانوں کو

مستقبل اور مذہب کی حفاظت کیلئے کیا لائحہ عمل اپنانا ہوگا،قرآن کریم اس مسئلہ میں ہماری کیا رہنمائی فرماتا ہے؟اور خود امت میں جو کمزوری آگئی ہے، دنیا کی امامت کرنے والی یہ امت آج در بدر کی ٹھوکر کیوں کھارہی ہے؟

طاھر : بھائی! قرآن مجید میں سر بلندی اور غلبہ کے حصول کے سلسلہ میں دو آیتوں میں کافی رہنمائی فرمائی ہے۔ایک جگہ فرمایا:**وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** تم ہی بلندتر ہوں گے اگر تم ایمان والے ہوئے،اور **کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة الخ**... جسمیں صبر کی تلقین کی گئی ہے،ایمانی زندگی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالی پر اعتماد ہو، اسکے احکام کی پابندی ہو،اور اللہ تعالی کے دئے ہوئے صبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے بھروسے پر صبر و برداشت کا ثبوت دینا ہے،آج ہمارے ایمان کی کمی کے ساتھ صبر کی بھی کمی ہے ،اگر صبر ہے تو عموما اللہ تعالی کے بھروسے پرنہیں ،اللہ کے بھروسے والے صبر میں غیر اللہ کا خوف نہیں ہوتا، مایوسی اور پست ہمتی نہیں ہوتی ،اُسکے ساتھ یہ جاننا چاہئے کہ یہ ہماری قوت ایمانی ،خود اعتمادی، اخلاقی جرأت اور سیاسی بصیرت کا کھلا ہوا امتحان ہے،اس امتحان سے ہم کو ۱۴۰۰ سو سالہ تاریخ میں بار بار گزرنا پڑا ہے، بارہا ایسے مواقع آئے جب یہ محسوس ہونے لگا کہ امت کا چراغ اب اور تب بجھا چاہتا ہے ،اس امت کے لئے کارگاہ ہستی کو سجانے والے آقا و مالک نے یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ اس امتحانی طوفان سے گزرتی رہے، یہی اسکا طرۂ امتیاز ہے، چنانچہ فرمایا گیا:**لتبلون فی اموالکم وانفسکم الخ**... **ولنبلونکم الخ**... یہ آیات تمام مسلمانوں سے خطاب کررہی ہیں،لہذا ہندوستانی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جزوی ،فروعی اختلافات بھولا کر ان فتنوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہوجائیں۔جہاں تک جانی مالی خطرہ کا تعلق ہے تو قرآن کریم نے فرمادیا ہے: **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة**،لہذا ایمان کی حفاظت

کرنے کیلئے کیا کرنا چاہئے ،اسکوبھی آگے کی آیات سے واضح کر دیاہے۔

اسکے ساتھ یہ بات بھی مدنظر رکھنا ہیکہ دنیا کی ساری قومیں آسمانی ہدایت اورانبیاء کرام کی تعلیم وحکمت کے سرمایہ کو یکسر کھو چکی ہیں،اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں امت مسلمہ ہی سے امید کی شعاع نظر آتی ہیں ،کیونکہ ہمارے پاس دینی سرمایہ اورآسمانی ہدایت وحکمت کا سرچشمہ اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے،ہم وہ ملت ہیں جنکے پاس بھٹکی ہوئی انسانیت کی ہدایت، ہرعہد میں کسی ڈوبتے ہوئے معاشرے کو،کسی بجھتے ہوئے چراغ کو،کسی برباد ہوتے ہوئے ملک کو بچانے والا پیغام ہے ، ہم نے ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں رومی ،ایرانی اور ترکستانی معاشرہ کواور تیرھویں صدی عیسوی میں نیم وحشی تاتاری قوم کوایک نیا دین وعقیدہ ، مقصد زندگی ،ترقی یافتہ تہذیب،علوم وفنون اوراعلی درجہ کی انتظامی وقانونی صلاحیت والی رہنمائی عطاء کی ہے۔

افسوس ہیکہ ہمارے کچھ سیاسی لیڈروں کے مخصوص سیاسی مزاج اورناعاقبت اندیشی نے اسلام اورمسلمانوں کواس ملک میں سیاسی اورسماجی حریف ومقابل بنا کر چھوڑ دیا،جسکے ساتھ کوئی بےغرض وبےلوث دینی دعوت ہے،نہ انسانیت کی فلاح ونجات کا کوئی پیغام ہے۔ نہ سیاسی حقوق سے بلند کوئی مقصد زندگی ہے،جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اخلاقی وروحانی دعوت جسکوان سیاسی لڑائیوں سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ بھی معیوب اورمخالف معلوم ہونے لگی ،ہم کو ملک وملت دونوں زندہ حقیقتوں میں سے کسی سے آنکھیں بندنہیں کرنی چاہئے ،لیکن ہماری داعیانہ حیثیت اورفرض منصبی جسکی بناپر ہم کو خیرامت اورشہداء اللہ کا لقب ملاہے وہ غالب رہنی چاہئے ،مسلمانوں میں دینی شعوراور دینی تعلیم کی ضرورت کا احساس ہونا چاہئے ،قومیں صرف تاریخ کے سہارے یاعظمت رفتہ کی بدولت نہیں ، بلکہ جہد مسلسل ودائمی سرگرمی مستقل احساس ذمہ داری اور ہردم قربانی کے لئے آمادگی ،تازہ دم قوت افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ و تابندہ رہتی ہیں ،ورنہ تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں ،زمانہ انہیں طاق نسیان پر رکھ

دیتا ہے ،لہذا امت مسلمہ حالات سے نہ گھبراتے ہوئے اپنے دعوتی ،تہذیبی اورقائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہوں کیونکہ ؎

ناموس ازل راتوامینی توامینی	-	دارائے جہاں راتویساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی توزمانی توزمینی	-	صہبائے یقین درکش واز دیر گماں خیز

ازخوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزئ افرنگ	-	معمارحرم بازبہ تعمیر جہاں خیز

ھارون : مولانا جزاک اللہ خیرا۔آپ نے میرے ذہن میں آنے والے تمام سوالات اورالجھنوں کاتشفی بخش جواب دیا۔میں ضروراپنے ہندودوستوں تک یہ صحیح معلومات پہونچاوں گا،ان شاءاللہ تعالی۔۔۔۔۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بین المذاہب مذاکرات۔امکانات۔ فوائد۔نقصانات

ہارون : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ارے بھائی صاحب کئی دن سے نظر نہیں آرہے تھے، کیا کچھ طبیعت تو ناساز نہیں تھی؟یا پھر کسی سفر میں تشریف لے گئے تھے؟

نعمان : بھائی! آپ جیسے کرم فرماؤں کی دعاء سے طبیعت تو الحمد للہ ٹھیک تھی،لیکن بہت ہی اہم اور ضروری مسئلہ کی وجہ سے سعودی عربیہ جانا ہوا تھا،آپ نے بھی شاید اخبارات میں مکہ مکرمہ کے Royal Palace میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس کے متعلق پڑھا ہوگا، جس میں خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ کے اشارہ پر رابطۂ عالم اسلامی کے زیر اہتمام منعقدہ اس کانفرنس میں مسلمانوں کے تمام مسلک اور فرقوں کے علماء، دانشور، تنظیموں کے سربراہ، یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور اسکالر حضرات نے شرکت کی، یہ کانفرنس اس اعلامیہ کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی کہ امریکہ و اسرائیل کی مشترکہ سازش نے پوری دنیا میں اسلام کے خلاف جنگ کی فضا پیدا کر دی ہے، لہذا سب سے پہلے اسکا مقابلہ کرنے کے لئے تمام اسلامی ممالک متحد ہو جائیں، اور رنگ و نسل، ملک اور مذہب سے بالاتر ہو کر ہمت اور تدبر کے ساتھ غیر مسلموں کے دلوں کو مسخر کرنے کی کوشش کریں، انصاف، اخلاق اور پرامن بقاء باہمی کے نظریہ کو فروغ دیا جائے، باہمی تنازعات کے حل کے لئے صبر وتحمل اور برداشت کی نبوی تعلیم کو مشعل راہ بنایا جاوے، اس کانفرنس کا اصل اور بڑا مقصد دنیا بھر کے مختلف مذاہب کے ساتھ رواداری کا سلوک اور ممکن حد تک مذہبی وتہذیبی تصادم کو روکنا ہے، کیونکہ ان حالات میں جبکہ دنیا بارود کا ڈھیر بنی ہوئی ہے، کسی بھی معمولی بہانہ سے تیسری عالمی جنگ چھڑ سکتی ہے، جو دنیا کو تباہی کی طرف لے جائے گی۔

دوسری طرف پوری دنیا کے اندر تشدد، فحاشی اور عریانی بڑے پیمانے پر پھیل رہی ہے، اس خوفناک طوفان نے تمام اخلاقی قدروں کو تباہ کر دیا ہے، مسلمان خاص طور سے اسکا نشان ہیں، اور انہیں کے پاس ان مشکلات ومسائل کا حل ہے، لیکن جس عالمگیر پیمانے پر تمام انسان اس فساد سے متأثر ہورہے ہیں، اس میں تنہا مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ضرورت ہیکہ اس کے مقابلے کے لئے پوری دنیا کے مذاہب اوران کے ماننے والے کندھے سے کندھا ملا کر اٹھ کھڑے ہوں، اور آپسی تعاون سے اس شر وفساد کو روکے۔

ھارون : بھائی! یہ عجیب بات ہے کہ عرب سربراہان مملکت اور مسلم دانشوران غیر مسلموں خاص کر کے یورپ وامریکہ کے ساتھ مذاکرات اور مختلف مذاہب کے درمیان مفاہمت کے امکانات تلاش کررہے ہیں، اوراس کی ضرورت پر زور دینے کیلئے قرآن وحدیث سے دلائل بھی فراہم کررہے ہیں، لیکن وہ یورپ وامریکہ کی ناانصافیوں کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھانے کیلئے تیار نہیں ہے، ایک طرف تو امریکہ ویورپ مسلمانوں کی دل آزادی اوران کو ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں، کبھی آپ ﷺ کے توہین آمیز کارٹون بنا کر مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی فلموں کے ذریعہ آپ ﷺ کو دہشت گرد بنا کر پیش کرتے ہیں، کبھی حجاب اور پردہ جیسی اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، تو کبھی قرآن کریم کے پاکیزہ اوراق پر گولیوں کی نشانہ بازی کی مشق کر کے مسلمانوں کے دلوں کو چھلنی کیا جاتا ہے، گذشتہ ٦٠ سال سے فلسطینی عوام زندگی کی بھیک مانگ رہے ہیں، کیا امریکہ ویورپ اسرائیل کی پشت پناہی کے ذریعہ فلسطینیوں کو ان کے زندہ رہنے کے حق سے محروم نہیں کررہے ہیں؟ افغانستان اور عراق میں مسلمانوں کی تباہی وبربادی کا ذمہ دار کون ہے؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک فریق تو مسلسل دشمنی پر آمادہ ہو، اور دوسرا فریق مفاہمت اور صلح کے امکانات تلاش کرنے میں مصروف ہو۔

اسی طرح یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہئے کہ اسلام کی مخالفت کرنے والی قومیں اسلامی تعلیمات کے بارے میں غلط فہمی اور ناواقفیت کا شکار ہے، بلکہ وہ مسلمانوں سے زیادہ اسلام کا مطالعہ اور جانکاری رکھتی ہیں، وہ جان بوجھکر خاص منصوبوں کے ماتحت ہر مورچے سے اسلام پر حملہ آور ہورہی ہیں۔ دنیا کی تاریخ کا مسلمہ اصول ہے کہ طاقتور قومیں کمزور قوموں کے اثرات اور ان کی تہذیب وکلچر جلدی قبول نہیں کرتی ہیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہود ونصاری تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک مسلمان ان کی تہذیب وکلچر اور ان کے بتائے ہوئے راستے پرنہیں چلیں گے، **ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم** ۔تحقیق کرنے سے پتہ چلا ہے کہ یورپ میں اسلام کی بڑھتی رفتار کو روکنے کیلئے چرچ والے اور یورپی حکومتیں پریشان ہیں، لہذا کافی غوروفکر کے بعد اب مفاہمت اور مذاکرات کا دروازہ کھولنے کی بات کی گئی ہے، تاکہ یہ بتایا جاوے کہ تمام مذاہب ایک ہی قسم کے عقائد کی باتیں کرتے ہیں، اسلام اور عیسائیت میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے، گرجا گھروں کے عالمی مرکز نے حال میں یہ فیصلہ کیا ہیکہ مذاکرات سے کمزور ایمان والے مسلمانوں میں ہمیں عیسائیت پھیلانے کا بہانہ مل جائے گا، اور اسلام کی تعلیم کو وحدتِ ادیان کے انداز میں پیش کرکے سچی توحید، آخرت کا عقیدہ اور اسلامی مساوات وبھائی چارگی کو بھلا دیا جاوے، مسلمان ان پر کئے جانے والے حالیہ مظالم کو بھول جائیں، جیسے اس سے پہلے ہونے والی صلیبی جنگوں کو آج کے مسلمان مؤرخین بھی بھول گئے تھے، صدر بُش نے افغانستان اور عراق پر حملہ کرتے وقت صلیبی جنگوں کے لفظ سے اسکو یاددلایا۔

نعمان : آپ کی بات صحیح ہے کہ موجودہ حالات میں جبکہ ساری قومیں مسلمانوں پر اسطرح ٹوٹ پڑی ہیں جیسے بھوکے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اور اس طرح آقائے مدنی

ﷺ کی پیشین گوئی حرف بحرف ثابت ہورہی ہے،لیکن ان کے مسلمانوں پرٹوٹ پڑنے کی وجہ بھی سوچنے کی ہے، حدیث شریف کے مطابق مسلمانوں میں دنیا کی محبت اورموت سے نفرت پائی جانے کیوجہ سے یہ برے دن دیکھنے کومل رہے ہیں،اس کے ساتھ یہ بھی وجہ ہے کہ لوگوں میں قبولیت اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور یورپ وامریکہ میں اسلامی تعلیمات کی مقبولیت نے ان کوحواس باختہ کردیا ہے،لہذا وہ ایک پاگل اور باولے کتے کیطرح ہر چہارسمت سے مسلمانوں کوکاٹنے دوڑرہے ہیں۔

اورہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مختلف قوموں اورمذاہب کے درمیان مذاکرات کے ذریعہ یورپ اور چرچ والے کیا چاہ رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ یہودیوں اورعیسائیوں کیطرح مسلمان بھی اسلام کی اصل تعلیمات کوبھول جائیں،تورات وانجیل کیطرح قرآن کریم کوبھی بدل دیا جائے، تاکہ نام نہاد مسلمان دانشوران غیروں کے ساتھ مذاکرات ومجالسات کرکے ان کے بچے بچائے ایمان سے بھی وہ ہاتھ دھولیں،اوراس طرح کے حالات ہم روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے ہیں، لہذا اس سلسلہ میں بہت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے، اس کا اصل علاج تو یہ ہیکہ ہمارے اسکول، کالج میں پڑھے لکھے نوجوانوں کواسلامی تعلیمات سے خوب واقف کرایا جاوے، مسلم اسکول وکالج کی ذمہ داری ہیکہ مشنری اسکول جسطرح کی عیسائی مذہبی اسپرٹ اپنے کالج کے نوجوانوں کو دیتی ہیں ، بلکہ اسلام پر اعتراضات کیلئے بھی تیاری کرتی ہیں، ہماری اسکول بھی مسلم اسٹوڈینٹ کواسلامی تعلیمات وتشخصات سے آگاہ کرے، دیگر مذاہب کے بنیادی عقائد کی کمزوریوں سے بھی مسلمان طلبہ کو واقف کرائیں ،لیکن افسوس یہ ہیکہ ہماری مسلم اسکول وکالج کے ذمہ داران اورتعلیمی نگرانی کمیٹی صرف نام کی مسلمان ہوتی ہیں،ان کواپنے عقائد کا ہی پتہ نہیں ہوتا ،لہذا وہ دوسروں سے مرعوب ہوجاتی ہیں، جبکہ عیسائی مشنری سے ہم کو بارہا تجربہ ہوا کہ وہ اپنے مذہب کی

کمزوری کو کس طرح چھپا کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔

لیکن مختلف مذاہب کے درمیان ہونے والے مکالمات اور مذاکرات کا ایک روشن پہلو بھی ہے، وہ مسلمانوں کی اپنی ضرورت ہے، اس کا مقصد یورپ وامریکہ کے عوام کے سامنے اسلام کی اصل تصویر پیش کرنا ہے ،وہاں کے عوام اور پبلک کو بتانا ہے کہ دہشت گردی ، انتہا پسندی اور ظالمانہ کارروائیوں سے اسلام اور مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام تو سراپا رحمت، خیر خواہی اور امن وسلامتی کا مذہب ہے۔

عقیدہ، عمل اور تاریخی واقعات اسکی گواہی دیتے ہیں، اسی طرح ان مذاکرات کے ذریعہ تہذیبی تصادم کے بڑھتے خطرات کو کم کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے، ان مذاکرات میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وتشدد کو بہترین انداز میں پیش کرکے سامعین کے دلوں کو نرم کیا جاسکتا ہے، اور یورپ کے چند افراد کی طرف سے ہونے والے زہریلے پروپیگنڈے اور اعتراضات کا بھی تسلی و تشفی بخش جواب دیا جاسکتا ہے۔سینیئر بش کے سلامتی مشیر کار پروفیسر سموئیل ہنٹگٹن کی بدنام زمان کتاب تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilization) کا نظریہ اور نائن -الیون (۹/۱۱) کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے توڑنے کے ڈراما کے بعد اسلام دشمن خفیہ ایجنسیوں اور مسلم دشمن میڈیا کے مکر وفریب اور سازشوں کے بعد کی صورت حال نے مسلمانوں کے خلاف جو ماحول تیار کیا ہے، اور یورپ وامریکہ بلکہ ہندوستان کے عوام اور پبلک کو جس غلط فہمی کا شکار بنایا ہے، اور اسکے ذریعہ مسلمانوں کو دنیا کے تمام ممالک کے ایرپورٹ، ریلوے اسٹیشن، بس اڈوں اور نجی وسرکاری آفسوں میں شکوک وشبہات کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، ان تمام غلط فہمیوں کو دور کرنے کے بہت سے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ اسی طرح کی آپسی بات چیت، مذاکرات اور مفاہمت کی صورت بھی ہے، پچھلے کئی سالوں میں بعض اسلامی وغیر اسلامی ملکوں میں اس طرح کی کانفرنسیں اور ورکشاپ منعقد ہوئے، اور ان کے نمایاں فائدے بھی سامنے آئے ہیں، یورپ میں بھی مسلمان اقلیت کیلئے اس طرح کے مذاکرات کئی رکاوٹیں دور

کرنے میں معاون ثابت ہوئے، ہندوستان میں بھی جمعیۃ علماء اور مدارس کے مذاکرات میں ہندو بھائیوں نے دلچسپی لیکر ہمارے مسائل کو میڈیا کے ذریعہ عوام تک پہنچایا۔

قرآن کریم میں بھی نجران کے نصاری کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا: **یآ اَھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم اَلاّ نعبد اِلاّ الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله** ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے، اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ تعالی کے سوا کسی کو رب ٹھہرائیگا۔ اور ایک آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے: **لاینھٰکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم. ان الله یحب المقسطین.** ترجمہ: اللہ تعالی تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاو کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ (ممتحنہ: ۷)

لہذا اس قرآنی اصول ''کلمۂ سواء'' کی بنیاد پر دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ مذاکرات ومجالست اور ڈائلاگ کئے جاسکتے ہیں۔

ھارون : کیا گذشتہ چودہ صدیوں میں مسلمانوں نے دوسری عالمی تہذیبوں اور مذاہب کے ساتھ مذاکرات کئے ہیں؟ آپ کے پاس تاریخی کوئی ثبوت ہے؟ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں بھی دوسرے مذاہب اور کلچر والوں سے مذاکرات و ڈائلاگ کیا ہو، اور کیا اسلامی تعلیمات میں ترقی یافتہ زمانے کا ساتھ دینے اور اسکو آگے بڑھانے کی قوت وتاثیر اور لچک موجود ہے؟

نعمان : ماشاءاللہ آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے، سب سے پہلے تو میں اس سوال پر

آپ کو مبارکباد دیتا ہوں ،اسکے ساتھ اصل سوال کا جواب سنئیے ، اولا تو اس سے پہلے جس آیت کریمہ کی تلاوت کی گئی ، یہ عیسائیوں کے ایک مذہبی وفد سے ہی کہی جارہی ہے، جو آپ ﷺ کی خدمت میں مذہبی بات چیت اور کچھ اشکالات پیش کرنے کے لئے ہی آیا تھا، قرآن شریف کی سورۂ آل عمران ان کے اعتراضات کے جوابات میں ہی نازل ہوئی ،ان کے بہت سے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ہی ان کو کہا گیا کہ جب توحید میں ہم اور تم ایک تعلیم رکھتے ہیں، اللہ پاک کو رب مانتے ہیں،تو اس کا باہمی معاہدہ کرلیں کہ اللہ پاک کے سوائے کسی کو معبود اور رب مان کر عبادت اور ربوبیت میں اسکو اللہ پاک کے ساتھ شریک نہیں کریں گے، یہ سب سے پہلی مذاکراتی مجلس ہوئی جن میں عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا، جسکی وجہ سے وہ اسلامی تعلیم کو عملی شکل میں دیکھ لیں۔

اسکے بعد جب اسلامی فتوحات کا دائرہ ایران وروم کی سرحدوں تک وسیع ہوا،تو اسلامی سلطنت نے دیگرادیان، مذاہب اور تہذیبوں کے ساتھ مذاکرات کے بہت سے نمونے پیش کیئے، اسکی شکلیں ہمارے سامنے تاریخ نے پیش کی ہے (۱) مسلم حکمرانوں اور دوسری قوموں کے حکمرانوں کے درمیان مذاکرات جو دوطرفہ پیغامات اور ایلچیوں کے آپسی میل جول اور ہدیوں اور تحفوں کے ذریعہ ہوا۔ (۲) علمی مجلسوں میں دونوں مذہبوں کے علماء، پادری اور پنڈتوں یا مختلف فلسفوں کے ماہرین کے درمیان مذہبی مذاکرات اور مناظروں کے ذریعہ۔ (۳) وہ مجلسیں جو کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومتوں میں رہنے والے مختلف تہذیبوں کے لوگ روزمرہ کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ دعوت اسلامی قدیم دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچ چکی تھی ،یعنی مغرب میں اندلس اور مشرق میں چین کی سرحدوں تک،ان علاقوں میں قدیم تہذیبیں،مختلف مذاہب ، زبانیں ،قومیت اور کلچر کے اعتبار سے مختلف قومیں پائی جاتی رہی

ہیں، ان میں سے بہت سی قومیں اسلام قبول کر کے اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک جز بن گئیں، اور کچھ تہذیبیں اسلام سے پہلے کی حالات پر باقی رہیں، مسلمانوں نے ان تہذیبوں کے آثار وورثہ کو پوری طرح برقرار رکھا، اسکو ختم کرنے، نقصان پہنچانے یا اسکی اہمیت کو کم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی، اسکے بجائے ان کو عبرت کیلئے محفوظ بھی رکھا اور اس تہذیبی ورثہ کی ہر بیش قیمت اور نفع بخش طریقے سے اپنے تہذیبی ارتقاء میں استفادہ بھی کیا۔

ایرانیوں نے کھلے دل سے اسلام قبول کیا، عربی زبان سیکھی، اسکے لغوی قواعد میں مہارت حاصل کی اور عربی ادب میں کمال پیدا کیا، قرآن کریم حفظ کیا، اس کے مفہوم ومعنی پر عبور حاصل کیا، اور سیرت رسول کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔

اسلام اور اس کی تہذیب کے طفیل ایرانیوں میں بڑے بڑے مجتہدین، محدثین، فقہاء، متکلمین علماء، ادباء اور شعراء پیدا ہوئے، اسی طرح جب اسلام قدیم یونانی تہذیب والے ملکوں میں پھیلا، اور اسکی تہذیب کو فروغ حاصل ہوا، تو اسی وقت سے مسلمانوں نے یونانی تہذیبی ورثہ کی ہر ممکن طریقہ سے حفاظت شروع کردی، اس کے علمی وفکری سرچشمہ کا گہرائی سے مطالعہ کیا، بہت سی بیش قیمت کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا، خلیفہ مامون عباسی نے دارالحکمت نام کا ادارہ ایک تحقیقی مرکز کے طور پر قائم کیا، جس میں بہت سے علماء ومترجمین شب وروز کام کرتے تھے، اور یونانی علوم میں بحث وتحقیق اور ترجمہ کی نگرانی کے امور ان کے سپرد تھے، یہ عمل بذات خود یونانی، ہندوستانی اور اسلامی تہذیبوں کے درمیان تہذیبی روابط ومذاکرات کا ایک مظہر ہے۔

مسلمان حکمرانوں اور ان ملکوں کے حکمرانوں کے درمیان سیاسی اور سفارتی رابطے استوار ہوئے، وفود اور ایلچیوں کا تبادلہ ہوا، بطور خاص عباسی خلیفہ ہارون رشید اور فرانس کے بادشاہ شارلیمان کے درمیان، اسی طرح اندلس کے اموی خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر اور قسطنطنیہ

کے رومی بادشاہ کے درمیان رابطے قائم ہوئے، تاریخ نے تفصیل سے ان روابط کا ذکر کیا ہے۔

ھارون : مشہور امریکی پروفیسر مسٹر برنارڈ لوئس اپنی کتاب مڈل ایسٹ اینڈ دھ ویسٹ (Middle East And The West) میں لکھتے ہیں کہ اسلام میں مذہب کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے، اسلام میں مذہبی وسیاستی اتھارٹی ایک ہی ہوتی ہے، عیسائیت کی طرح یہاں مذہب وسیاست الگ الگ نہیں ہے اسی لئے ۱۸ویں-۱۹ویں صدی میں مسلمانوں کی جتنی بھی اصلاحی یا آزادی کی تحریکات اٹھیں، ان میں اکثر مذہبی نوعیت کی تھیں، اور قومی تحریکوں کے مقابلے مذہبی جماعتوں کے اثرات مسلم سماج میں مسلسل بڑھتے رہے ہیں، جبکہ یورپ نے مذہب کے دائرۂ عمل کو پوری طرح پرائیویٹ لائف اور ذاتی زندگی تک محدود کر دیا ہے، یہاں مذہب کو ہفتہ میں چند گھنٹے تو دیئے جا سکتے ہیں لیکن عام زندگی میں مذہب کا خانہ ہی الگ کر دیا گیا ہے، مسلمانوں میں اس طرح کا مذہبی جمود ہی مسلم معاشرے کی اصلاح وترقی کے راستے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

اسلام میں رواداری اور میل ملاپ کی صلاحیت پائی ہی نہیں جاتی، یہ پہلے ہی مرحلہ میں دنیا کو مسلم اور غیر مسلم بلوک میں تقسیم کر کے کشمکش کی فضا پیدا کرتے ہیں، مسلم دنیا میں اسلام کی آفاقیت اور افضل ہونے کا تصور اور تمام شعبوں میں مذہب کو مرکزیت دینے کا تصور یہ اس کو دوسری مذہبی روایتوں سے الگ کرتے ہیں۔

سابق امریکی صدر جمی کارٹر کی کیبنٹ میں نیشنل سیکورٹی کونسل (National Security Council) کے ڈائریکٹر اور سینیئر بش کے مشیر خاص سموئل پی ہنٹنگٹن اپنی کتاب The clash of Civilization میں تہذیبوں کے تصادم پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آئندہ بڑی جنگ اسلام اور یورپ کے درمیان ہوگی، اسلام عالمی سطح پر تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے، اس کے ساتھ ہی مسلم ممالک کے تعلقات پڑوسیوں اور غیر یورپی تہذیبوں کے ساتھ خراب ہوتے جا رہے ہیں، اور یورپ وغیرہ کو اسلامی کلچر اپنانے کی زبردستی

دعوت دی جارہی ہے، اس وقت کی تمام اسلامی تنظیموں میں بنیاد پرستی کی مضبوط جڑیں اس تہذیبی تصادم کے پھیلنے میں زیادہ مؤثر ہے، اور تیسری جنگ عظیم بھی اس بنیاد پرستی کی وجہ سے ہوگی، جو پوری دنیا میں اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کے طور پر پیش کرتی ہے۔

تو آپ سے سوال یہ ہیکہ آخر یہ بنیاد پرستی کی حقیقت کیا ہے؟ اور اسلام سے اس کا کتنا تعلق ہے؟ کیا حقیقت میں مسلمان بنیاد پرست ہیں؟ ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں۔

نعمان : بھائی ان کے کہنے کیمطابق یقیناً مسلم دنیا میں عوامی زندگی سے مذہب کی بالکلیہ بے دخلی کی تحریک کبھی بھی اور کہیں بھی نہیں چلی، اور اگر مصطفیٰ کمال اتاترک کے ذریعہ چلی بھی تو کامیاب نہیں ہوئی، جس کا ایک سبب یہ رہا ہے کہ اسلام عیسائیت کی طرح رہبانیت اور عوامی زندگی سے کنارہ کشی کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ وہ اپنے پیروکاروں کو عوامی زندگی گزارتے ہوئے اعلی روحانی مراتب کے حصول کی ہدایت دیتا ہے۔

برنارڈلوئس کا یہ کہنا ہے کہ مسلم دنیا کے عوام میں قومی تحریکات کے مقابلے مذہبی تحریکات کو زیادہ مقبولیت حاصل ہے، اس کا ایک سبب جہاں اسلام سے مسلمانوں کا عمومی لگاؤ اور اسلام کا عام معاشرتی زندگی میں مؤثر کردار ہے، وہیں دوسرا سبب بالعموم قومی اور سیکولر لبرل جماعتوں کی ناکامی اور ان کے رہنماؤں کی بے کرداری ہے، مسلم عوام نے ان سے جو توقعات وابستہ کی تھیں، ان پر وہ کھری نہیں اتریں، جبکہ اس کے برعکس اسلامی یا مذہبی تحریکات اور ان سے وابستہ شخصیات کے قول وعمل میں بڑی حد تک یکسانی پائی جاتی ہے، اور ان سے عوامی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچی ہے۔

دوسری بات یہ ہیکہ مادیت اور نفس پروری کے بے پایاں سیلاب نے انسان کے اندرون میں جو کرب اور بے چینی پیدا کی ہے، اس کے نتیجے میں روحانی وقلبی سکون کی تلاش و جستجو ایک بار پھر لوگوں کو مذہب اور مذہبی اقدار وروایات تک لے آئی ہے، ایسا صرف مسلمانوں یا مسلم دنیا تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ مذہب کی طرف واپسی کے رجحان میں

اضافہ عالمی ہے، مسلم دنیامیں مذہب کیطرف واپسی کا منطقی نتیجہ اسلام کیطرف واپسی ہے، اب اس کا یہ مطلب نکال لینا کہ اسلام یااس کے یہ جدید پیروکار ۲۱ ویں صدی کو چودہ سو سال قبل کے حالات میں گھسیٹ لے جانا چاہتے ہیں، قطعاً درست نہیں ہوگا، عملاً اس کا کوئی امکان نہیں ہے، یہ تو ایسا ہی ہوا کہ مغرب میں کچھ لوگوں کی عیسائیت یا یہودیت میں بڑھتی دل چسپی دیکھ کر یہ مفروضہ قائم کرلیا جائے کہ یہ لوگ آج کے انسانوں کو ڈھائی تین ہزار سال پہلے کی دنیامیں لے جانا چاہتے ہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب دنیا میں متعدد مذاہب اور نظریات میں سے بیشتر انسانی مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہورہے ہیں، اسلام بھی اگر انسانی مسائل کا کوئی حل پیش کرتا ہے، تو اسے بھی اسکا حق ملنا چاہئے، اور اسے خطرہ سمجھنے کے بجائے ایک چیلنج کے طور پر لیا جانا چاہئے، ممکن ہے اس کے چیلنج کی روشنی ہی میں بعض ایسی چیزیں سامنے آئیں، جن سے موجودہ یورپی وامریکی نظام کی خرابیاں اور کمیاں دور کی جاسکیں اور وہ انسانیت کے لئے مزید کارآمد ثابت ہو۔

امریکی مصنف مسٹر اسپوزیٹو کے مطابق مغربی اسکالروں کی اکثریت یا تو اسے بھول جاتی ہے یا پھر جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرتی ہے کہ مذہب کے بارے میں یورپ کا یہ تصور یعنی مذہب کا تعلق صرف پرائیویٹ زندگی سے ہے بالکل نیا ہے، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ریاست اور چرچ کی علیحدگی کا جدید مغربی تصور خود مغرب میں بھی نسبتاً نیا ہے، عیسائی فتوحات کا زمانہ ہو یا ابتدائی یہودی بادشاہت سے لیکر انگریزی وفرانسی سامراج تک کا زمانہ ہو، عیسائی بادشاہتوں اور صلیبی جنگوں سے ظاہر ہے کہ عیسائیت میں ہمیشہ یہ دونوں (چرچ اور ریاست) الگ نہیں رہے ہیں۔

اچھا اب بنیاد پرستی کی اصل حقیقت جب آپ سنیں گے تو آپ چونک جائیں گے، سنئے! بنیاد پرستی (Fundamentalism) کی اصطلاح بنیادی طور پر ایک عیسائی اصطلاح

ہے، جس کا استعمال ۱۹ ویں صدی عیسوی کے اواخر اور ۲۰ ویں صدی کے آغاز میں ہوا، مذکورہ اصطلاح کا اطلاق امریکہ میں بعض ان پروٹسٹنٹ عیسائی امریکی گروپوں کیلئے ہوتا تھا یا ہو رہا ہے، جو انجیل کی لفظیت پر شدت کے ساتھ جمے رہنے کے قائل تھے، متعدد انگریزی لغات اور عیسائی روایات کی مدد سے بنیاد پرستی کی اصطلاح سے متعلق کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا، اور اس کے استعمال کا صحیح پس منظر سامنے آسکا۔

انگریزی زبان کی سب سے زیادہ معروف ومشہور ڈکشنری آکسفورڈ اور دوسری ڈکشنری Webster کی تشریحات کی روشنی میں بنیاد پرستی کا جو لغوی مفہوم سامنے آتا ہے، وہ یہ ہیکہ Fundamentalism (بنیاد پرستی) نام ہے ایسے عقائد رکھنے کا، جن میں بائبل کے تمام بیانات کو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً درست تسلیم کیا جائے، اور ان کی کسی قسم کی کوئی تاویل نہ کی جائے، یہ ایک امریکی تحریک تھی جو ۲۰ ویں صدی عیسوی کے آغاز میں امریکہ کے پروٹسٹنٹ عیسائی فرقوں میں پروان چڑھی، اور عیسائی جدت پسندی کی سخت مخالف تھی۔

اس کے ساتھ وہ بنیاد پرست جماعت دوسرے عقیدے جیسے حضرت عیسیٰؑ کی مشہور دوبارہ جسمانی آمد، کنواری مریم کے بطن سے ان کی پیدائش، حضرت عیسیٰؑ کے جی اٹھنے (عیسائی عقیدے کے مطابق بعد از صلیب) اور عیسائیت کے تصور کفارہ پر زور دیتی تھی، بنیاد پرستی کا وجود بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں امریکہ کے سیکولر اور مذہبی معاشرے میں جدید رجحانات کی مخالفت کی بنا پر ہوا، ۲۰ ویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس تحریک کی نمائندگی چرچ کی مختلف انجمنوں، تعلیمی اداروں اور بعض مخصوص تنظیموں نے کی، بنیاد پرستی کی جڑیں سہ ہزاری تحریک میں ملتی ہیں، جس کا آغاز ۱۸۳۰ اور ۱۸۴۰ء، کی دہائیوں میں حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کے بارے میں امریکی معاشرے میں پائی جانے والی پرجوش توقع کے ساتھ ہوا۔

جدید بنیاد پرستی کا بیشتر ڈھانچہ بائبل انسٹی ٹیوٹ اور بائبل کالجوں کی دین ہے، جن میں سے اکثر اساتذہ طلبہ کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ اپنے پرچے شائع کرتے تھے، اپنے اسٹیشنوں

سے پروگرام نشر کرتے تھے، کانفرنسیں منعقد کرتے تھے، اور مقررین کا ایک جتّھا تیار کرتے تھے، بعدازاں ۱۹۵۰ کی دہائی میں امریکہ میں کمیونزم کے خطرے نے فنڈا منٹلزم کو کافی تقویت دی، آکسفورڈ انسائکلو پیڈیا آف موڈرن اسلامک ورلڈ نے بھی اسکی تائید کی ہے۔

معروف مسلم اسکالر ڈاکٹر انیس احمد اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''قرآن کریم، انسان، خالق کائنات اور کائنات کے حوالے سے عملا ہر صفحے پر بار بار انسانوں کو، اہل کتاب کو اور مسلمانوں کو الگ الگ تفکر، تدبر، تفہیم، شعور، مشاہدہ، تفقہ اور ادراک کی تعلیم دیتا ہے، قرآن کریم کی ہر ہر آیت کو سمجھنے کیلئے نہ محض اس کے لغوی، نحوی مفہوم کا بلکہ اسکے قانونی، اخلاقی، معاشرتی، سماجی اور نفسیاتی مفہوم کا تعین بھی کیا جاتا ہے، اور یہ کرتے وقت ایک مفکر کسی ایک پہلو کو دوسرے پر فوقیت دیتا ہے، جس کی بنا پر تفاسیر کی تقسیم کی جاتی ہے، کوئی تفسیر ماثور کہلاتی ہے، کوئی بالرائے ہے، کوئی فقہی رنگ رکھتی ہے، اور کسی پر تصوف وکلام کا اثر نظر آتا ہے، گویا امت مسلمہ نے آج تک قرآن کے بارے میں حرفیت یا لفظیت کو اختیار نہیں کیا''۔

ایک اور مسلم دانشور اکبر ایس احمد کیمطابق مسلمانوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اسلام ایک بہتر نظام زندگی ہے، جسمیں سماج، سیاست اور معیشت سبھی شامل ہیں، مسلمانوں میں یہ عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی (موجودہ) ناکامی کا سبب یہ ہیکہ انھوں نے اسلام کا سیدھا راستہ چھوڑ دیا ہے، اور سیکولر مغربی مادی نظریات کو اختیار کرلیا ہے، مسلمانوں میں یہ بھی احساس پایا جاتا ہے کہ سماج کی تجدید و اصلاح کیلئے اسلام کی طرف پلٹنا ضروری ہے، یہ مسلمان مغربیت کو تو مسترد کرتے ہیں لیکن جدیدیت Modernism کے مخالف نہیں، سائنس اور ٹیکنالوجی کو یہ قبول کرتے ہیں، لیکن انہیں اسلام کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔

ھارون: سیکولر کہلانے والے سیاست داں بالخصوص اصحاب اقتدار اور صحافی عام طور پر خالص مذہب پسندی کو بنیاد پرستی (Fundamentalism) قرار دیکر اس کا رشتہ دہشت پسندی کے ساتھ جوڑتے ہیں، گویا وہ مذہبی جذبات کے پاس ولحاظ کو ایک ایسی

انتہا پسندی تصور کرتے ہیں ،جس کا رشتہ تشدد سے ملا ہوتا ہے ۔ چنانچہ ۱۹۶۷ کی عرب اسرائیل جنگ کا حوالہ دیتے ہوئے برناڈ لوئس اور دیگر یورپین اسکالر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام اور مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے لئے برابر خطرہ بنے ہوئے ہیں، اس کے مطابق اسلام اپنے ابتدائی دور سے ہی طاقت کا مذہب رہا ہے، اور اس کے ماننے والوں میں ابھی تک یہ نقطۂ نظر عام ہے کہ طاقت اور اقتدار صرف اور صرف مسلمانوں کے اختیار میں ہی ہو، دوسروں کے ساتھ رواداری تو برتی جاسکتی ہے، مگر اس وقت جبکہ وہ مسلمانوں کی برتری تسلیم کرلیں۔

امریکی پروفیسر سموئیل ہننگٹن اسکی دلیل کے طور پر اسپین کو پیش کرتے ہیں کہ آٹھ سو برس تک مسلمانوں کی حکومت میں رہنے کے باوجود یورپ والوں نے مسلمانوں کے ساتھ رہنے میں خود کے لئے شرم وعار محسوس کیا تھا۔

اسپین میں دوبارہ قبضے تک یورپ مسلسل اسلامی خطرہ کے سائے میں رہا ہے، اسلام وہ واحد تہذیب ہے جس نے یورپ کی بقا کو خطرے میں ڈالا ہے، ہننگٹن کے خیال میں مسلمان یورپی تہذیب وکلچر کو مادیت زدہ ،بدعنوان ،زوال پزیر اور اخلاق واقدار سے خالی سمجھتے ہیں، عام مسلمانوں کی نظر میں یورپی سیکولرزم، لامذہبیت کا نام ہے جسمیں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اسی طرح کے خیالات مسلمانوں کو دہشت گردی اور تشدد پر ابھارتے ہیں، دنیا بھر میں دہشت وخوف کا ماحول پیدا کرنا ہی ان کا کام ہے۔

تو اس اعتراض کا جواب دیں کہ دہشت گردی کی تاریخی حقیقت کیا ہے؟ مسلمانوں پر ہونے والے اس اعتراض کی حقیقت کیا ہے؟ اور یہ جملہ کہ ''تمام مسلمان دہشت گرد نہیں ہے، لیکن دہشت گرد سب مسلمان ہیں'' اس کا بھی تشفی بخش جواب بیان فرماویں۔

نعمان : جن قوموں نے گذشتہ تین صدیوں سے زمین کو انسانی خون سے لالہ زار کر رکھا ہے، جنہوں نے ایشیا وافریقہ اور امریکہ وآسٹریلیا کی انسانی شکارگاہوں میں غارت

گری کا زبردست ریکارڈ قائم کیا ہے، انہوں نے اس الزام کیلئے انہی مسلمانوں کا انتخاب کیا، جن کے خون سے خود ان قوموں کے ہاتھ سب سے زیادہ رنگین ہیں۔

اگر ظلم کے ان اماموں نے دنیا کی عقل پر میڈیا کے ذریعہ جادو نہ کر دیا ہوتا، تو دنیا ان سے پوچھتی کہ تین صدیوں کی خونریزیوں کا حساب دینے سے پہلے تم کو یہ حق کس نے دیا کہ تم امن وسلامتی کے بارے میں گفتگو کرسکو؟ دنیا کیوں بھول گئی ؟ ہندوستانی، افریقی اور پھر جاپانی کیوں بھول گئے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ہندوستان کا چپہ چپہ آج بھی شہیدوں کے خون سے مہک رہا ہے، اگر دنیا کے پاس عقل ہوتی تو وہ اس جھوٹ کو یہ کہہ کر سننے سے انکار کر دیتی کہ یہ سب اپنے عالم گیر جرائم پر پردہ ڈالنے کی مکارانہ کوشش ہے اور کچھ نہیں۔

یورپ وامریکہ والوں کا خیال یہ ہیکہ تاریخ میں سب سے زیادہ خونریزی مذہب کے نام پر ہوتی ہے، حالانکہ مذہب پر الزام تراشی کرنے والے اگر موجودہ صدی میں قوم پرستی اور ترقی پسندی کیلئے ہونے والی ہولناک خونریزیوں پر غور کریں تو مذہب انہیں بہت معصوم نظر آئے گا، پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں مذہب کہاں تھا؟ اشترا کی روس کی بھیانک تطہیرات Purges میں مذہب کا بھی کوئی حصہ ہے؟ ویت نام میں امریکہ کی یا افغانستان میں روس کی بے جا مداخلت یا فلسطین میں اسرائیل کی درندگی یا الجزائر میں فرانس کی سفا کی یا حبشہ میں اطالیہ کی بربریت، کسی کا بھی تعلق کسی مذہب سے نہیں ہے۔

تقریبا ۲۰-۲۲ سال سے دہشت گردی کے تعلق سے ڈھیر ساری تحقیقات منظر عام پر آچکی ہیں، جسکی تعداد بعض اسکالروں کی تحقیق کے مطابق تو سو تک پہنچ چکی ہے، کیا یہ اتنا پیچیدہ لفظ تھا کہ دنیا کے عقلمندوں کی عقلیں اسکو سمجھنے سے قاصر رہی، ایسا کچھ بھی نہیں تھا، پہلے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کیلئے ایک اصطلاح (دہشت گردی) گھڑ لی گئی، پھر اسکی تشریح خود کو بچانے اور دوسروں کو پھانسنے کے انداز میں کی جاتی رہی، اسے قومی، شخصی، لسانی، تہذیبی،

معاشی، سیاسی اور نسلی جیسے ایک سو دس (۱۱۰) خانوں میں تقسیم کر کے الجھاؤ اور بڑھایا گیا، تا کہ ان کی دہشت گردی کو قیام امن اور دوسروں کے دفاع کو دہشت گردی کا نام دیا جا تا رہے۔

وہ فتنہ و شر کے پروردہ	-	تخریب کا ساماں لاکھ کریں
ہم بزم سجانے آئے ہیں	-	ہم بزم سجا کر دم لیں گے

امریکہ جسے چاہتا ہے، جب چاہتا ہے، دہشت گرد قرار دیکر اپنے لئے دہشت گردی کا جواز فراہم کر لیتا ہے، مختلف ممالک میں اسکی بے جا مداخلت کی داستانیں اور اب تو مظلوموں کی چیخ و پکار کی صدائے بازگشت کا انہیں کی پارلیمنٹ کے ایوانوں سے اٹھنا گھر کے بھیدی کی گواہی نہیں تو اور کیا ہے؟

کچھ جہل نے فتنے پھیلائے، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی، انسان سے انساں ٹکرائے
پامال کیا ، برباد کیا ، کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم و ستم حد سے گزرے، تشریف محمد ﷺ لے آئے

پروفیسر کلیم الدین احمد اور آکسفورڈ کی انگریزی ڈکشنریوں سے ہمیں دہشت گردی کے بارے میں کئی اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، (۱) پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے، جو ذرا سی تبدیلی سے انگریزی اور دوسری زبانوں میں استعمال ہونے لگا ہے، اس کا معنی دہشت گردی ہے گویا Fundamentalism کی طرح یہ لفظ بھی یورپ ہی کی دَین ہے۔ (۲) اس لفظ کا استعمال انقلاب فرانس کے زمانے میں سیاسی وانقلابی فرقہ جیکوبی کے ایک فرد کیلئے کیا گیا تھا، (۳) روس کے انقلاب پسندوں کیلئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا، کیونکہ دہشت گرد طریقہ سے انہوں نے روس میں انقلاب برپا کیا تھا۔

مسلمان اور عیسائی دونوں بڑی قومیں ہیں، دونوں قوموں میں دہشت گرد کون ہے؟ اسکا

موازنہ کرنے کے لئے صلیبی جنگوں کے زمانہ سے بہتر اور کوئی زمانہ تاریخ میں نہیں مل سکتا، پوری دو صدیوں تک یہ دونوں قومیں ایک دوسرے سے برسرِ جنگ رہیں۔

عیسائی مؤرخین کے اندازے کے مطابق ان لڑائیوں میں ساٹھ لاکھ کے قریب انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔11 ویں صدی عیسوی کے آخر میں مسلمانوں کے خلاف تعصب، جہالت اور ہوس ملک گیری کا جو طوفان یورپ میں برپا ہوا، اس نے جب ایشیا کا رخ کیا، تو انسانیت اور شرافت نے اپنا سر پیٹ لیا، کہنے کو تو ان لوگوں کی جنگ آزمائیوں کو مقدس لڑائیوں (Holy Wars) کا نام دیا جاتا ہے، لیکن صلیبی مجاہدوں Crusaders سے ایسے ایسے افعالِ شنیعہ سرزد ہوئے کہ مغربی مؤرخین بھی نہایت ندامت کے ساتھ ان کا اعتراف کرتے ہیں، صلیبی لڑائیاں صحیح معنوں میں اہل یورپ کی جہالت و وحشت کا نقشہ کھینچتی ہیں، صلیب کے جھنڈے تلے ان لوگوں نے ایسے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا کہ ارض وسما کانپ اٹھیں، بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کیا، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالے، بوڑھوں اور اپاہجوں تک کے بند بند کاٹ کر ہوا میں بکھیر دئے، اگر مسلمان نہ ملے تو بے گناہ یہودیوں پر اپنی چھریاں تیز کیں، جوش وجنون میں یہ لوگ اس قدر بدمست ہو گئے کہ انسانی گوشت کھانا شروع کر دیا، عیسائی مؤرخ ملز (Mills) اور وان سبل (Von sybel) اعتراف کرتے ہیں کہ عیسائی افواج کے کیمپوں میں مسلمانوں کا گوشت دن دہارے بکتا تھا۔

اور سنئے! بیسویں صدی کی تاریخ میں گوریلا جنگ اور خفیہ توڑ پھوڑ کا پہلا تجربہ بھی مغرب کے ایک فرزند ڈی ای لارنس نے کیا، بیسویں صدی میں پہلی جنگ عظیم کے دوران گوریلا جنگ خوب پھیلی، کمیونسٹ بلوک نے اسکو اپنا محبوب ہتھیار بنالیا، اور ماوزے تنگ لارنس کے بعد دنیا کا دوسرا گوریلا لیڈر رہے، جس نے اس طرز جنگ کو نقطۂ عروج تک پہنچایا، اسی عہد میں نسوشن (Nasution) نے انڈونیشیا میں، گیاپ (Giop) نے ویت نام

میں اور چی گویرا (Che Guevara) نے لاطینی امریکہ میں گوریلا جنگ کا حربہ استعمال کیا۔

بہر حال بیسویں صدی کے وسط میں سیاسی دہشت گردی کا محور ماؤنواز اور جدید انارکسٹ (New Anarchist) بنے رہے، جو ساری دنیا کو اپنے سیاسی نظریات کے سانچے میں ڈھالنے پر کمر بستہ تھے، ان کو ماؤ، لینن اور چی گویرا وغیرہ کی تحریروں سے جوش اور ہیجان حاصل ہوتا تھا۔

اسی طرح نسل پرستی اور قوم پرستی کے جنون نے دنیا میں متعدد دہشت گرد تنظیموں کو جنم دیا، جرمنی اس کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے، مغربی جرمنی کی بادر منہاف (Baadar Meinhof) دہشت گردوں کی سب سے خطرناک جماعت رہی ہے، پھر جاپان کی ریڈ آرمی نے اس میدان میں خاصے کارنامے انجام دیئے، بین الاقوامی سطح پر اروگوے، برازیل اور آئرلینڈ میں گوریلا جنگ اور دہشت گردی کے کافی بھیانک واقعات ہوئے، پھر یہ آگ (مغربی ممالک کے فلسطین کی سرزمین پر طاقت کے زور سے ایک یہودی ریاست قائم کرنے کے بعد) مشرق وسطی کی سرزمین تک پہنچی، انگریز حکومت کے خلاف یہودی دہشت گردوں نے فلسطین میں بم دھماکے کر کے مشرق وسطیٰ کو سب سے پہلے خوف زدہ کیا، اور ہندوستان کی سرزمین بیسویں صدی کے نصف آخر میں متعدد دہشت گرد تنظیموں کی تاخت وتاراج کا نشانہ بنی۔

ملک کے اندر جن بڑی دہشت گرد تنظیموں نے سر اٹھایا، ان میں آنند مارگ سب سے نمایاں تھی، اسکے علاوہ خالصتان اور جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ بڑے طاقت ور گروپ بن کر سامنے آئے، ناگالینڈ، منی پور، میزورم، تری پورا اور آسام کے لوگ کچھ باہری طاقتوں کے اشارے سے شورش برپا کرتے رہتے ہیں، انکی متعدد تنظیمیں سرگرم عمل ہیں، مثلا ناگا فیڈرل گورنمنٹ (.M.F.G) نیشنل سوشلست کونسل آف ناگالینڈ (.N.S.C.N) یونائیٹڈ لبریشن

فرنٹ آف آسام (ULFA) آسام پیلپز لبریشن آرمی (APLA) بودوالڑاز ، جھارکھنڈ اکٹوسٹ وغیرہ ، گویا ملک کے سرحدی علاقوں میں خاص طور پر آسام ، پنجاب ، کشمیر اور تامل ناڈو میں اس طرح کی تنظیموں کو تقویت ملی ، کمیونسٹوں نے بھی بہت سے تشدد پسند اور دہشت گرد پیدا کئے ، انمیں زیادہ تر چین سے مدد حاصل کرتے رہے ، اسوقت نکسل وادیوں نے ملک کی کل ۱۶ ریاستوں میں ہتھیار بند حملوں کے ذریعہ اپنا دامن پھیلایا ہے ، یہ سب دہشت گردی نظر نہیں آرہی ہے ، اور نہتے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے نئے نئے قوانین بنائے جارہے ہیں ، لیکن قدرت کا اٹل قانون ہے ؎

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں	- ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ھارون : جب حالات اس قدر نازک ہوگئے ہیں ، تو پھر ان حالات سے نپٹنے کیلئے امت مسلمہ کو آپ کیا پیغام دینا مناسب سمجھتے ہیں ، جس کی بنیاد پر ہمارا مستقبل روشن ہو ، اور ہم عزت کی زندگی بسر کرسکیں ۔

نعمان : اسلامی تہذیب نے جدید تہذیب اور عام انسانی میراث میں علم وفکر ، فلسفہ و قانون اور فن وادب کے نئے نئے میدان سر کئے اور اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ، جسکی وسعت تیس لاکھ مخطوطات سے زائد ہے ، یہ قیمتی سرمایہ یورپ ، ایشیا ، افریقہ اور عرب ملکوں کے بڑے اور عالمی کتب خانوں میں محفوظ ہے ، اس تہذیب نے ۱۴ سو سال سے زائد عرصہ میں تہذیبوں کے مابین مثبت اور تعمیری مفاہمت کی درخشاں مثالیں پیش کی ہیں ، جس کی بدولت مختلف مذاہب ، طبقات ، نسلوں اور ثقافتوں کے درمیان بقاء باہمی کی خوش گوار فضا پائی جاتی تھی ، اور آج بھی مسلمان اسی طرح امن وامان اور سکون کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں ۔

البتہ ظلم وستم کی بھی ایک حد ہوتی ہے ، سفاکیاں اور چیرہ دستیاں کبھی کبھی مظلوم قوم کے کچھ افراد میں ردعمل کی نفسیات اور حدود سے تجاوز پیدا کر کے کچھ لوگوں کو غلط قسم کے اقدامات

پرآمادہ کردیتی ہیں، طویل مظلومیت کی بناپر ہم میں سے ہی کچھ لوگ اس طرح بے چین ہوئے کہ ان کے ہاتھ سے علم ودانش اور ہوش مندی دونوں کے دامن چھوٹ گئے ، انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کی بالکل غلط اور خلاف شریعت تشریح کی ،جس میں شریعت کی مقرر کردہ حدود کی رعایت نہیں کی گئی تھی ،انہوں نے علماء دین کی رائے کے بالکل خلاف ایسا انتہا پسندی کا راستہ اپنایا، جس سے اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی بھی ہوئی، اور وقت کے شیطانوں کو مسلمانوں پر ظلم اور اپنی ہوسناکیوں کے لئے بہانے بھی ملے۔

ایسے لوگوں کی تعداد اگر چہ کم تھی ؛مگر تھی ،اوران سے کچھ غلط حرکتیں بھی سرزد ہوئیں ، کچھ خاص عناصر طبقۂ عوام کو اپنی داخلی وخارجی پالسیوں اور کارروائیوں پر راضی ومطمئن یا کم ازکم خاموش رکھنے کیلئے عجیب وغریب طریقے پر مختلف ڈرامے کرتے رہتے ہیں،خود مغربی حکومتوں کے اعترافات کیمطابق مغرب کی سرزمین پر توڑ پھوڑ کی بعض خونی روائیتوں کے پیچھے یورپ کی ہی خفیہ ایجنسیوں کا ہاتھ رہاہے، پاکستان میں لال مسجد کے خونی واقعہ کے پیچھے حکومت نواز لوگوں کے طلبہ وطالبات کی شکل میں داخل ہونے کی بات حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب کے نام مدرسہ حفصہ کی ایک لڑکی کے چونکا دینے والے خط سے ظاہر ہوتی ہے۔ اوراسی طرح ہندوستان میں بھی بم دھماکے کرنے کے بعد کسی نام نہاد تنظیم کی طرف سے اسکی ذمہ داری قبول کرنا یا کچھ لوگوں کا ڈرامائی انداز میں پکڑا جانا ایک بڑی سازش کا حصہ ہے،جن کی بعد میں عدالت سے بے قصور ثابت ہوکر رہائی بھی ہوجاتی ہے،اسی طرح مسلم قوم کو بدنام کرکے کچھ مسلم نوجوان اپنا الّو سیدھا کرلیتے ہیں،اور دہشت گرد سیاسی تنظیموں کو ہندوتو کے نام پر ووٹ مل جاتا ہے۔

حالیہ دنوں میں امریکی خفیہ ایجنسی ’’ایف. بی.آئی.‘‘ کے ایجنٹوں کے متعلق پتہ چلا کہ وہ

مسلم نوجوانوں کا برین واشنگ کرنے کے لئے مسلمانوں کے بھیس میں مسجدوں میں جاتے ہیں، اور جہاد کے نام پر ان کو مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث کردیتے ہیں، اس طرح یمن میں ایک ''اسلامی جہاد'' نامی جعلی تنظیم کا پردہ فاش ہوا۔ اس تنظیم کے سرغنہ بسام الحیدری کے متعلق معلوم ہوا کہ اس کا اِی میل کے ذریعہ براہ راست اسرائیلی وزیر اعظم سے تعلق تھا۔

سب سے اہم بات یہ ہیکہ اسوقت جدید مادی تہذیب کو خواہشات نفسانی و شیطانی کے امراض لاحق ہیں، جو اخلاقی قدروں کو نابود کردیتے ہیں، چنانچہ مادی تہذیب کے انہیں امراض کے مارے مغربی مفکرین نے تہذیبوں کے تصادم کے نظریات پیش کئے، اور اختلافات و تنازعات کو اس کا پہلا سبب قرار دیا، اور یہ فیصلہ صادر کردیا کہ موجودہ دنیا میں مملکتوں، قوموں اور اکثریت واقلیت کے مابین جو کشمکش، تنازعات اور جنگیں جاری ہیں، وہ اسی تصادم کی وجہ سے ہے، لیکن یہ محض مادی و سطحی توضیح ہے، درحقیقت انہیں اسباب کی بنا پر قدیم تہذیبیں زوال پزیر ہوئیں، اور صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ انگریز مصنف ایڈورڈ گبن نے رومن تہذیب کے زوال کے یہی اسباب بتائے ہیں۔

اسی کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کا کردار اور مشن یہ ہے کہ تہذیبوں کے مابین تصادم اور کشمکش کے نظریہ کا مقابلہ کرنے کے لئے گفتگو و مذاکرات کی بات کی جائے، یقینی طور پر اسلامی تہذیب اپنے اصول ومبادی، صدیوں پر محیط اپنے تجربات اور رواداری والی روایات کی بنیاد پر آج بھی مختلف تہذیبوں کے درمیان مذاکرات کی قیادت کرسکتی ہے، یہی اسلام کی تعلیمات کا منشاء بھی ہے جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے ''ہم نے آپ کو سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' (انبیاء: ۱۰۷) اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں مکارم اخلاق کی تعلیم کے لئے بھیجا گیا ہوں''۔

ھارون : ماشاءاللہ مولینا صاحب آپ نے تو ہمارے تمام اعتراضات کے تشفی بخش اور موڈرن حوالوں کے ساتھ بہترین معلومات اور مدلل انداز میں جوابات پیش کیئے، فجز اکم اللہ خیرا۔۔۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

شہادتِ حضرت حسینؓ اور عظمت صحابۂ کرام

شفیق: ارے کیا بات ہے؟ کئی دن سے روزانہ رات کو بہت دیر سے گھر پے آرہے ہیں؟ کیا کوئی شو چل رہا ہے یا کوئی فنکشن ہورہا ہے؟

ھارون: مسلمان ہوکر تمہیں معلوم نہیں کہ یہ محرم کا مہینہ چل رہا ہے، روزانہ رات کو شہید کربلا حضرت فاطمۃ الزہراء کے جگر گوشہ سیدنا حضرت حسینؓ کی شجاعت و بہادری اور میدانِ کربلا کے دردناک واقعات بیان کئے جاتے ہیں، جس کو سن کر ایمان تازہ ہوجاتا ہے، اور ہمارے دل میں بھی شہادت کی تمنا انگڑائیاں لیتی ہیں۔

شفیق: اوہو! شہادت کی تمنا لیکر ایسے سوتے ہیں کہ فجر کی نماز بھی میدان کارزار کی ہی نذر ہوجاتی ہے، بھائی! ہم کو تو ان تاریخی واقعات کے چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہئے، اس میں بہت سے منگھڑت قصے اور غیر مستند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں، جس سے صحابۂ کرام اور امّت کے مقدس برگزیدہ حضرات کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوجاتی ہے، جو ہمارے ایمان کیلئے بہت بڑا خطرہ ہے۔

ھارون: یہ سب واقعات تاریخی اعتبار سے ثابت نہیں ہے؟ اور کیا صحابۂ کرام کے درمیان یہ سب جنگیں نہیں ہوئی تھی؟ آخر جنگ جمل، جنگ صفین اور واقعۂ کربلا کیا یہ سب واقعات عالم بالا میں پیش آئے تھے؟ کیا ان میں دونوں طرف سے ہزاروں کی جان، مال اور عزت وآبرو داؤ پر نہیں لگی تھیں؟ پھر ایسے مستند واقعات کا انکار کیسے ہوسکتا ہے؟ جس سے تاریخ طبری، ابن اثیر کی الکامل، واقدی کی المغازی اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کے صفحات سیاہ ہوئے ہیں، تاریخ اور ریسرچ تو زندہ قوموں کا قیمتی ورثہ واثاثہ ہیں، اس میں ایسے حقائق پیش

کئے جاتے ہیں، جو قوموں کے عروج وزوال کے اسباب اور نتائج وعواقب سے واقف کرا کے ان کے لئے مستقبل کی صحیح راہ تجویز کرتے ہیں، آج یورپین اقوام اسلئے ہم سے آگے ہیں کہ انہوں نے اپنے بڑے بڑے لیڈروں کا احتساب اور اپنی کمزوریوں کا تجزیہ کر کے اپنے کو منظّم اور مستعد بنایا، اور ہم کبھی بھی اپنا احتساب کرنے، جائزہ لینے اور غلطی کو غلطی ماننے کیلئے تیار نہیں، لیجئے یہ کتاب (خلافت وملوکیت) پڑھئے، اس میں اسلامی خلافت کے اصول و ضوابط محقق ومدلل ٹھوس حوالوں کے ساتھ لکھے ہیں، اس کو پڑھکر آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسلام میں کہاں سے بگاڑ شروع ہوا، اور کیوں ہوا؟ اور اب ہم کو کیا لائحۂ عمل طے کرنا چاہیئے؟ اور اگر کسی بڑے سے بھی غلطی ہوئی ہو تو اسکی غلطی کو غلطی کہنا چاہئے، تقوی وتقدس کی جال میں پھنس کر حقائق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی کے علاوہ کسی کو بھی تنقید سے بالاتر نہیں سمجھنا چاہیئے۔

شفیق:

خدا خود جن کو دے اپنی رضامندی کا پروانہ	گھڑا کرتے ہیں کچھ ناداں انہیں پر اپنا افسانہ

ماشاءاللہ! آپ کے طرز تکلم، الفاظ کا پیچ وخم اور تاریخی ریسرچ وتنقید سے بالاتر والے الفاظ کسی اور مقصد تک پہنچانے کی سعیٔ لاحاصل کی غمّازی کر رہے ہیں، اس نے اس کتاب سے پہلے ہی آپ کی منزل کا پتہ بتا دیا۔

ھارون: یہ تو آپ لوگوں کی بہت پرانی عادت ہے کہ امت کو حقائق وصحیح واقعات اور اصول وضوابط بتانا تو بہت دور رہا، جو لوگ اس قسم کی کوشش کر کے امت کا گدلا پانی دور کرنا چاہتے ہیں، ان کی راہ میں بھی روڑا اٹکا کر اور ان کو غلط القاب سے نواز کر لوگوں کو ان سے بدظن کرتے ہیں۔

شفیق: بھائی! اسلام نے تحقیق وریسرچ سے منع نہیں کیا ہے، بلکہ تاریخ وقصص تو

قرآن کریم کے علوم خمسہ کا ایک اہم جزو ہے، گذشتہ قوموں کے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کرنے پر بہت سی آیات میں مذمت و برائی بیان کی ہے، سنئے! دنیا کو تاریخ کے اصول و قوانین سے اسلام نے ہی واقف کرایا، بلکہ تاریخ کو ایک مستقل فن اور ریسرچ کا میدان بنانے والے سب سے پہلے مسلمان ہی ہیں، انگریز مؤرخین کے بقول علامہ ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کو سب سے پہلے مرتب کیا، لیکن تاریخ بہرحال تاریخ ہے، اور قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اسکی حیثیت کم ہی رہے گی، حدیث شریف کی تحقیق وتنقید کے اصول وضوابط اور اسماء الرجال کی چھان بین کے قواعد بہت کڑے اور سخت ہیں، جبکہ تاریخ میں ایسی کوئی تحقیق نہیں کی جاتی ہے۔

نئی تعلیم پانے والے ہمارے نوجوانوں نے یورپ کی نقالی میں گرے مردے اکھاڑنے اور سوئے ہوئے فتنے بیدار کرنے کو اسلام کی بڑی خدمت سمجھا ہے، اور انہوں نے حضرات صحابۂ کرام کی شخصیتوں کو بھی امت کے عام افراد کی طرح صرف تاریخی روایات کے آئینہ میں دیکھا اور تاریخ کی سچی جھوٹی روایات کے مجموعہ سے وہ جس نتیجہ پر پہنچے؛ وہی مقام انہوں نے حضرات صحابۂ کرام کیلئے تجویز کیا، قرآن وحدیث اور امت کے اجماعی عقیدہ نے جو امتیاز صحابۂ کرام کی شخصیات کو عطا کیا، وہ انہوں نے نظر انداز کرلیا۔ قرآن کریم نے ان سب کے بارے میں **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** کا اور جمہور امت نے ان کی شخصیات کو اپنی جرح وتنقید سے بالاتر قرار دے کر **الصحابۃ کلھم عدول** کا پروانہ ان کیلئے لکھ دیا، جبکہ تاریخ کی جھوٹی روایات؛ جن میں روافض وخوارج کی روایات بھی شامل ہیں، ان میں سے چن چن کر وہ حکایات وروایات منظر عام پر لائے، جن سے ان کی مقدس جماعت کی حیثیت اقتدار پسند لیڈروں سے زیادہ کچھ نہیں رہی، تاریخی حقائق کے نام پر سیدھی بات کی غلط تعبیر اور رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں، اور اپنی بدفہمی یا کج فہمی سے اس میں رنگ آمیزی اور حاشیہ

آرائی کو تاریخی حقائق کا نام دیتے ہیں، مگر یہ نہیں جانتے کہ تاریخ سے کیا لے رہے ہیں؟ کیا چھوڑ رہے ہیں، اور اپنی طرف سے کس کا اضافہ کرتے ہیں؟

هــارون : آخر صحابۂ کرام انسان ہی تھے، فرشتے نہیں تھے، وہ معصوم عن الخطاء نہیں تھے، ان سے لغزشیں اور غلطیاں ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں، یہ کہاں کا دین وایمان ہے کہ ان کی غلطی کو غلطی نہ کہا جاوے۔

شفیـق: صحابۂ کرام کو ہم بھی معصوم نہیں قرار دیتے ہیں، لیکن یہ سوال ضرور کریں گے کہ ان کی غلطیاں جانچنے کیلئے واقدی اور کلبی جیسے مؤرخین کا سہارا ڈھونڈھنے کی ضرورت پڑی، لیکن خدائے علام الغیوب جو صحابۂ کرام کے ظاہر و باطن سے باخبر تھے، ان کے قلب کی ایک ایک کیفیت اور ذہن کے ایک ایک خیال سے واقف تھے، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ انسان ہیں معصوم نہیں، انہیں یہ بھی علم تھا کہ آئندہ ان سے کیا کیا لغزشیں صادر ہوگی، ان تمام امور کا علم محیط رکھنے کے باوجود جب اللہ تعالی نے ان کو **رضی اللہ عنهم ورضوا عنه** کا اعزاز عطا فرمایا، کیا یہ اللہ تعالی سے صریح مقابلہ نہیں کہ وہ تو صحابۂ کرام کو اپنی رضائے دائمی کا اعلان فرمائیں، مگر شیعہ، خوارج اور مودودی صاحب ان سے راضی نہ ہو؟

میں کہہ دوں کیوں نہ اے ظالم خدا سے تجھ کو بیگانہ –	خدا کی رائے سے بھی منحرف تو ہے، معاذ اللہ

دوسری طرف ان کی غلطیوں کے مقابلہ میں ان کی نیکیاں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے دیکھئے، سب سے پہلے تو ان کو آپ ﷺ کی محبت و رفاقت کا جو شرف حاصل ہوا ہے، پوری امت کے اعمال حسنہ ملکر بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے، پوری امت کی نمازیں ملکر بھی آپ ﷺ کے پیچھے پڑھی جانے والی انکی دو رکعت نماز کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے، آپ کی دعوت پر کسی صحابی کا ایک سیر جَو امت کے پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے سے بھی افضل ہے، اس شرف صحابیت کے علاوہ ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ مدرسۂ نبوی کے ایسے طالب علم تھے جن

کے معلم وہادی خود رسول ﷺ تھے، جن کا نصاب تعلیم ملأ اعلی میں مرتب ہوا تھا، جن کی تعلیم و تربیت کی نگرانی براہ راست وحی آسمانی کر رہی تھی، اور جن کا امتحان خود خدائے علام الغیوب نے لیا، اور ہر پہلو سے ان کی تعلیم و تربیت کا امتحان ہو چکا تو خالق کائنات نے انہیں **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** کی ڈگری عطا فرما کر آنے والی پوری انسانیت کی تعلیم و تربیت اور تلقین وارشاد کا منصب تفویض کیا، اور **کنتم خیر امة اخرجت للناس** کی مسند ان کیلئے آراستہ فرمائی، بلکہ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صرف صحابۂ کرام کی جماعت ہی ایسی ہے کہ جن کی تعلیم و تربیت بھی وحی الٰہی کی نگرانی میں ہوئی، اور **آمنوا کما آمن الناس** کہہ کر معیار ایمان کا درجہ اور سند وفضیلت بھی خود خداوند قدوس نے عطا کی۔

مفسدوں کی فتنہ پردازی ہوئی	-	باعث خونریزئ جنگ جمل
ورنہ شیر حق سے طلحہ اورزبیر	-	چاہتے ہرگز نہ تھے جنگ و جدل

ھارون : لیکن آپ سے یہ دریافت کرنا ہیکہ اس کتاب میں ملوکیت کی جو شکل پیش کی گئی ہے، اور اس میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں تاریخی حوالوں سے جو لکھا گیا ہے، مثلا مال غنیمت میں خیانت، حضرت علیؓ پر سب وشتم، اظہار رائے کی آزادی پر پابندی، استلحاق زیاد، یزید کی ولی عہدی، گورنروں کی زیادتیاں وغیرہ بہت سے امور ہیں جو حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کئے جارہے ہیں، ان سب واقعات کی حقیقت کیا ہے؟ ان سب کو سچے واقعات مانتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ ایک صحابی رسول ﷺ کے شایان شان نہیں ہے۔

شفیق: بھائی! ان سب اعتراضات کے تفصیلی جوابات حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اس کتاب (حضرت امیر معاویہؓ تاریخ وحقائق کے آئینہ میں) میں محقق ومدلل انداز میں پیش کئے ہیں، سب کا خلاصہ یہی ہے کہ مودودی صاحب نے بھی اسی انداز سے قلم

چلایا جس انداز سے ان سے پہلے مولانا احمد رضا خان صاحب چلا چکے ہیں کہ اپنے مقصد کی عبارات ثابت کرنے کے لئے کانٹ چھانٹ، آگے پیچھے کرنا بلکہ اپنی طرف سے عبارت میں اضافہ کرنے سے بھی باز نہیں آئے، اس طرح کسی بھی اچھی بات کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے، مودودی صاحب جو تحقیق وریسرچ کے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ کھڑے ہوئے ہمیں ان سے توقع نہیں تھی کہ وہ صحابۂ کرام کے بارے میں بھی ایسی کذب بیانی اور جھوٹی باتوں کا سہارا تلاش کرینگے، لیکن مودودی صاحب نے ایسا کیا، اور اپنے یورپی آقاؤں کے انداز ریسرچ کی مشق میں وہ ان سے بھی آگے نکل گئے، مثال کے طور پر سنئے!

حضرت معاویہؓ پر بدعت کے الزام کے ماتحت مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی، اسکے تقاضے وہ ہر جائز وناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے، اوراس معاملہ میں حلال وحرام کی تمیز روانہ رکھتے تھے، یہ پالسی حضرت معاویہؓ کے عہد سے شروع ہوگئی تھی، مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو ذکر کرکے امام زہریؒ کی روایت پیش کرتے ہوئے لکھ دیا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانۂ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آکر اس بدعت کو ختم کیا، حالانکہ اصل عبارت البدایہ والنہایہ ج:۸، صفحہ:۱۳۹، ج:۹، صفحہ ۲۳۲ پر اس طرح مذکور ہے: **فلما قام عمر بن عبدالعزیز راجع السنة الاولی** یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ہونے کے بعد پہلی سنت کو لوٹایا، مودودی صاحب نے **السنة الاولی** کا ترجمہ بدعت سے کرکے اپنے بدعتی ہونے کا ثبوت پیش کیا، دوسری بات یہ ہیکہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، اس اختلاف کو علامہ عینی نے عمدۃ القاری اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں تفصیل سے نقل فرمایا ہے، اور حضرت معاویہؓ وحضرت معاذ بن جبلؓ نیز تابعین کی ایک بڑی جماعت کا مسلک قرار دیا ہے،

گویا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور حضرت معاویہ کو مجتہد ہونے کی وجہ سے اس کا حق تھا، یہ ایک مثال بطور نمونہ کے ذکر کردی، تمام اعتراضات کی یہی حقیقت ہے، مزید تفصیل کیلئے یہ کتاب فرصت سے پڑھنا، حضرت معاویہ پر ہونے والے تمام اعتراضات کی حقیقت اور ان کے تفصیلی جواب آپ کو مل جائیں گے۔

ھارون : آپ کی باتوں نے مجھ کو سوچ میں ڈال دیا، میں نے تو مودودی صاحب کو ایک بہت بڑا مفکر، تاریخ داں اور سچائی کا علمبر دار سمجھا تھا، وہ ایسی گھناؤنی حرکت پر اتر آئے اسکا تو تصور بھی نہیں تھا۔

اچھا یزید کی بیعت اور اسکو ولی عہد بنانے کی جو کوشش کی گئی، اور اس میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ذات گرامی کو مودودی صاحب اور دوسرے مؤرخین نے نشانہ بنایاہیکہ آپ نے سب سے پہلے اپنی گورنری بچانے کیلئے حضرت معاویہ کو خوش کرنے کا ایک بہانہ تلاش کر کے یہ پیش کش کی، تو اس بات میں مودودی صاحب کہاں تک سچائی کا دامن تھامے ہوئے ہیں؟

شفیق: بھائی، یہ بھی مؤرخ ابن اثیر اور مودودی صاحب کی کرم فرمائی ہیکہ انہوں نے حضرت مغیرہؓ کی اس تجویز کو اپنی گورنری بچانے کا حیلہ قرار دیا، ورنہ ابن خلدون اور ابن کثیر نے صاف لکھا ہیکہ حضرت مغیرہؓ نے خود اپنے ضعف کی شکایت کر کے گورنری سے استعفی دے دیا، کیا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے صحابی جن کی ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گزری ہو، جو غزوۂ حدیبیہ کے ان خوش نصیب مجاہدین میں شامل ہو جن سے خوش ہونے کا اعلان خود اللہ تعالی نے کردیا ہو، جس صحابی نے اپنی آنکھ غزوۂ یرموک کے مقدس معرکے میں اللہ تعالی کیلئے قربان کردی ہو، جنھوں نے جنگ قادسیہ کے موقع پر پوری امت مسلمہ کا نمائندہ بن کر اپنی قوت ایمانی سے کسری کے ایوان میں زلزلہ پیدا کر دیا ہو، جنھوں نے آپ ﷺ سے ۱۳۶/احادیث روایت کی ہوں، اور جو اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اقتدار کی حالت میں گذار کر جاہ

ومنصب سے سیر ہو چکا ہو، وہ محض اپنی گورنری کی مدت بڑھانے کیلئے زندگی کے آخری ایام میں جھوٹ، فریب، ضمیر فروشی اور امت محمد ﷺ سے غداری جیسے سنگین اور گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں یاد رکھئے کہ

ایک صحابی سے بھی ہے گر سوئے ظن	-	ہے وہ بے شک لائق گردن زدن

ھارون : جلیل القدر صحابۂ کرام اور اکابرین کے ہوتے ہوئے یزید کی ولی عہدی کیلئے نامزدگی کیسے عمل میں آئی ؟ اور اکابر صحابۂ کرام نے اس مسئلہ میں کیا کردار ادا کیا ؟ خود حضرت معاویہؓ نے یزید کو اس امانت اور بار خلافت کا مستحق اور اہل کیسے سمجھا؟

شفیق: بھائی ! آپ نے بہت اہم سوال کیا ہے، اسکا جواب مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور سے سننا ہوگا، تا کہ ہم بھی خوارج اور روافض میں سے کسی کا مسلک اپنانے والے نہ ہوں۔

حضرت معاویہؓ کی ایک دعا علامہ ابن کثیر، حافظ ذہبیؒ اور جلال الدین سیوطیؒ نے نقل فرمائی ہے، جس میں آپؓ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یزید کو اسلئے ولی عہد بنایا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کا اہل ہے، تو اس ولایت کو اس کیلئے پورا فرمادے، اور اگر میں نے اسکو اسلئے ولی عہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے باپ ہونے کی وجہ سے محبت ہے، تو تو اس ولایت کو پورا نہ فرما اور خلیفہ ہونے سے پہلے ہی تو اسکی روح قبض کر لے، یہ دعا یزید کے بارے میں آپکی مخلصانہ رائے اور یزید کے اھل ہونے کی بھی غمازی کر رہی ہے۔

دوسری بات یہ ہیکہ یزید کی جو فاسق، فاجر اور گنہ گار ہونے کی گھناؤنی تصویر عموما ہمارے ذہنوں میں رچی بسی ہوئی ہے اسکی بنیادی وجہ کربلا کا المناک حادثہ ہے، ایک مسلمان کیلئے واقعی یہ تصوّر کرنا مشکل ہے کہ جس شخص پر کسی نہ کسی درجہ میں رسول اللہ ﷺ کے محبوب نواسے کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو، اسکو صالح اور خلافت کا اہل قرار دیا جاوے، لیکن

اگر حقیقت حال کی واقعی تحقیق مقصود ہو تو اس معاملہ میں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جا رہا تھا اس وقت حادثۂ کربلا واقع نہیں ہوا تھا، اور کوئی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یزید کی حکومت میں حضرت حسینؓ کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا جائے گا، اس وقت اس کا تصور ایک صحابی رسول اور خلیفۂ وقت کا شہزادہ ہونے کا تھا۔

اسکی ظاہری حالت صوم وصلوۃ کی پابندی، اسکی دنیوی نجابت اور انتظامی صلاحیت کی بنا پر حضرت معاویہؓ کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام اور تابعین کی بھی خلافت کی اہلیت کی رائے تھی، مشہور مؤرخ علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی تو آپ نے دعائیہ کلمات کے ساتھ فرمایا کہ وہ اپنے سے پہلوں کی طرح نہیں تھے اور ان کے بعد ان جیسا نہیں آئے گا، اور بلاشبہ ان کا بیٹا یزید ان کے صالح اہل خانہ میں سے ہے، لہذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت وبیعت اسے دے دو، دوسری طرف جلیل القدر صحابۂ کرام حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر وغیرہ کی موجودگی میں عدالت وتقوی کے جس معیار کی ضرورت تھی، ظاہر ہے کہ یزید اس پر پورا نہیں اترتا تھا اسلئے بعض صحابۂ کرام نے اس ولی عہدی کی کھل کر مخالفت کی۔

صحابۂ کرام کی ایک جماعت حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ وغیرہ جلیل القدر صحابۂ کرام کے مقابلے میں یزید کو خلافت کیلئے بہتر تو نہیں جانتے تھے، لیکن امت میں افتراق وانتشار برپا ہونے سے ڈرتے ہوئے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

خلاصہ یہ کہ یزید کے بارے میں صحابۂ کرام کا یہ اختلاف درحقیقت رائے واجتہاد کا اختلاف تھا، حضرت معاویہؓ نے اسے خلافت کا اہل سمجھنے کی وجہ سے ولی عہد بنانا چاہا، اور صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت دیانتداری کے ساتھ ہی ان کی ہم نوا تھی، اور جن پانچ صحابۂ کرام

نے اسکی مخالفت کی وہ بھی کسی ذاتی خصوصیت یا حرص اقتدار کی وجہ سے نہیں، بلکہ وہ بھی دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل نہیں ہے اور جمہور امت کا کہنا یہی ہے، یزید کی مخالفت کرنے والے صحابۂ کرام کی رائے تین وجہ سے صحیح تھی:

(۱) اس سے اسلام کے خلافت کے مطلوبہ شورائی نظام کے درہم برہم ہونے کا خطرہ تھا، (۲) حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یزید کا فسق وفجور قابل اعتماد روایات سے اگرچہ ثابت نہیں ہے، لیکن امت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو صرف دیانت وتقوی بلکہ ملکی انتظامات اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلہ میں بدرجہا بلند مقام رکھتے تھے، اور جو اس کے ہر لحاظ سے اہل تھے، (۳) نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کو ولی عہد بنانا بھی شرعا جائز تو ہے، لیکن تہمت کا موقع ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا بہتر ہے، اسلئے تمام خلفائے راشدین نے اس سے پرہیز کیا۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے صلح کی تھی تو انہی کو اپنا ولی عہد بھی بنایا تھا، لیکن حضرت حسنؓ کی شہادت کے بعد یزید کی طرف آپ کا رجحان قوی ہو گیا، اور ان کا گمان تھا کہ فنون جنگ سے واقفیت اور انتظام سلطنت کی صلاحیت میں صحابۂ کرام کے صاحبزادوں میں سے کوئی یزید سے بہتر انتظام نہ کرسکے گا، اسلئے حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو، علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ یزید کو ولی عہد بنانے کی وجہ امت کے اتحاد واتفاق کی مصلحت تھی، کیونکہ بنی امیہ کی اکثریت جو اس وقت قریش کی بھی سربرآوردہ جماعت تھی، یزید کے علاوہ پر راضی نہ ہوتی۔ لہذا آپ نے افضل سے غیر افضل کی طرف رجوع کیا، حضرت معاویہؓ کی عدالت اور صحابیت اسکے سوا کچھ اور گمان کرنے سے مانع ہے۔

ھارون : یزید کے بارے میں لوگوں کی رائے مختلف ہیں، کوئی اسکو امام عادل بلکہ خلفائے راشدین کے برابر قرار دیتا ہے، تو کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ پکا کافر تھا، اور حضرت حسینؓ کی شہادت کے پیچھے اسکا اصل مقصد جنگ بدر کے اپنے کافر رشتہ داروں کا بدلہ لینا تھا۔

شفیق: یزید کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ نے بہت اچھی بات لکھی ہے کہ کچھ لوگوں کا یہ اعتقاد ہیکہ وہ صحابہ یا خلفائے راشدین یا انبیاء میں تھا، یہ اعتقاد بالکل باطل ہے، اور کچھ کا یہ کہنا کہ شہادت حسین کے پیچھے اس کا اصل مقصد اپنے کافر رشتہ داروں کا بدلہ لینا تھا، یہ دونوں قول باطل ہے، ہر عقلمند انسان ان اقوال کو باطل سمجھے گا، اسلئے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور شاہی طرز کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا، نہ وہ ایسا تھا جیسا پہلے گروہ نے کہا اور نہ ویسا تھا جیسا کہ دوسرے گروہ نے کہا۔

ھارون : اسی طرح محمود عباسی صاحب جیسے کچھ لوگوں کا حضرت حسینؓ کے بارے میں نعوذ باللہ یہ گمان تھا کہ ایک امام اور خلیفہ کی بیعت ہو جانے کے بعد اسکے خلاف خروج کرنا یہ بغاوت ہے، جسکے حضرت حسینؓ مرتکب ہوئے! دیکھئے؛ محمود عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہؓ ویزید'' اس میں عباسی نے سیدنا حضرت حسینؓ کو نعوذ باللہ باغی، نفس پرست، حب جاہ کا شکار اور اقتدار کا بھوکا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، محمود عباسی نے سیدنا حضرت حسینؓ کے بارے میں تین منصوبے تیار کئے (۱) یہ کہ حضرت حسینؓ کے صحابیت کے منصب ومقام کا انکار کرنا (۲) ان کے ذاتی کردار، عادات ومعاملات، اور (۳) ان کے فطری طور پر نعوذ باللہ گروہ سازی اور جوتھ بندی طبیعت والا ہونا ہے، تو اس سلسلہ میں شریعت کی روشنی میں آپ کا کیا فرمان ہے؟ اور عباسی صاحب کی بات کہاں تک صحیح ہے؟

شفیق: جہاں تک حضرت حسین بن علیؓ کی ذات گرامی کا تعلق ہے تو آپ کو دنیوی جاہ واقتدار کی ہوس نے ہرگز یزید کے خلاف آمادہ نہیں کیا، بلکہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل

اور خلافت کی جگہ بادشاہت کے طرز عمل نے آپ کو کلمۂ حق کیلئے آمادہ کیا، اور جہاں تک بغاوت کا تعلق ہے تو واقعہ کی حقیقت یہ ہیکہ یزید میں شرائط خلافت پائے جانے میں حضرت معاویہؓ اور حضرت حسینؓ میں اختلاف تھا، حضرت معاویہؓ کے نزدیک شرائط خلافت موجود تھیں، اور حضرت حسینؓ کے نزدیک شرائط خلافت کے فقدان کی وجہ سے یزید کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی تھی، دوسری بات یہ کہ بذریعۂ بیعت انعقاد خلافت کیلئے سب اہل حل وعقد کا اتفاق ضروری ہے، یزید کے بارے میں سب کا اتفاق نہیں ہوا، لہذا بذریعۂ بیعت بھی خلافت منعقد نہ ہوسکی، بالآخر بذریعۂ استیلاء وتغلب خلافت منعقد ہوگئی تھی، مگر حضرت حسینؓ جس وقت یزید کے مقابلہ میں نکلے تھے، اس وقت تک یزید کا پورے طور پر استیلاء وتغلب نہیں ہوا تھا، نہ حجاز میں نہ عراق میں، بلکہ حضرت معاویہ کے مقرر کردہ گورنر وامراء بھی آئندہ خلیفہ کے بارے میں مذبذب تھے، مگر حضرت حسین کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حالات میں اس قدر تیز رفتاری سے تغیر واقع ہوگیا کہ اس اقدام کی شرعی حیثیت بالکل بدل گئی، اور کوفہ وحجاز میں یزید کیلئے نہایت تیزی سے حالات سازگار ہوگئے، اور لوگوں سے طوعاً وکرھاً یزید کیلئے بیعت لی گئی، حضرت حسین کو جب یزید کی حکومت منعقد ہونے کا علم ہوا تو آپ نے خلافت سے دست بردار ہوکر واپس مدینہ منورہ آنے کا فیصلہ کرلیا تھا، مگر دشمن فوجوں نے آپکی جماعت کو گھیرے میں لے کر مدینہ منورہ واپس جانے نہ دیا، حضرت حسین نے عبیداللہ ابن زیاد کے فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے تین تجویزیں پیش کی تھیں:۔

(۱) مجھے مدینہ منورہ واپس جانے دو (۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو، تاکہ باقی زندگی جہاد میں گذاردوں (۳) مجھے یزید سے ملنے دو میں خود اسکا فیصلہ کرلوں گا، عمرو بن سعد

نے یہ تجویزیں ابن زیاد کو لکھ بھیجیں۔اور مشورہ بھی دیا کہ کوئی تجویز قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا جاوے، مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے یہ تجاویز مسترد کر دیں، اور حضرت حسینؓ کو اہل وعیال سمیت قید کرنے کا حکم بھیجا، اس وقت آپ کیلئے صرف دو ہی راستے تھے (۱) خود کو اہل وعیال سمیت گرفتار کروا کر ذلت قبول کر لیں (۲) مردانہ طریقہ سے مقابلہ کر کے شہید ہو جائیں، شریعت کسی کو اپنے نفس اور اھل وعیال ظالموں کے قبضے میں دینے پر مجبور نہیں کرتی، لہذا حضرت حسینؓ نے کمال عزیمت کا راستہ اختیار کر کے شہادت قبول کی، حضرت حسین کو یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا، لہذا آپ نے کسی بھی اسلامی قانون یا خلیفۂ عادل کی خلاف ورزی کر کے ہرگز نعوذ باللہ بغاوت کا ارتکاب نہیں کیا، ہاں ظالم تو وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ کی شرعی اور واجبی تجاویز مسترد کر کے آپ کو شہادت پر مجبور کیا،

ان کان رفضا حب آل محمد	–	فلیشهد الثقلان انی رافضی

بھائی، ''خلافت معاویہ و یزید'' کتاب کے مصنف محمود عباسی صاحب نے بھی مودودی صاحب کی طرح اور ایک بات ذہن میں سوچ لی ہے، اور تاریخی ریسرچ کے بہانے انہوں نے بھی اپنے سوچے ہوئے نظریات کیلئے تاریخ سے اپنی من پسند چیزوں کو لیا۔ اور اپنے نظریات کے خلاف عبارات کو یا تو ذکر ہی نہیں کیا یا اس کا غلط مطلب لیا، گویا جس طرح مودودی صاحب نے روافض کے اعتقادات سے بھرپور فائدہ اٹھایا، اسی طرح عباسی صاحب نے خوارج کے دلائل کو ترجیح دے کر راہ اعتدال کو چھوڑا، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سیدنا حضرت حسینؓ سے انتہائی درجہ کا بغض وحسد بلکہ عداوت ہے، لہذا حضرت حسین کی منقبت اور فضائل والی تمام عبارات حذف کر کے بلکہ اسکا غلط مطلب لیکر آپ کی تنقیص میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں، جبکہ دوسری طرف یزید کے فضائل میں ایران توران کے دلائل پیش کر کے یزید سے اپنی محبت وعظمت کا اظہار کیا گیا ہے، مثال کے طور پر سنئے: شیخ عبد

المغیث کی ایک کتاب یزید کی خوبیوں کے بارے میں ہے، جس میں انہوں نے عجیب وغریب قسم کی باتیں بیان کی ہیں، اس تصنیف کا رد علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب **الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید** میں بہت اچھا اور صحیح کیا ہے، محمود عباسی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۵ پر اس واقعہ کو البدایہ والنہایہ سے نقل کرتے ہوئے ابن الجوزی کی تصنیف اور ابن کثیر کے تبصرہ کا ذکر ہی نہیں کیا، جبکہ البدایہ والنہایہ میں یہ تذکرہ موجود ہے (۲) تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے صحاح ستہ کے راویوں کا ہی تذکرہ کیا ہے، البتہ جہاں کہیں دو ناموں میں اشتباہ ہوتا ہے وہاں اشتباہ دور کرنے کیلئے دوسرے کا نام بھی ذکر کرتے ہیں، اگرچہ وہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہ ہو، چنانچہ تہذیب التہذیب میں یزید کا تذکرہ بھی اشتباہ کی وجہ سے کیا ہے نہ کہ صحاح ستہ کے راوی ہونے کی حیثیت سے، حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ سنئے، **ذکرته للتمییز بینه وبین النخعی** ، یعنی یزید ابن معاویہ اموی کا ذکر میں نے یزید ابن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کیلئے کیا ہے۔

اب سنئے، عباسی صاحب نے حقیقت واقعہ کو چھپا کر تہذیب التہذیب میں یزید کا نام آنے کی وجہ سے اسکو صحاح ستہ کا راوی شمار کر لیا، یہ نسیان نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ ایسا کیا گیا۔

مزید تفصیل کیلئے یہ لیجئے، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی کتاب شہید کربلا اور یزید، اس میں عباسی صاحب کے تمام اعتراضات کے جوابات اور تاریخی غلط بیانیاں بلکہ خیانت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

ھارون : آپ حضرات کا بہت بہت شکریہ کہ میرے ذہن میں حضرات صحابۂ کرام کے بارے میں آنے والے تمام اعتراضات کے تشفی بخش اور محقق و مدلل جوابات سے نوازا۔

آپ دیوبندی مولویوں کا بہت احسان مند ہوں کہ آپ کی مجلس میں صحابۂ کرام اور شہادت حسینؓ کے سلسلہ کی نئی باتیں سننے کو ملی، ورنہ ہمارے رضا خانی علماء کرام کی تقریر تو اتنی

اِسپریٹ کے ساتھ ہوتی ہیکہ کیا بولتے ہیں اس کا خود ان کو بھی پتہ نہیں چلتا ،اور تھوڑی کچھ سمجھ میں آتی بھی ہے تو وہ صرف داستان دردوغم ،تعزیہ داری ماتم وغیرہ کے گھسے پٹے مضامین ہوتے ہیں۔

شفیق: آپ ہمارے جلسہ کے دوسرے مضامین اور صدر محترم کے ملفوظات سنیں گے تو ان شاء اللہ آپ کو اور بھی بہت کچھ جاننے کو ملے گا۔

ھارون : ضرور،ضرور، السلام علیکم......

غیر مقلدین کا اصلی روپ

سعید : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ھارون : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ارے بھائی! کئی روز سے نظر نہیں آرہے تھے، کیا کسی لمبے سفر میں گئے تھے؟ اور یہ سب بوریئے بسترے کے ساتھ کہاں سے آرہے ہیں؟

سعید: آپ کو معلوم نہیں کہ دہلی میں تحفظ سنت کانفرنس منعقد ہوئی تھی ،جس میں ہندوستان کے کونے کونے سے حضرات محدثین،فقہائے عظام اور اھل علم تشریف لائے تھے۔

ھارون : آپ حنفیوں دیوبندیوں کو سنت سے کیا لینا دینا، آپ کو تو فقہی سیمیناروں سے ہی فرصت کب ملے گی کہ سنت کی حفاظت پر کانفرنس منعقد کرنے جارہے ہیں۔ اور کانفرنس منعقد کر کے بھی آپ حدیث کی کیا خدمات انجام دے سکتے ہیں، کیونکہ آپ کے امام اعظم کو بھی سترہ احادیث یاد تھیں، مجھے تو آپ جیسے عقلمند وذہین پر افسوس ہورہا ہے کہ آپ اب تک ان حنفی مولویوں کے چنگل سے نکلے ہی نہیں جو ۱۳۰۰ سال سے امت کو اپنی اندھی تقلید کے ذریعہ بان کئے ہوئے ہیں، قرآن وحدیث کے صاف شفاف چشموں کی تقلید چھوڑ کر ان کے فرضی مسائل کی پیچیدگی میں آپ کو ایسا الجھادیں گے کہ موت تک آپ کو ابوحنیفہ وشافعی کے جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں مل سکے گی، ان کے دارالعلوموں میں بھی قال اللہ وقال الرسول کے بجائے ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد وغیرہ کی صدائے بازگشت سننے میں آئے گی، گویا صرف یہ چار آدمی ہی دین سمجھے ہوئے ہیں، ان کے بعد امت بانجھ ہوگئی ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے اجتہاد کا دروازہ بھی بند کردیا، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے: اذا قیل لھم اتبعوا ماانزل اللہ قالوا بل نتبع ماالفینا علیه آباء نا، تو کہیں فرمایا گیا

ہے: وجد نا آباء نا علی امة و انا علی آثار هم مقتدون ، قرآن کریم نے ایسوں ہی کوتنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله .

سعید :

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے	- یہ رعنائی یہ بیداری یہ آزادی یہ بے باکی
حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا؟	- رقابت ،خودفروشی ،ناشکیبائی ،ہوسنا کی

آپ تو ائمۂ اربعہ خصوصا امام ابوحنیفہؒ سے جلے بھنے معلوم ہوتے ہیں کہ ان کا نام بھی ادب وتعظیم سے نہیں لیتے ہیں، خیر!اس میں آپ کا کوئی قصورنہیں یہ تو آپ حضرات کووراثت میں ملی ہوئی چیز ہےاس شعار کو باقی رکھنا تا کہ آپ کا تشخص برقرار رہ سکے۔

قسمت کیا ہرایک کوقسّام ازل نے	- جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

دین کے بےلوث اور سچے خادم جنہوں نے قرآن وحدیث میں اجتہاد واستنباط کے ذریعہ انتھک محنت اورغوروفکرکر کے امت کیلئے دین کا خلاصہ اورنچوڑ پیش کردیا،آپ ان کی اتباع کو کفار کی تقلید آباء کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں،آپ کومعلوم ہی نہیں کہ ان آیات کا تعلق مسائل غیر منصوصہ سے نہیں ہے، بلکہ توحید ورسالت اورآخرت جیسے بنیادی عقائد میں آباء واجداد کی پیروی کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ، اور علامہ امیر الحاج نے **التقریر التحبیر** میں صراحتاً لکھا ہے کہ صحیح مذہب احناف یہ ہیکہ بنیادی عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے ، نیز ائمۂ اربعہ خصوصا امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ جب تمہیں کوئی حدیث صحیح ہمارے قول کے خلاف مل جائے، توہمارے قول کوچھوڑ کرحدیث شریف ہی کواپناؤ،گویا جزوی مسائل میں بھی تقلید بالذات نہیں ہوئی ، بلکہ بالتبع ہوئی ،چنانچہ حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ فتاوی ج:۳،ص:۲۳۹،۲۶۱،۴۶۱ پر رقمطراز ہیں:**انما تجب طاعتهم تبعا لطاعة الله ورسوله لااستقلالاً**، لیکن مجھےتو آپ پر افسوس ہیکہ آپ خود بہت بڑے مقلد ہیکہ اپنے

علماء کی گھسی پٹی اور رٹی رٹائی باتوں کو بلا کسی تحقیق مان کر اعتراضات کرتے ہیں، امام صاحب کی سترہ احادیث والی بات کو آپ کے عوام وخواص نے بغیر کسی تحقیق کے چلائی ،فن جرح و تعدیل اور اصول حدیث کے ماہرین امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کررہے ہیں، اس کی تحقیق نہیں کی ، نیز مجتہد مطلق کیلئے قرآن واحادیث میں کس گہرائی کے ساتھ عبور حاصل کرنا ضروری ہے، اور امام صاحب نے اپنے اصحاب کے ساتھ مل کر جن میں محدثین ومجتہدین بھی شامل تھے، جو لاکھوں مسائل مستنبط کیئے تو اس کیلئے کتنی روایات میں غور وفکر کیا ہوگا ، چار ہزار اساتذہ سے اگر صرف ایک ایک روایت بھی لی ہوتو بھی چار ہزار احادیث ہوئی ، جبکہ وہ زمانہ ہی جمع احادیث کا تھا، اسلئے اخبرنا و حدثنا کی خوشبو سے علمی حلقے معطر ہورہے تھے، پھر یہ بات محال ہیکہ امام صاحب نے ان اساتذہ سے احادیث کا علم حاصل نہ کیا ہو، آپ کی فہم کے مطابق آپ کو یہ بھی سوچنا ہیکہ جو شخص ۱۷/روایات سے لاکھوں مسائل کا استنباط کرسکتا ہے، اگر اس کو ہزاروں روایات یاد ہوتی تو کتنے کروڑ مسائل کا استنباط کرسکتا۔

خدا آباد رکھیں ان کو اور ان کی جفاؤں کو	-	رہیں وہ شاد یارب جو ہمیں ناشاد کرتے ہیں

هارون : لیکن یہ سب مذاہب دور صحابہ کرام میں تو نہیں تھے، یہ سب بعد کی پیداوار ہے، صحابہ کرام تو حدیث رسول ﷺ پر ہی عمل کرتے تھے، یا کسی صحابی کو دریافت کرکے عمل کرلیتے تھے، لیکن یہ مذاہب اربعہ میں مسائل کو منحصر کردینا بلکہ ایک ہی امام کی تقلید کو واجب قرار دینا، اور دوسرے مذہب کی چیز اپنانے کو تلفیق قرار دینا یہ کتاب وسنت کی کونسی دلیل سے ثابت ہے؟ خلفائے اربعہ کی تقلید نہیں ہوتی تھی تو پھر ائمۂ اربعہ کی ہی تقلید کیوں ضروری قرار پائی ؟ چار اماموں کے نام منسوب ہوکر اسلام کے چار ٹکڑے چوتھی صدی ہجری میں ہوئے، اور اجتہاد کا دروازہ بھی چوتھی صدی سے بند ہوگیا، اب یہ امت بانجھ ہوگئی کہ اس میں مجتہد پیدا ہی نہیں

ہو سکتے، یادرکھئے!اسی انحصار علی المذاهب الاربعه اور باب اجتہاد پر پابندی لگانے نے امت کو گروہ بندی اور تفرق فی الدین میں مبتلا کردیا، چنانچہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی افسوسناک تباہی ہوئی، جس میں ۸ لاکھ مسلمان شہید ہوئے، اھل تاریخ نے بالاتفاق اس کا واحد سبب احناف وشوافع کی فرقہ پرستی اور فتنہ بازی بیان کی ہے۔

سعید:

اتنے خفا جو آپ ہیں سچ کہئے شیخ جی	-	ایسے ہی کیا تھے آپ مقدس شباب میں

ائمہ اربعہ نے اتباع نفس کی جگہ امت کو قرآن وحدیث پر عمل پیرا کرانے کیلئے ہی تمام آیات واحادیث کو تطبیقی انداز میں پیش کرکے پورے دین کو جمع کردیا، اور خواہشات نفسانی کیلئے آپ لوگوں نے جو غیر مقلدیت والا رویّہ اپنایا ہے، اسی اندیشے کے پیش نظر فراست ایمانی سے چوتھی صدی ہجری میں مذاہب اربعہ پر انحصار کا اجماعی حکم لگادیا تاکہ دین آپ لوگوں کے ہاتھوں کھلونا نہ بن جائے، یہ چیز ہی آپ لوگوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، جس کو آپ ہٹانا چاہتے ہیں، اور علمائے احناف جو اس وقت دین کے تمام شعبوں پر الحمدللہ اپنی گرفت مضبوط کئے ہوئے ہیں، وہ آپ کی فکری آزادی وتن پروری کیلئے سدّ سکندری کیطرح حائل ہیں، لہذا آپ کو احناف سے ہی سب سے زیادہ دشمنی ہے، شوافع، مالکیہ، حنابلہ کا نام تو ضمنا لیا جارہا ہے۔

تیری نگاہ کرم کو بھی آزما دیکھا	-	اذیتوں میں نہ ہونی تھی کمی، نہ ہوئی

سنئے! یہ مذاہب اربعہ عہد صحابہ میں اگرچہ نہیں تھے، لیکن کسی چیز کے باطل ہونے کیلئے وہی معیار ہو، جو آپ نے تجویز کررکھا ہے، تو پھر بہت سی چیزیں جو عہد صحابہ میں نہ تھی، ان سب کو خارج از دین سمجھنا ہوگا، قرآن شریف آپ ﷺ کے زمانہ میں کتابی شکل میں یکجا نہ تھا، اسکے اعراب، قرأت سبعہ کا حفص، عاصم، کسائی وغیرہ کی طرف انتساب، حدیث کی اصطلاحات،

قواعد حدیث وغیرہ سب ہی آپ کی تقسیم کے اعتبار سے دین سے نکل جائیں گے، خاص کر کے جرح وتعدیل کی وہ قینچی جس کے ذریعہ آپ نے اپنے مقصد کے خلاف احادیث ومحدثین کو مجروح کر کے کاٹ دیا ہے، یہ سب آپ کے خلاف جا رہا ہے، کیونکہ یہ سب زمانۂ نبوی کے بعد کی پیداوار ہے، اس سے ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ ہم تو پکے مقلد ٹھہرے، لیکن آپ کی غیر مقلدیت کا تو جنازہ ہی نکل جائے گا۔ آپ کو ہر چیز حدیث رسول سے ہی ثابت کرنی ہوگی، پھر بہت سے صحابہ کرام کو جو آپ نے مجروح بلکہ مطعون قرار دیا ہے، وہ کس معیار سے ہوگا؟ کیونکہ جرح وتعدیل تو عہد صحابہ کے بعد کے مقلدین کی ایجاد ہے، جن سے آپ کو دشمنی ہے، سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کام ائمہ مجتہدین نے للدین کیا ہے، اور آپ بکواس کرتے ہیں وہ سب فی الدین ہے، جو آپ کی خوارج اور روافض والی بدزبانی سے عیاں ہوتا ہے۔

جسکو آپ ہندوستان کے غیر مقلدین کے پیشوا مانتے ہیں، وہ حنفی عالم دین حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے، اور اس سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے، تقلید یہ ایک راز ہے، جس کا اللہ تعالی نے علماء کے دل میں الہام کیا ہے، ہندوستان اور ماوراء النہر میں مذہب حنفی ہی کی تقلید ضروری ہوگی، شاہ ولی اللہؒ کو خواب میں مذہب حنفیؒ کی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی۔ جن محدثین کا آپ حوالہ دیتے ہیں وہ سب کے سب مقلد تھے۔ امام بخاریؒ، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی یہ سب شافع المسلک تھے، امام ابوداود اور ابن ماجہ حنبلی المذہب تھے، لیث بن سعد جو امام بخاری کے بھی استاذ ہے، وہ حنفی المذہب تھے، علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی بھی حنبلی المذہب تھے، الغرض تمام محدثین، مفسرین، فقہائے کرام اور صوفیائے عظام اپنے کو مقلد کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے، جبکہ آپ لوگ خیر القرون کے ان مجتہدین کو چھوڑ کر مولانا مبارکپوری، بٹالوی اور نواب

صدیق حسن خان جیسے چودہوی صدی کے علمائے کرام کی تقلید کرتے ہو،تقلید سے تو آپ کو بھی چھٹکارا نہیں ہے،سلف کی نہیں تو خلف کی تقلید تو کرنی ہی پڑے گی، چاہے پھر بھی اپنے کو سلفی کہتے رہیں،حقیقت میں سلفی ہم ہوئے نہ کہ آپ،تقلید ائمہ کا انکار کرنے کیوجہ سے آپ کو یہ بھی پریشانی لاحق ہوئی کہ ایک طرف فقہی جزئیات کا انکار کرنے کے باوجود اپنے عوام کو دھوکہ دینے کیلئے **فقہ النبی المختار** کے نام سے فقہی مسائل کی کتابیں لکھنی پڑی،اس میں ائمۂ اربعہ کا حوالہ تو دے نہیں سکتے تو چال یہ کی کہ کتاب کا نام تو **فقہ النبی المختار** رکھا اور حوالے مبارکپوری، بٹالوی، وحید الزماں،صدیق حسن خاں وغیرہ کے اقوال سے دینے پڑے،اور کچھ میں بغیر حوالہ کے بھی جزئیات لکھ دئے،اور دھوکہ حدیث کا دیا،اس طرح تقلید سلف کا انکار کرنے کی سزا میں حق تعالی شانہ نے تقلید خلف میں مبتلا کیا۔

ہمیں تعجب ہے کہ آج کے سائنس وٹیکنالوجی کے ترقی یافتہ دور میں ہزاروں جدید مسائل جنم لے رہے ہیں۔ مفتیان کرام کے سامنے ہر صبح نیا مسئلہ لے کر نمودار ہوتی ہے۔ ایسے میں بغیر اجتہاد کے آپ لوگ کیسے جدید مسائل سے نمٹیں گے؟ اور اپنے عوام کی کیسے راہ نمائی کر سکتے ہیں۔

خرد کا نام جنون،جنون کا نام خرد رکھدیا	-	جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے
پختہ افکار کہاں سے ڈھونڈ ھنے جائے کوئی	-	اس زمانے میں ہوا رکھتی ہے ہر چیز خام

اسی لئے تو ان ہوش ربا مسائل میں امّت کو صحیح راہِ عمل دکھانے کے بجائے چند فرعی گھسے پٹے مسائل کی ہی آپ لوگ رٹ لگا کر فتنہ کھڑا کرتے رہتے ہیں،اثباتی ٹھوس کام آپ لوگوں کو نظر نہیں آتا ہے،زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ احکام شرعیہ کو عملی شکل میں رائج کر کے دین اسلام کو زندگی میں رواں دواں رکھنے کا مشکل کام تو ان غریب،بدنامِ زماں علمائے احناف بالخصوص علمائے دیوبند کے ہی ہاتھوں حق تعالی انجام دلوا رہے ہیں، **ذلک فضل الله** . ہر

نئے پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن وسنت سے اخذ واستنباط سے ان کے فقہی جواہر پارے بھرے پڑے ہیں، جواس بات کا اعلان کررہے ہیں کہ سائنس وٹیکنالوجی کتنی ہی ترقی کرتی رہے، اسلام ہی دنیا میں وہ واحد مذہب ہے جوزمانہ کی رہنمائی کیلئے ہمیشہ پیش پیش رہتا ہے، دوسرے کسی بھی مذہب میں یہ سکت نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ''زمانہ باتو نہ سازد تو بازمانہ بساز'' کی سارنگی بجارہے ہیں۔

تاتاری حملوں کواحناف وشوافع کی باہمی رساکشی قرار دینا تاریخ سے انتہائی جہالت یا تعصب ہے، جبکہ علامہ ذہبی، ابن خلدون، حافظ ابن کثیر اور علامہ سیوطی وغیرہ مؤرخین نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ کا وزیر ابن علقمی جو غالی شیعہ تھا، اس نے عباسی حکومت ہٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کیلئے تاتاریوں سے خط وکتابت کی، اس منصوبے کی تکمیل میں مشہور فلسفی نصر الدین طوسی نے خوب تعاون کیا، جس کو ہلاکو خان کے دربار میں بڑا رسوخ تھا۔

بھولے نہ تھے، نہ بھولے ہیں، نہ بھولیں گے کبھی ہم	-	ایسا نہ کیا تھا، نہ کیا ہے، نہ کریں گے ہم

باقی آپ کے غیر مقلدین بزرگوں نے ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کیلئے اور انگریز آقاء کو خوش کرنے کیلئے کیا کارنامے انجام دیئے تھے، اس کی داستان دلخراش ہم نہیں بھول سکتے۔

یہ خود اپنی قینچی تھی جس سے کٹے	-	میرے دونوں بازو، میرے بال وپر

ھارون : ارے! آپ یہ کیا الزام لگا رہے ہیں، ہم اور انگریز دوستی؟ یہ ہم پر الزام تراشی ہے، ہم نے تو ہندوستان کی جنگ آزادی میں اہم کردار ورول ادا کیا ہے، ہم سے بڑھکر تو انگریز کا کوئی دشمن نہیں تھا، اور نہ ہے۔

سعید :

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں	-	زبان میری ہے، بات ان کی

بھائی! میں اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہوں گا، جو کچھ ہوگا وہ آپ کے بزرگوں کی زبانی ہی ہوگا، ذرا کان کے پردے کھول کر سننا، آپکے بھوپال والے نواب صاحب ترجمان وہابیہ **ص۲** پر تحریر فرماتے ہیں، یہ آزادگی ہماری مذہب جدیدہ سے (یعنی تحریک اہل حدیث) عین مراد قانون انگلیشیہ ہے، فرماروان بھوپال کی ہمیشہ آزادگی مذہب کی کوشش رہی ہے، جو خاص منشاء گورنمنٹ انڈیا کا ہے، اور سنئے! فرماتے ہیں: جو بغاوت ہندوستان میں بزمانۂ غدر ہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو اصل دین سے آگاہ نہیں، اور ملک میں فساد ڈالنا اور امن اٹھانا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں'' حکام انگلیشیہ سے برسرعناد ہونے والے سب کے سب مقلدین مذہب حنفی تھے، انگریز کی مخالفت نقد دین کھونا ہے، سرکار برطانیہ کی مخالفت کسی غیر مقلد نے نہیں کی، ۱۸۵۷ کی تحریک آزادی میں شریک لوگ مشرک، باغی اور بدکردار تھے''، ذرا سوچئے! نواب صاحب کے ان فرامین سے تو امیر المؤمنین سید احمد شہید و اسمعیل شہیدؒ بھی کافر ہوئے، آپ کے شیخ الکل فی الکل گورنمنٹ برطانیہ کے وفادار تھے، ۱۸۵۷ میں آپ نے انگریز میم صاحبہ کو بچایا، تو انگریز کمشنر نے اپنے نمک حلال کیلئے چٹھی لکھ دی کہ ہمارے دارالاسلام سے میاں صاحب کو حج میں جانے کی کوئی رکاوٹ نہ ہو، تمام افسران آپ کا خاص خیال رکھیں۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز	-	کبوتر با کبوتر باز با باز

شیخ الکل فی الکل کے یہاں جہاد پر بیعت کے علاوہ تمام بیعت ہوتی تھی، انگریز کی طرف سے آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملتا ہے، آپ کے علاوہ ۸ غیر مقلدین کو شمس العلماء کا لقب ملا، ایک اور بزرگ مولانا بٹالوی صاحب احسان شناسی میں جہاد کے خلاف ایک رسالہ

الاقتصاد فی مسائل الجهاد لکھ کرانگریز سے جاگیر وصول کرتے ہیں، تو عظیم آبادی صاحب لکھتے ہیں ''اہل حدیث کیلئے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی آزادئ مذہب نصیب نہیں، جو برٹش حکومت میں حاصل ہے'' بقول نواب صاحب ان کی والیۂ بھوپال سے شادی بھی انگریز حکومت کی منشاء و مرضی سے ہوئی، خود فرماتے ہیں ''یہ باطلاع گورنمنٹ عالیہ وحسب مرضی سرکار انگلیشیہ ظہور میں آیا''۔

شکوے ہمارے سارے غلط بھی سہی مگر	-	لو تم ہی اب بتاؤ کس کا قصور تھا
غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھکو آتا ہے نظر	-	دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

ھارون : لاحول ولا قوۃ الا باللہ ، مولانا یہ سب کیا سن رہا ہوں، یہ تو مسٹر غلام احمد قادیانی والی زبان ہوئی۔

روح بلبل نے خزاں بن کر اجاڑا گلشن	-	پھول کہتے رہے ہم پھول ہیں صیاد نہیں

سعید : ماشاء اللہ ! آپ کو بھی شاید غیر مقلدین وقادیانیت کے روابط قدیمہ کا علم ہے۔

ھارون : نہیں، مجھے اس کا علم ہرگز نہیں، قادیانی مدعی نبوت تھا، اس سے اہل حدیث کا کیا تعلق؟

سعید : اچھا تو سنئے ! مرزا قادیانی پوری امت مسلمہ کے اتفاقی عقیدہ سے کافر تھا، لیکن غیر مقلدین اسکو کافر نہیں مانتے ، مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ قادیانی عورت سے نکاح جائز ہے، ان کے پیچھے نماز بھی جائز ہے، یہ مسلمان ہیں، اور دلچسپ داستان سنئے ، مرزا قادیانی کا نکاح آپ کے شیخ الکل صاحب نے ایک مصلی اور پانچ روپیہ کے عوض پڑھایا۔

عیب اوروں کے جو چنتے ہیں وہ خود کو دیکھیں	-	سر نہ اٹھا پائیں گے جب خود پہ نظر جائے گی

ھارون : ارے بھائی! میرے پاؤں تلے سے زمین سرک رہی ہے، میں کیا سن رہا ہوں، اور

کس گروہ کے بارے میں سن رہا ہوں ،ملعون قادیانی کا نکاح اور ہمارے محدث میاں صاحب پانچ روپئے کے عوض میں پڑھاویں،

ٹپک اے شمع ! آنسوں بن کے پروانے کی آنکھوں سے
حسرت بھری ہے داستان میری

سعید : بھائی ابھی تو ابتداء عشق ہے،اور سنیں گے تو آپ اس جماعت پر قادیانی سے بھی زیادہ لعنت و پھٹکار برسائیں گے۔

یہ لمحہ ہے کہ اب بھی نہ اگر ہوش آیا	-	موت کو سامنے پاؤ گے جدھر جاؤ گے

ھارون : مولانا انکے عقائد و مسائل جو ہم کو دھوکہ دینے کیلئے چھپاتے ہیں، اب آپ سنا ہی دیجئے اور یاد رکھئے وہ سب باحوالہ ہونے چاہئے !

سعید : ہم کوئی بھی بات غیر مقلدین کی طرح بے حوالہ نہیں کرتے ہیں، سنئے ! اول عقائد کے باب کو لیجئے ، غیر مقلدین علمائے دیوبند کو مشرک اور قبر پرست کہہ رہے ہیں، لیکن خود ان کے عقائد کا حال یہ ہیکہ اولیاء سے استعانت ،قبروں اور اھل قبور سے کسب فیض ، غیر اللہ سے توسل ،صریح نص کی مخالفت ، حضرت عیسیٰؑ کیلئے نعوذ باللہ باپ کو ثابت کرنا ، رام چندر ، لچھمن ، کرشن ، زرتشت ، بدھ ، سقراط وغیرہ کی نبوت کو ثابت کرتے ہوئے بنیادی عقائد میں بھی وہ بریلویت و رضا خانیت سے پیچھے نہیں ہیں ،اسی طرح حضرات صحابۂ کرام کی مقدس ذوات کیلئے بھی غیر مقلدین کا بکواس مودودیوں سے کچھ کم نہیں ہے ، کچھ صحابۂ کرام کا نعوذ باللہ فاسق ہونا ،خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا نام لینا بدعت ،صحابی کے قول و فعل کا حجت نہ ہونا ،خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ کا دین میں حجت نہ ہونا ،نعوذ باللہ حضرت عمرؓ کو موٹے موٹے مسائل کا شرعی حکم معلوم نہ ہونا ، نیز حضرت عمر و ابن مسعودؓ کا نصوص شرعیہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونا اور نصوص کی مراد نہ سمجھنا ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابۂ کرام کا غصہ میں غلط

فتوی دینا، حضرت عمرؓ کا طلاق ثلاثہ کے نافذ کرنے میں قرآنی حکم کو بدل دینا، ابن مسعودؓ کا نماز اور دین کی بہت سی باتیں بھول جانا، صحابۂ کرام کا آیات سے باخبر ہونے کے باوجود اس کے خلاف فتوٰی دینا، نعوذ باللہ حضرت علیؓ کی نام نہاد خلافت اور خودساختہ حکمرانی بلکہ بے فکر شہزادے کی طرح زندگی گذارنا، اس سے بڑھکر یہ کہ آپ کی خلافت کا نعوذ باللہ عذاب خداوندی ہونا، حضرات حسنین کو زمرۂ صحابیت سے خارج قرار دینا، حضرت ابوذر غفاری کا کمیونسٹ نظریات والا ہونا، حضرت جابر بن عبداللہؓ کی فہم پر مبارکپوری صاحب کو عدم اعتماد، بلکہ آپ کو بھی زمرۂ صحابیت سے خارج کرنے کی کوشش کرنا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں لکھاہیکہ وہ نعوذ باللہ حضرت علی سے جنگ کرکے مرتد ہوچکی تھیں، اگر بلاتوبہ مری تو کفر پر مری، الغرض شیعوں کی طرح نہ حضرات شیخین وغیرہ کو بخشا ہے، اور خوارج کی طرح نہ حضرات ختنین کو چھوڑا ہے؛ البتہ شیعوں کے ساتھ متعہ، صحابہ کرام پر لعن طعن، اجماع کا انکار، امام غائب کا انتظار اور بارہ ائمہ وغیرہ عقائد و مسائل میں زیادہ مناسبت ہے۔

بتا اے عقل انسانی، کوئی حل اس معمے کا	-	نظر کچھ اور کہتی ہے، خبر کچھ اور کہتی ہے

هارون : بھائی! یہ تو رضاخانیت اور مودودیت سے بھی کچھ کم نہیں نکلے، اور قادیانیت سے بھی تو ان کے رشتے ثابت ہوئے، عجیب معجون مرکب مذہب ہے کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

نیت بد ہے، تو کار نیک سے حاصل کیا؟	-	جاگتے ہیں دزد بھی مثل نگہبان کے رات کو

سعيد : بھائی! ابھی تو مسائل کا میں نے تذکرہ نہیں کیا، قرآن وحدیث کے مسائل منصوصہ کی مخالفت کرتے ہوئے بے دھڑک غلط مسائل لکھ دئے ہیں۔

هارون : اچھا ذرا اس کا بھی تو ذائقہ چکھوائیے۔

سعيد : جی سنئے! وقت کی قلت کی بناء پر میں اجمالاً ہی ذکر کرتا ہوں، ان کے یہاں طہارت ونجاست میں، حلال وحرام میں، جائز وناجائز میں، سنت وبدعت میں فرق نہیں، وہ

اس امر کا دعوی کیا کرتے ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں، اور مقلدین کو مشرک فی الرسالت سمجھتے ہیں، اگر کوئی شخص چار کی جگہ آٹھ عورتوں سے نکاح کر لے تو کچھ حرج نہیں۔ اگر لوٹا بھر پانی میں تھوڑا پیشاب گر جائے تو پاک ہے، جب تک رنگ، بو، مزہ نہ بدلے۔ خون، منی، جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ ایک بکری کی قربانی گھر کے 100 افراد کی طرف سے بھی کفایت کر جائے گی۔ کمی بیشی کے باوجود سونے چاندی کے زیور میں سود نہ ہونا۔ بغیر غسل کے ناپاک آدمی قرآن کریم کو چھو سکتا ہے۔ سود لینا ہو تو حیلہ کر کے وصول کر سکتا ہے۔ زوال ہونے سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھ لے تو کچھ حرج ہی نہیں۔ اللہ اللہ کا ذکر جب بدعت ہو گیا تو اب کیا رہا۔ صحابہ پر دین کا مدار ہے، جب وہی فاسق ٹھہرے تو پھر کیا ہے۔ شراب جس کو خمر کہتے ہیں، ناپاک ہی نہیں۔ بدن سے کتنا بھی خون نکلے وضو اتنا مضبوط ہیکہ ٹوٹتا ہی نہیں، لیکن پائجامہ ٹخنوں سے نیچا ہو تو وضو فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔ کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے۔ عورتوں کے زیور میں زکوۃ ہی نہیں، وہ بھی بالکل آزاد ہے۔ تاجروں کو مبارکباد دینی چاہئے کہ ان کو بھی فرصت ہوئی۔ مردوں کو چاندی کے زیور پہننا جائز ہے۔ پردہ کی آیت خاص ازواج مطہرات ہی کے بارے میں اتری ہے، لہذا امت کی عورتوں سے آیت کا کوئی علاقہ نہیں۔ غرض غیر مقلد ہو جائے تو پھر دنیا ہی میں جنت ہے۔

ھارون : بھائی صاحب! میں تو آج تک یہ سمجھتا تھا کہ ان لوگوں کی بات بخاری شریف، مسلم شریف، صحاح ستہ وغیرہ معتبر احادیث کی کتابوں سے ہی ثابت ہو گی، اور یہ لوگ کبھی بھی قرآن وحدیث کے خلاف بات ہی نہیں کرتے ہوں گے، کیوں کہ ان کی مجالس میں تو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود وغیرہ حدیث کی کتابوں کے ہی نام لئے جاتے ہیں۔

سعید : بھائی! یہ بھی لوگوں کو الو بنانے کے دھندے ہیں، اپنا مقصد پورا کرنے کیلئے امام بخاریؒ بھی اگر رکاوٹ بنتے ہو، تو انکو بھی نعوذ باللہ مرفوع القلم کہہ کر پاگلوں کی صف میں

اتارتے ہوئے ان نمک حراموں کوشرم نہیں آتی ہے۔

اس طرح خلق کوگمراہ کیا کرتے ہیں	-	غیرت حق کوچیلنج دیا کرتے ہیں

ھارون : مولانا صاحب آپ کیا فرمارہے ہیں، مرفوع القلم کالفظ توعلمی دنیا کی بہت بڑی گالی ہے، جوعام طالب علم بھی برداشت نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ امام بخاریؒ جیسے علم کے پہاڑ کیلئے استعمال کیا جاوے۔

سعید : میں آپ کوان کی ہی کتابوں کے حوالہ سے سنادیتا ہوں، سنئے : جب آپ سننا ہی چاہتے ہیں تو بڑے بڑے محدثین کے بارے میں غیرمقلدین کی کیا رائے ہیں وہ آپ کوانکی ہی کتابوں کے حوالہ سے سناتا ہوں۔

ھارون : ضرور، ضرور، حوالے کے ساتھ سنائیے۔

سعید : امام بخاریؒ کی تطبیق حدیث پر مولانا مبارکپوری کواعتراض ہے، اسی طرح امام ترمذی کی تحسین حدیث پر بھی عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے امام ترمذیؒ کا تساہل ثابت کرتے ہیں، مبارکپوری کی تقلید کرتے ہوئے کتاب وسنت کے خودساختہ امام اسمٰعیل سلفی نے بھی امام ترمذی کومتساہل قرار دیا، بلکہ **الصلح جائز بین المسلمین** والی روایت کی تصحیح پر بھی مبارکپوری صاحب کواعتراض ہے، اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے علماء امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔

وحید الزماں صاحب بخاری شریف کے ایک راوی مروان بن الحکم کی وجہ سے امام بخاری سے ناراض ہے، توحکیم فیض عالم صاحب واقعۂ افک سے متعلق بخاری شریف کی روایت کی تردید کرتے ہوئے امام بخاریؒ کی تقلیدی ذہنیت پر ماتم کررہے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس روایت کے معاملہ میں امام بخاری میرے نزدیک مرفوع القلم ہے، حدیث کے مدوّن اور بخاری شریف کے مرکزی راوی علامہ ابن شہاب زہری پرسخت تنقید کرتے

ہوئے حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ ابن شہاب منافقین وکذابین کے دانستہ نہ سہی، غیر دانستہ ہی سہی مستقل ایجنٹ تھے، اکثر گمراہ کن خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہیں کی طرف منسوب ہیں، بخاری شریف کی ایک روایت {۹ سال والی} کو حکیم صاحب موضوع قرار دیکر منسوب الی الصحابہ کررہے ہیں، ترمذی شریف کی دو روایتوں پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی سبائی ٹکسال میں انہیں گھڑا گیا ہے، مسند احمد کے جامع اول ابوبکر شافعی اور جامع ثانی ابوبکر قطعی دونوں کو حکیم صاحب رافضی قرار دے رہے ہیں، یہ حال ہے بخاری - بخاری کی رٹ لگانے والے غیر مقلدین کا، بخاری شریف کی سینکڑوں احادیث پر غیر مقلدین کا عمل نہیں، اسی طرح امام بخاری کے بیسیوں اجتہادات کو غیر مقلدین ماننے کیلئے تیار نہیں ہے، یہی امام بخاری مرفوع القلم یعنی نعود باللہ پاگلوں کی فہرست میں آجاتے ہیں، انکی کتاب موضوع روایات کو مشتمل ہے، یہی حال امام ترمذی کا بھی ہے، اور سنئے! جلیل القدر محدثین پر مبارک پوری صاحب کا تجزیہ، آپ نے ابن حزم کو غیر معتمد، محدث ابن حبان کو متعنت و مسرف، یحیی ابن قطان کو متعنت، سفیان ثوری جیسے جلیل القدر محدث کو واہم، حاکم کی تصحیح کا انکار، ابوحاتم پر ناراض، امام اعمش، ابواسحاق، قتادہ، زہری، سعید بن عروہ سب مدلس ہیں، لہذا سب مردود ہیں۔ علامہ ذہبی کی جرح پر اعتماد نہیں، امام بخاری کے استاذ علی ابن مدینی پر بھی عدم اعتماد کا اظہار، امام احمد کی نکارت کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

ھارون : مولانا ان سارے جھوٹے پروپیگنڈوں اور ہتکنڈوں کے بعد بھی وہ اپنے کو اھل حدیث کیسے کہہ سکتے ہیں؟

سعید : آپ نے نام رکھنے کی بات چھیڑی تو اسکا لطیفہ و دلچسپ داستان بھی انکے ہی علماء کی زبانی سنتے جائیں، مولانا اسلم جیراجپوری کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے، وہ آپکی جماعت کے مؤرخ ہیں۔

ھارون : نہیں، اب میں انکی جماعت کا نہیں بلکہ آپ کا ہی مرید ہو گیا ہوں۔ میں نے پکے دل سے توبہ کر لی ہے۔

سعید : وہ اسلم صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بعد جب مخالفین نے ہم کو بدنام کرنے کیلئے وہابی کہنا شروع کیا تو ہم اپنے کو محمدی کہنے لگے، پھر اس کو چھوڑ کر اھلِ حدیث کا لقب اختیار کیا گیا۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ انگریز کے نزدیک ہر اس شخص کو وہابی کہا جانے لگا جو انکا مخالف تھا تو انکے بڑوں کو فکر لاحق ہوئی کہ ہم تو انگریز کے نمک حلال لوگ ہیں، ہم کو انگریز دشمن لقب دے کر سرکارِ برطانیہ کے نمک حرام بتائے جا رہے ہیں، لہذا اس جماعت کے وکیل مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب نے لفظ وہابی کی منسوخی اور اھلِ حدیث کے نام کی منظوری کیلئے انگریز آقا کے حضور میں درخواست کی۔ جس میں غیر مقلدوں کی انگریز وفاداری، خیر خواہی اور نمک حلالی کے قصیدے پڑھے گئے، بالآخر محسن آقا نے پرانے کرم فرماؤں کی درخواست منظور کر کے باقاعدہ تحریری طور پر اھلِ حدیث نام طے کرنے کی اطلاع بٹالوی صاحب کو دے دی۔

ھارون: کیا انکی خواہش پرستی و آزادئ رائے پر انکے علماء کو کوئی احساس نہیں ہے کہ ہمارے عوام کسی بھی بڑے بزرگ کے بارے میں قینچی کی طرح زبان چلاتے رہیں۔ اس سے بے دینی کو فروغ ملے گا، بے ادبی و بدتمیزی کی فضاء عام ہوگی۔

سعید : آپ کا سوال بہت صحیح ہے، یہ احساس ان کے علماء کو بہت مدّت سے ہو چکا ہے، لیکن ان کی بریک فیل ہو چکی ہے، اب لگام انکے ہاتھ میں نہیں رہی ہے، ورنہ مولانا بٹالوی صاحب ہی اشاعۃ السنۃ ص: ۳۵، ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۵ برس کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدِ مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب۔

آگے لکھتے ہیں کہ احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی کا ادنی کرشمہ ہے، دین داروں کے بے دین ہونے کا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ دوسرے بڑے عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکر خود کو خالص موحّد کہتے ہیں، اور مقلدین کو تقلیدِ ائمہ کی وجہ سے مشرک و بدعتی قرار دیتے ہیں، حالانکہ غیر مقلدین خود تو تمام لوگوں میں سخت متعصّب اور غالی ہیں، یہ طریقہ کوئی دین نہیں یہ تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم ہے۔

ھارون : آپ نے تو ان کے سارے پول کھول دئے ،اور یہ بناوٹی اہلِ حدیث کے سارے رنگ روپ نکھر کر میرے سامنے آگئے ،اب میں یہ بھی سمجھ گیا کہ وہ علماء احناف خاص کر کے علمائے دیوبند کے ہی کیوں مخالف ہیں ،اور شیعہ، رضا خانی اور مودودیت سے انکا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

سعید : ہاں بھائی، کسی نے سچ کہا ہے: **اذا اتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادۃ لی بانی کامل .**

ھارون : اچھا تقلید ائمہ کی بات تو میری سمجھ میں آگئی کہ دنیا کے ہر علم وفن اور صنعت وحرفت میں بھی اپنے بڑے سے سیکھ کر ہی آدمی عمل کرتا ہے، اسلئے دین کے معاملہ میں بھی اپنے بڑوں سے سیکھ کر اور ان پر اعتماد کر کے ہی ہم دین پر چل سکتے ہیں، جیسے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے **عقدالجید** میں فرمایا ہے، لیکن آپ نے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ آخر امام صاحب میں کیا خصوصیات ہیں، جو دوسرے ائمہ میں آپ نے نہیں دیکھی؟

سعید : چند خصوصیات ایسی ہیں جن میں امام صاحب دیگر ائمہ مجتہدین سے ممتاز و منفرد ہیں، اور کوئی بھی ان کا شریک وسہیم نہیں۔

﴿ ۱ ﴾ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ امام صاحبؒ کی ولادت باسعادت جب

ہوئی تھی، تو بہت سے صحابۂ کرام حیات تھے، معلوم ہوا کہ امام صاحب اس قرن کے ہیں، جس کی خیر ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دی، اور جس زمانے والوں کو عادل فرمایا، مشہور شاعر خوارزمی کے شعر ملاحظہ ہوں،

غدامذهب النعمان خير المذاهب	–كذا القمر الوضاح خير الكواكب
تـفـقـه فى خير القرون مع التقى	–ومذهبه لاشك خير المذاهب

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب سارے مذہبوں سے بہتر ہے، جیسے روشن چاند سارے ستاروں سے بہتر ہے، امام صاحب نے تقوی کے ساتھ خیر القرون میں علم فقہ حاصل کیا، بلا شبہ آپ کا مذہب خیر المذاہب ہے۔

﴿۲﴾ امام صاحبؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضرات صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

﴿۳﴾ امام صاحبؒ نے حضرات تابعین کے زمانے میں اجتہاد کیا اور فتوے دئے۔

﴿۴﴾ بڑے بڑے ائمہ کا امام صاحب سے روایت کرنا ہے، ابو محمد حارثی نے فرمایا کہ اگر امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت پر صرف ائمہ کبار کی روایت سے استدلال کیا جائے تو یہی بات کافی ہے، جیسے عمرو بن دینار جو امام صاحب کے شیوخ میں بھی ہیں۔

﴿۵﴾ امام صاحب نے چار ہزار تابعین سے علم حاصل کیا۔

﴿۶﴾ جیسے لائق وفائق اور ذہین شاگرد امام صاحب کو ملے، بعد میں آنے والے ائمہ کو نہیں مل سکے۔

﴿۷﴾ امام صاحب نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی اور کتابوں کو فقہی ابواب میں ترتیب دیا، اس کے بعد امام مالک بن انسؒ نے ترتیب مؤطا میں یہ طریقہ اپنایا۔

﴿۸﴾ امام صاحب کے مذہب کی ان ملکوں میں اشاعت ہوئی جہاں اور کوئی مذہب

ہے،ہی نہیں، جیسے ہندوستان، پاکستان، روم، ماوراء النہر، اور عجم کے اکثر ممالک۔

﴿ ۹ ﴾ انہوں نے مظلوم، محبوس اور مسموم سجدہ کی حالت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔

﴿ ۱۰ ﴾ امام صاحب کی کثرت عبادت، زہد فی الدنیا، کثرت تلاوت قرآن کریم اور کثرت حج وعمرہ وغیرہ، بے ساختہ یہ شعر دل سے نکلتا ہے:

تجھ سے ملتی ہے جہاں کو وسعت فکر ونظر	-	علم کے دریا کا سرچشمہ تیرے دیوار ودر

آخری ایک لطیفہ بھی سنتے جایئے: علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ مذہب ابو حنیفہؒ میں جو مسائل ہیں، وہ بنسبت دوسروں کے امام احمد کے مذہب سے زیادہ قریب ہے، اور امام احمد کے بارے میں نواب صدیق صاحب فرماتے ہیں، وہ امام الائمہ وامام المحدثین تھے، تو ابن تیمیہ کا صغری اور نواب صاحب کا کبری ملکر نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ امام الائمہ وامام المحدثین تھے۔

ھارون : بھائی! آپنے تو میرے سامنے غیر مقلدین کے سارے پول کھول دئے، ان بناوٹی اھل حدیثوں کے سارے رنگ وروپ نکھر کر میرے سامنے آگئے، اور اب یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ شیعہ، رضاخانی، مودودی، قادیانی وغیرہ سارے فرقوں سے ان کو کوئی جھگڑا و مخالفت نہیں ہے، کیونکہ ان کو معلوم ہیکہ یہ سر پھرے دیوبندی ہی جان کی بازی لگا کر باطل کا مقابلہ کرنے میں ہر جگہ پیش پیش رہتے ہیں۔

چلو تم ادھر کو ہَوا ہو جدھر کی، یہ دیوبندیوں کو راس نہیں آتا ہے، بلکہ یہ تو باطل کا مقابلہ کرتے کرتے مقابلہ کے عادی ہوگئے ہیں، اور امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی میرا دل صاف ہوگیا، بلکہ علامہ شعرانی کا کشف پڑھا کہ حنفی مذہب سب سے پہلے مدوّن ہوا، اور سب سے زیادہ مدت باقی رہے گا، تو مجھے بھی حنفی ہونے کا شوق پیدا ہوا۔

سعید : ہم کسی کو حنفی ہونے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں، البتہ مقلد ہونے کی دعوت ضرور دیتے ہیں، تاکہ مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کی پیشین گوئی کے مطابق وہ اسلام سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔

ھارون : مولانا بٹالوی صاحب کے فرمان کے مطابق مجھے بھی احساس ہو رہا ہے کہ میں بھی صحابۂ کرام، بزرگان عظام، اور ائمہ مجتہدین سے اپنے کو بڑا ہی سمجھتا تھا، مجھے بھی خطرہ تھا کہ میں ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا، لیکن آپ کی بروقت رہنمائی نے مجھے اسلام پر جمے رہنے کی توفیق دی، اللہ پاک آپ کا بھلا کرے کہ مجھے غیر مقلدین کی چال بازیوں اور مکاریوں سے واقف کرایا۔

السلام علیکم

مدرسہ بورڈ کے نقصانات،خطرات

ھارون: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سلیم : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا بات ہے بھائی، آپ بہت دنوں سے مدرسہ میں نظر نہیں آتے؟ کیا بیمار تھے یا کسی پکنک کیلئے گئے تھے، یا پھر پڑھنا چھوڑ کر کسی اچھے جوب میں لگ گئے؟

ھارون : آپ کو معلوم نہیں ہے میں بورڈ کے مدرسہ سے منسلک ہو گیا ہوں، وہیں سے فاضل، پھر بی۔اے، اور اس کے بعد قسمت نے ساتھ دیا تو جامعہ ملیہ یا علیگڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے امتیازی نمبرات سے پاس ہو کر کسی کالج یا یونیورسٹی میں لیکچرار یا کم سے کم کسی ہائی اسکول میں ٹیچر ہو جاؤں گا، سچّر کمیٹی کے رپورٹ کے بعد تو میری آنکھیں کھل گئی ہے، آج مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں دوسری قوموں سے کتنے پیچھے ہیں، ماہرین تعلیم کے اندازے کے مطابق مسلمانوں میں شرح خواندگی ۳۰ فیصد سے بھی کم ہے، عورتوں کی شرح خواندگی تو ۱۰ فیصد سے بھی کم ہے، گوپال سنگ کمیٹی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہیکہ انجینیرنگ میں مسلم اسٹوڈنٹ کی تعداد ۴ رفیصد اور ڈاکٹری (M.B.B.S.) کے کورس میں ساڑھے تین فیصد تھی، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے سروے کے مطابق مسلم لڑکیوں کی تعداد پرائمری میں ۴۲ رفیصد، میڈل اسکول میں ۳۱ رفیصد، ہائی اسکول میں ۳۲ رفیصد اور ہائی سیکنڈری میں ۳۰ فیصد بتائی گئی ہے۔ ۱۹۹۵ میں ڈاکٹر اے ایم خسرو صاحب نے مسلمانوں کی سرکاری ملازمتوں کا تناسب شمار کروایا وہ تو اور بھی انتہائی ذلت ورسوائی والا ہے، اسی طرح ملک کی

بڑی صنعتیں اور اسکے ڈائریکٹرس وغیرہ میں بھی ہماری پوزیشن اچھی نہیں ہے۔ مسلم قوم کی اتنی بدتر حالت ہونے کے باوجود اور دوسری قوموں کی اتنی ترقی کے باوجود ہمارے علمائے کرام اسکول کالج کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے ہیں؟ آپ بھی کسی مولوی کے چکر میں آئے بغیر میری بات سنو۔

یہ مدرسہ کے نو-دس (۹-۱۰) سال کی بھیجا ماری کے بعد کسی مکتب یا زیادہ سے زیادہ کسی دارالعلوم میں ملازمت ملے گی، اس سے ہمارا مستقبل تو درست ہونے والا نہیں ہے، ہم دوسروں کے دست نگر اور محتاج بنے رہیں گے، لہذا میری تو آپ جیسے ہونہار اور ہوشیار طالب علم سے گزارش ہے کہ میری طرح مدرسہ بورڈ میں شامل ہو جاؤ، اور پھر مزے ہی مزے ہیں، سرکاری ملازمت میں اچھی تنخواہ رہے گی، آرام سے زندگی بسر ہوگی، سماج میں بھی عزت و وقار ملے گا، سرکاری ڈگری کی وجہ سے لوگ صاحب سلام کریں گے، آپ خود احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے، مولانا بن کر آپ کا علم کتنا ہی اچھا ہو آپ کی دنیوی معلومات کتنی ہی زیادہ ہو لیکن آپ کا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں نہیں ہوگا، مولوی سمجھ کر لوگ آپ کی بات کی قدر نہیں کریں گے۔ اور سرکاری ڈگری میں کچھ معلومات نہ ہو تب بھی چل جاتا ہے، لہذا کل سے میرے ساتھ آ کر بورڈ سے منسلک ہو جایئے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

لمحوں نے خطا کی، صدیوں نے سزا پائی	-	یہ لمحے بار بار آیا نہیں کرتے

سلیم : بھائی صاحب! آپ نے ایک ہی لیکچر میں بہت سی باتیں خلط ملط کر دی ہیں، ایک طرف دنیوی تعلیم میں مسلمانوں کے پچھڑے پن کا رونا رو رہے ہیں، اور پھر فوراً دنیوی تعلیم سے اپنے پیٹ اور جیب کی فکر کرتے ہیں، علم کا مقصود تو اپنے کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا ہے، ایک سائستہ، شریف اور باوقار شہری بننا ہے، صرف پیٹ کیلئے محنت کرنا تو جانوروں کا کام ہے، کُتے اور بلی کو بھی شام تک کھانا تو مل ہی جاتا ہے۔

دوسری بات دنیوی تعلیم میں بچھڑا پن یقیناً انتہائی افسوس کی بات ہے، اس کی ہمارے علمائے کرام کو بھی آپ سے زیادہ فکر ہے، بلکہ آپ کو ہندوستان کی تاریخ کا علم نہ ہوتو آپ سے یہ واضح کرتا چلوں کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد بھی تو ایک عالم دین اور دینی فکر رکھنے والے ہی تھے، جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد بھی تو شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ ہی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے،

تم شوق سے کالج میں پڑھو، پارک میں ٹہلو	-	جائز ہے غباروں پر اڑو، عرش کو چھولو
ہاں مگر ایک سخن بندہ عاجز کی رہے یاد	-	اللہ تعالی کی اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

ھارون : اچھا میں تو آپ سے یہ پوچھنا ہی بھول گیا کہ یہ سب فائلیں اور کاغذات لے کر آپ کہاں جارہے ہیں!

سلیم : آپ کو معلوم نہیں کہ دہلی میں تمام مدرسہ والوں کو مدرسہ بورڈ قائم کرنے کے سلسلے میں قومی کمیشن برائے اقلیتی بورڈ کے چیئرمین جناب سہیل اعجاز صاحب کی طرف سے دعوت نامہ آیا تھا، اس کی یہ سب فائلیں ہیں۔

ھارون : یہ تو میں نے بھی سنا تھا، لیکن اخبارات میں یہ خبریں سن کر مایوسی ہوئی کہ دیوبند میں اسکے خلاف تمام مدرسہ والوں کا اجلاس ہوا، اور اس تجویز کو رد کردیا گیا ہے، حالانکہ قومی کمیشن برائے اقلیتی ادارہ جات کے چیئرمین جسٹس جناب سہیل اعجاز صاحب کی طرف سے مرکزی مدرسہ بورڈ کے سلسلہ میں غور وفکر کرنے کے لئے جو دعوت نامہ موصول ہوا ہے، اسمیں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جس کو بہت بڑا خطرہ سمجھا جاوے، وہ تو مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کیلئے سرگرم عمل ہے، عالمگیریت کے دور میں مدارس کے طلبہ وطالبات کی صلاحیتوں اور ان کی افادیت میں اضافہ کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے، کیوں کہ بقول مسٹر سہیل صاحب موجودہ دور میں دینی علوم کے ساتھ عصری اور دنیوی علوم ہی مسلمانوں کو پسماندگی اور

زوال سے باہر نکال سکتے ہیں، مرکزی مدرسہ بورڈ کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی نئی نسل کو روزی روٹی کمانا اور آخرت کا بھی کامیابی کا راستہ دکھانا ہے۔ اس سے مدارس کے بنیادی مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس مقصد کے حصول کیلئے جو بورڈ بنے گا، وہ خودمختار ہوگا، اس میں سرکاری مداخلت نہیں ہوگی، اس بورڈ سے مدرسہ والوں کو منسلک ہونا ضروری نہیں، بلکہ اختیاری ہوگا، اور اس کے بعد بھی مدارس کے نظام ونصاب سے متعلق تمام فیصلے کرنے کا اختیار ذمہ داران مدرسہ کو ہی ہوگا، البتہ دنیوی وعصری تعلیم کا نصاب بورڈ طے کرے گا، مدارس میں اختیارات کے بارے میں بھی سہیل صاحب نے بیان دیا کہ بورڈ سے جو مدارس ملحق ہوں گے، ان کی تعمیری توسیع، فرنیچر اور اساتذہ کی تنخواہوں میں یہ مالی تعاون کرے گا، مجھے ان سب باتوں میں کوئی قباحت وبرائی نظر نہیں آتی، ہمیں مدرسہ بورڈ کی تجویزیں قبول کر کے اسمیں عملی شرکت کرنا چاہئے۔

سلیم : بھائی! جسٹس جناب سہیل اعجاز صاحب نے کچھ عرصہ پہلے علمائے کرام کے ساتھ گروپ میٹنگوں میں بورڈ کی تشکیل کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اس وقت حاضرین علمائے کرام اور دانشوروں نے بہت سے معقول اعتراضات واشکالات پیش کئے تھے، جس کا جسٹس صاحب کوئی تشفی بخش جواب نہیں دے سکے تھے، پھر انہوں نے مسٹر ارجن سنگھ کی حاضری میں ۳ر دسمبر ۲۰۰۶ء کو اجلاس بلایا، جسمیں ملک بھر سے اچھی خاصی تعداد میں علمائے کرام اور دنیوی پڑھے لکھے حضرات نے شرکت کی، اور صرف علمائے کرام ہی نہیں بلکہ دانشوروں نے بھی بہت سے اشکالات پیش کئے، اور دانشوروں نے بھی یہ کہا کہ مدارس کے معاملات میں حکومت کی مداخلت نہ کرنے کی کوئی ضمانت بے معنی اور لاحاصل ہوگی۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مدرسہ بورڈ کی تجویز پچھلی این۔ڈی۔اے حکومت کے دور میں رکھی گئی تھی، اس وقت گروپ آف منسٹری کے نام سے جو وزارتی گروپ تشکیل دیا گیا

تھا، اس کی غلط رپورٹ کے فرضی وجھوٹے اندیشوں کی بنیاد پر یہ پروپیگنڈا کیا گیا تھا، کہ سرحدی علاقوں میں واقع مدارس دہشت گردی کے اڈّے ہیں، اس کے ساتھ ہی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے ہندوستان بھر کے مدارس کے خلاف تحریک چلائی، کافی تلاش وجستجو کے بعد بھی کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی، تو اس وقت کے وزیر داخلہ مسٹر اڈوانی نے اعلان کیا کہ آج تک کسی بھی مدرسہ سے کوئی خلاف قانون چیز پکڑی نہیں گئی ہے، اس طرح مدارس کو ڈرانے، دھمکانے کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس کے ساتھ ہی مدارس کی تجدید کاری اور اس میں دینوی تعلیم کا شوشہ بھی چھوڑا گیا، اور اسکی روشنی میں حمیداللہ بھٹ کمیٹی بنائی گئی، جس نے یہ سفارش پیش کی تھی کہ مدارس کے تعلیمی نصاب میں تبدیلی کی جاوے، این۔ڈی۔اے۔حکومت اپنے مسائل کے الجاو میں اس کو پورا نہ کرسکی، تو اب مسٹر ارجن سنگھ اس کو پورا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، گزشتہ الیکشن کے موقع پر کانگریس نے مرکزی مدارس بورڈ کی تجویز کو اپنے منشور میں شامل کرلیا تھا، لیکن جب حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی صدر مسلم پرسنل لا بورڈ سے تبادلہ خیال کیا گیا تو انہوں نے اس پر اعتراضات واشکالات پیش کئے جس کے بعد اسکو حذف کردیا گیا، سچر کمیٹی کی رپورٹ نے اس بات کو پوری طرح کھول دیا کہ آزادی کے بعد ایک خاص ذہنیت کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں مسلمانوں کو پیچھے رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، مسلم اکثریت والے سینکڑوں علاقے، بستیاں اور گاؤں ہیں جہاں آبادی کے تناسب اور مسلمانوں کی ضرورتوں کے لحاظ سے اسکول موجود نہیں ہے، بہت سی جگہ سائنس، حساب اور انگلش جیسے اہم سبجیکٹ کے اچھے ٹیچر نہیں ہے۔

اس کے ساتھ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب سچر کمیٹی نے پورے ملک کے مختلف علاقوں میں گھوم کر یہ تحقیق کرلی کہ مدرسہ میں پڑھنے والے بچے ۴؍ فیصد ہے، بقیہ ۹۶؍ فیصد بچے اسکول میں ہی پڑھتے ہیں، تو اب حکومت کیلئے دیانت وانصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ

۹۶ / فیصد بچوں کی فکر کریں، اس کے بجائے ۴ / فیصد بچوں کی فکر کرنا اور ۹۶ / فیصد کو بالکل نظر انداز کرنا یہ کہاں کی عقلمندی ہے، اسی لئے دہلی کمیشن کے نئے چیئر مین جناب کمال فاروقی صاحب نے بتایا کہ میں نے مدرسہ بورڈ کے بل کا ڈرافٹ (مسودہ) خود دیکھا ہے یہ سب ایک سازش کا حصہ ہے، جو مدارس کونشانہ بنانے کے لئے ہے، انہوں نے کہا کہ حکومت کا اصل مقصد اس ملک گیر ماحول کو بدلنا اور اس کا رخ دوسری جانب پھیرنا ہے، جو سچر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد ملک بھر میں مسلمانوں کے حق میں استوار ہورہا ہے، لہذا اس موقع پر ہمیں چوکس رہتے ہوئے سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق حکومت سے اس کے لئے مطالبہ اور سفارشات کرنی ہیں، ایسا نہ ہو کہ سچر کمیٹی کے رپورٹ کا رخ پھیرنے کیلئے مدرسہ بورڈ کا شوشہ چھوڑا گیا ہو، تاکہ مسلمانوں کی توجہ دوسری جانب ہوجائے، سچر کمیٹی ۹۶ / فیصد اسکول کے بچوں کی فکر کررہی ہے، اور مسٹر سہیل صاحب کو ۴ / فیصد مدرسہ والوں کی فکر ہے۔

یہ تو مدرسہ بورڈ کا تاریخی پس منظر تھا، اب میں آپ کے سامنے مدرسہ بورڈ کے نقصانات بیان کرنا چاہتا ہوں اسکو غور سے سنیں۔

﴿۱﴾ مدارس اسلامیہ کا قیام امت مسلمہ کی اقتصادی ترقی یا معاشی خوش حالی کے لئے نہیں ہوا بلکہ مدارس کا نصب العین ایسے رجال کار تیار کرنا ہے، جو اپنی ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا سے قطعاً بے نیاز ہوکر دین متین کے دفاع وتحفظ کا فریضہ انجام دیں، اسلامی علوم وفنون کے ماہر اور اسلام کی حقیقی روح سے واقف ہوں، سلف صالحین کے سچے جانشین ہوں اور اپنی دینی وروحانی طاقت اور علمی مہارت سے اسلام دشمن طاقتوں، فرق ضالّہ اور افکار باطلہ کے سیلاب بلاخیز پر بند باندھ سکیں، ظاہر ہے کہ ایسے افراد کی تیاری کے لئے مدارس اسلامیہ کی موجودہ سمت سفر ہی مناسب ہے، مدرسہ بورڈ سے تعلق ان کو بالکل الٹی سمت میں سفر شروع کرنے پر مجبور کرے گا، جو مدارس اسلامیہ کی معنوی موت کے مرادف ہوگا۔

﴿۲﴾ مدارس اسلامیہ امت مسلمہ کی ایمانی بقاء کے ضامن ہیں، امت مسلمہ کی روح، توحید ورسالت پر ایمان ہے، مدارس اسلامیہ کے سرکاری سرپرستی میں چلے جانے کے بعد اس کی کیا ضمانت ہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں ان کو بعض مشرکانہ ترانوں جیسے وندے ماترم وغیرہ پڑھنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی؟

بھارت کے آئین کی رو سے مسلمانوں کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے اور بغیر کسی خارجی مداخلت کے ان کو چلانے کا حق حاصل ہے، سرکاری بورڈ سے منسلک ہونے کے بعد مسلمانوں کا یہ بنیادی دستوری حق مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سرکاری امداد پر مبنی اسلامی مدارس کا تو ذکر ہی کیا؟ مسلمانوں کے سب سے بڑے عصری تعلیم کے ادارہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا حال دیکھ لیجئے، سرکاری امداد پر انحصار کا نتیجہ یہ ہیکہ آج تک اس کا اقلیتی کردار حفاظت کی ضمانت حاصل نہیں کرسکا۔

﴿۳﴾ مختلف اسلامی ملکوں میں مذہبی تعلیم کے نصاب پر نظر ثانی کی کوشش، بعض ملکوں میں مدارس کے خلاف کارروائیاں کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ امریکہ نے مدارس اسلامیہ اور ان کے نصاب ونظام کے خلاف ایک مہم چھیڑ رکھی ہے، اور ہماری حکومت بھی امریکی وفاداری کا دم بھرتی نظر آتی ہے، تو کیا یہ بات ناممکن ہے کہ مدرسہ بورڈ کا یہ اقدام ہماری حکومت کی جانب سے عالمی طاقتوں کے ساتھ اظہار وفاداری کا ایک حصہ ہو؟

جو حکومت مسلمانوں کے بے شمار جائز دستوری مطالبات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتی رہی ہو، وہ آخر بلا کسی مطالبہ کے مدارس کی فلاح و بہبود کا یہ عظیم الشان پروگرام لے کر کس طرح اٹھ کھڑی ہوئی؟ اگر حکومت اقلیتوں اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا ثبوت پیش کرنا چاہتی ہے تو مسلمانوں کے قائم کردہ عصری تعلیمی ادارے اس کا میدان ہیں۔ وہاں ہر طرح کا تعاون دے سکتی ہے، جب کہ صورت حال برعکس ہے ان کیلئے تو سرکاری منظوری حاصل کرنا

نہایت مشکل ہورہا ہے، اورطرح طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مختلف ریاستوں بنگال، بہار، راجستھان وغیرہ میں صوبائی بورڈ پہلے سے قائم ہیں، ان سے ملحق مدارس کی کارکردگی انتہائی خراب ہے، مرکزی مدرسہ بورڈ کے قائم ہونے کے بعد اس سے ملحق مدارس کی کارکردگی بہتر ہوگی اس کی کیا ضمانت ہے؟

اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ موجودہ حکومت مسلمانوں کی بہی خواہ ہے، تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ بھی یہی سرکار باقی رہے، کوئی دوسری حکومت نہیں آئے گی، جو مسلمانوں اور مدارس اسلامیہ پر شکنجہ کسنے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ اتراکھنڈ میں سابقہ حکومت نے مدارس کو کچھ امداد دی تھی، اب. بی. جے. پی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جو مدرسے سرکاری امداد پارہے ہیں، انہیں اب سرکاری نصاب پڑھانا ہوگا۔

﴿۴﴾ مدرسہ بورڈ کی تاسیس کے ذمہ دار سرکاری کمیشن کے چیئرمین صاحب کے اخباری بیانات کے حوالے سے یہ بات آچکی ہے کہ بورڈ اپنے سے ملحق مدارس کا عصری نصاب طے کرے گا، دینی نصاب میں مداخلت نہیں کرے گا، لیکن غور فرمایا جائے کہ جب سرکاری بورڈ مدارس کا عصری نصاب طے کرے گا، تو کیا وہ مدارس کے دینی نصاب کی پوری رعایت ملحوظ رکھنے کا پابند رہے گا؟ عصری دنیوی نصاب کو کتنا وقت دیا جائے؟ دینی نصاب کتنے وقت میں پڑھایا جائے؟ اسی طرح کن درجات تک عصری تعلیم کا نصاب جاری ہو؟ یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل میں کیا اہل مدارس اور بورڈ کے نقطۂ نظر میں اختلافات سامنے نہیں آئیں گے؟ اور اختلاف کی صورت میں کیا اہل مدارس اپنے دینی نصاب کی حسب منشا تکمیل کے لئے بورڈ کے مجوزہ عصری نصاب میں کوئی تحدید یا ترمیم کراسکیں گے؟ جب کہ بورڈ پہلے ہی کہہ رہا ہے کہ عصری تعلیم کا نصاب وہ خود طے کرے گا۔

 مغربی بنگال کے مدرسہ بورڈ کے نصاب میں ابتداء میں ۸۰ فیصد اسلامی علوم

اور ۲۰ فیصد دیگر مضامین شامل تھے، لیکن اب صورت حال یکسر مختلف ہے، صرف ۲۰ فیصد اسلامی علوم اس میں باقی رہ گئے ہیں۔

اب ان کے نصاب میں بخاری شریف تقریبا ۲۰ صفحات اور مسلم شریف ۲۵ صفحات میں محدود ہوکر رہ گئی ہے۔ بورڈ کے مدرسوں کے طلبہ کی وضع قطع مدارس کے طلبہ کے بالمقابل کالج کے طلبہ سے مشابہ ہوتی ہے۔

﴿۶﴾ بہار مدرسہ بورڈ تعلیم کے بجائے انتخابی سیاست کا موضوع بن گیا ہے۔ اساتذہ کا وقت تنخواہوں کے چکر میں اور طلبہ کا وقت احتجاجی جلوسوں میں صرف ہوتا ہے۔ اور تازہ خبر کے مطابق بہار مدرسہ بورڈ کو اسکولی تعلیمی نظام سے جوڑنے کی سفارش مسٹر مچکنڈ دوبے کمیٹی نے ۸ جون ۲۰۰۸ کو پیش کی ہے، جس کے بعد مدرسہ تعلیمی بورڈ ختم کر دیا جائے گا، اور تمام طلبہ کو یکساں نصاب قبول کرنا ہوگا، یہ مشترکہ نصاب کی آڑ میں مداخلت کی کوشش کی جارہی ہے۔

﴿۷﴾ تقریبا دو ہزار معلمین بہار مدرسہ بورڈ سے وابستہ ہیں، لیکن بیشتر اساتذہ کی تقرریوں کا یہ حال ہیکہ بے صلاحیت رشتہ داروں کی تقرریاں ہوتی ہیں، سرکاری منظوری فاضل درجات تک دی گئی ہے، لیکن معلمین واساتذہ صرف پرائمری درجات تک فراہم کیے گئے ہیں، کئی عصری مضامین شامل نصاب ہیں، لیکن ان کو پڑھانے کے لیے صرف ایک ٹیچر ہے، امتحانات میں جعلی حاضریاں ہوتی ہیں اور ناجائز پیسے وصول کیے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مدارس اجڑ گئے، صرف لق ودق عمارتیں باقی رہ گئی ہیں۔ دین وایمان اور اخلاق رخصت ہوگیا۔ ہمارے اکابر نے حکومت کی امداد سے ہمیشہ اجتناب برتا، صدر جمہوریہ دیوبند آئے، انہوں نے حکومت کی طرف سے تعاون کرنا چاہا، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحبؒ نے اصول کے خلاف سمجھا، منع

فرمادیا۔ذاتی طور پر کچھ پیشکش کی تو قبول فرمالیا، ضرورت ہے کہ ہم مدارس اسلامیہ کو اکابر کے منہج پر ہی باقی رکھیں۔

﴿۸﴾ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے قیام کے وقت بھی جو اصول ذکر کئے ان میں یہ لکھا ہوا ہے کہ:

(۱) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ ان شاءاللہ بشرط توجہ الی اللہ چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بےسروسامانی رہے۔

(۲) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۳) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

اگر گہرائی سے ان اصول کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ امداد دینے والی حکومت یا اصحاب اقتدار کی جانب سے مدارس کے نظام میں مداخلت کی کوشش ہو یا نہ ہو، مطلقاً اس امداد کو مدارس کیلئے مضر اور ان کے مقصد کے خلاف قرار دیا جارہا ہے اور اس کے دام میں پھنس جانے پر غیبی امداد سے جو مدارس کا اصل ذریعہ ہے، محروم ہوجانے کا خطرہ بتایا جارہا ہے۔

﴿۹﴾ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم، جب دارالعلوم میں تشریف لائے تو انہوں نے ایک تو طلبہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ علم کو وسیلۂ معاش نہ بناؤ بلکہ مقصد حیات سمجھو، اور دوسرے حضرات اکابر رحمہم اللہ کے اس نظریہ کی تائید کی بلکہ اس کو مدلل کیا کہ اپنی اسناد کو حکومتی اداروں سے منظور کرانے کے بجائے حکومتی اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔

﴿۱۰﴾ ظاہر یہ کیا جا رہا ہے کہ اس کا مقصد دینی مدارس میں جدید علوم کی تعلیم کا انتظام کرنا ہے، لیکن درحقیقت ان کا مقصد مدارس کے آزادانہ کردار کو متاثر کرنا ہے، حکومت چاہتی ہے کہ تنخواہ دار اساتذہ ہوں، جو حکومت کی سوچ کے مطابق نئی نسل کا مزاج بنا سکیں، حکومت کے وظیفہ خوار علماء ہوں، جو ایوان اقتدار کے چشم وابرو دیکھ کر فتوے دیں، فیصلے کریں اور وعظ کہیں، تا کہ ایک ایسا موڈرن اسلام وجود میں آسکے، جو نظام کفر کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگی رکھتا ہو، اور سماجی زندگی سے اپنا دامن سمیٹ کر مسجد کے بند دروازوں کے اندر معتکف ہو کر رہ جائے۔

ھارون : اگر مدرسہ بورڈ سے آپ ملحق ہونا نہیں چاہتے ہیں، تو دوسری آسان شکل یہ ہے کہ مدارس کے نصاب تعلیم میں دینی مضامین کے ساتھ ساتھ سائنس، حساب، اور انجینیر نگ وغیرہ کے سبجیکٹ بھی رکھے جانے چاہیئے، تا کہ جو علماء کرام ان دینی مدارس سے فارغ ہو کر نکلیں، وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ ان تجرباتی علوم کو بھی اچھی طرح جانتے ہوں، اور سماجی ومعاشرتی زندگی میں انکو کوئی دشواری نہ پیش آجائے۔

اسی طرح ان مدارس میں دوسرے دست کاری کے ہنر سکھانے اور ٹیکنیکی کلاسوں کا بھی انتظام ہونا چاہیئے تا کہ جو علماء مدارس سے فارغ ہو کر نکلیں وہ معاشی اعتبار سے مسلم سماج پر بوجھ بننے اور دوسروں کے محتاج بننے کے بجائے اپنے معاش کا انتظام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کر سکیں، اور دین کی خدمت کسی معاوضہ کے بغیر انجام دیں۔

سلیم : یہ تجویز خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ پیش کی جاتی ہو لیکن نہایت سطحی تجویز ہے، جو درحقیقت دینی مدارس کے مقاصد سے ناواقفیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد ایسے صاحب استعداد علماء پیدا کرنا ہے، جو قرآن وسنت اور ان کے متعلقہ علوم میں ماہرانہ بصیرت کے حامل ہوں، اور یہ مقصد جس ذہنی یکسوئی اور ہمہ تن توجہ کا متقاضی ہے اس

کی موجودگی میں یہ بات قریب قریب ناممکن ہے کہ ایک شخص بیک وقت اونچی استعداد کا حامل عالم دین بھی ہو اور ساتھ ساتھ ماہر ڈاکٹر، سائنسداں یا ماہر معاشیات بھی ہو۔

آج کا زمانہ جسے ہر علم وفن میں اختصاص کا دور کہا جاتا ہے، اس میں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے، آج اگر کوئی شخص علم طب کو اپنا خصوصی موضوع بناتا ہے، اور میڈیکل سائنس میں مہارت حاصل کرتا ہے تو کوئی بھی صاحب عقل اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ وہ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ انجینیر کیوں نہیں ہے؟ یا اگر کوئی شخص انجینیرنگ کے شعبے میں فارغ التحصیل ہوتا ہے تو اس پر کوئی ہوش مند یہ اعتراض نہیں کرتا کہ اس نے میڈیکل سائنس کیوں نہیں پڑھی؟

یہ دوسری تجویز بھی خواہ کتنی نیک نیتی سے پیش کی گئی ہو، اور بظاہر کتنی خوش نما معلوم ہوتی ہو، حقیقت پسندی سے بہت دور اور ناقابل عمل ہے.... پہلی بات تو وہی ہے کہ اگر دینی مدارس کا مقصد قرآن وسنت کے علوم میں بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرنا ہے تو یہ علوم اپنی تحصیل اور اپنی خدمت کیلئے پورا وقت چاہتے ہیں، اور آج کی زندگی جس قدر پیچیدہ ہوگئی ہے اس میں تجربہ یہی ہے کہ ٹیکنیکی کاموں میں لگ جانے کے بعد ان علوم کی خدمت محض ایک آرزو ہوکر رہ جاتی ہے، جو ساری عمر پوری نہیں ہوتی، بعض طلباء نے علم دین کے ساتھ ساتھ یہ ٹیکنیکی ہنر سیکھے، لیکن اس عملی تجربے میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر طالب علم دینی علوم کی خدمت میں لگا تو اپنے ہنر کی طرف توجہ نہ دے سکا، اور اس ہنر کے ذریعے کسب معاش میں مصروف ہوا تو علوم دین سے تعلق باقی نہ رکھ سکا۔ لہٰذا جو مدارس اعلیٰ قابلیت کے علماء تیار کرنے کے لئے قائم ہوئے ہیں، ان کیلئے یہ نہ ممکن ہے اور نہ مناسب کہ وہ اپنے طلباء کو علوم دین کے ساتھ ٹیکنیکی تربیت دینے کا بھی انتظام کریں۔

دوسرے یہ عجیب تصور ہے کہ اگر کوئی شخص معاشرے کی دینی ضروریات پوری کرکے کوئی

اجرت یا تنخواہ وصول کررہاہےتو وہ ''معاشرے پر بوجھ''یا'' دوسروں کا دست نگر''بن گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا علوم دین کی خدمت معاشرے کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا ایک مسلمان معاشرے کوایسے اہل علم کی حاجت نہیں جوان کی دینی ضروریات پوری کرسکیں؟ ان کونت نئے مسائل میں دین کی رہنمائی فراہم کرسکیں؟ان کے بچوں کو دینی تعلیم دے سکیں؟ان کے دینی مستقبل کے تحفظ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرسکیں؟ دین پرحملہ آور فتنوں کا مؤثر تعاقب کرسکیں؟اور دین سے متعلق وہ تمام امورانجام دے سکیں جو دوسرے کاموں میں مشغول افرادانجام دے سکتے ہیں۔

اگر یہ ایک مسلمان معاشرے کی اولین ضرورت ہے،اور کون ہے جواس حقیقت کا انکارکرسکے؟ تو اگرمعاشرہ ان خدمات کے صلے میں ایسے اہل علم کواپنے معاش سے بےفکر کرنے کے لئے اپنا فریضہ ادا کرتا ہےتو کونسا احسان ہے،جوان اہل علم پرکیا جارہاہے؟ اور اس کی بناء پر یہ خیال آخرکیوں پیدا ہوتا ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ اوردوسروں کے دست نگر ہیں؟اس لئے انہیں اپنی معاشی کفالت کیلئے کوئی اور ہنر سیکھنا چاہیئے۔

ھارون : مولانا،آخر یہ مولوی،ملاّ کونسی مخلوق ہے کہ سب ہی ان کے پیچھے پڑے ہیں؟ آخرسب کوان سے اتنا ڈرکیوں لگ رہاہے؟ سچی بات یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مال ودولت اور ظاہری وسائل کے اعتبار سے یہ مولوی لوگ کمزوراور بےبس ہیں،اوران سے ڈرنے والوں کے پاس سارے اسباب ووسائل اور ہرقسم کی طاقت وقوت حاصل ہے؟ جبکہ یہ مدارس جونہ حکومت سے مدد کے طالب ہیں،نہ ملازمت کے خواستگار ہیں بلکہ وہ یہ بھی مطالبہ نہیں کرتے ہیں کہ ان کی سند کو مان لیا جاوے۔

سلیم : اسلامی عقیدہ،اسلامی ثقافت اوراسلامی تشخصات کی حفاظت اورمسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے میں اس طبقہ کا بڑا حصہ ہے، وہ آج دشمنوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ

کھٹک رہا ہے، اور وہ یہ محسوس کررہے ہیں کہ جب تک یہ درویش صفت اور مادی وسائل کے اعتبار سے خستہ حال لیکن اسلام کے خاطر ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار گروہ باقی رہے گا، ممکن نہیں کہ مسلمانوں کے عقیدہ وایمان کو اغوا کیا جاسکے، اور انہیں مغربی یا زعفرانی تہذیب میں جذب کیا جاسکے، یہ ایسا سخت جان گروہ ہے کہ اسے بیگانے بھی برا کہتے ہیں، اور جو اپنے ہیں وہ بھی اس پر تحقیر وملامت کا تیر پھینکنے سے نہیں چوکتے، بے گھر یا خستہ حال گھر کے مالک، بہت سے اسباب عیش جو آج زندگی کی ضرورت کہلاتی ہیں، ان کے کام تو کیا، نام سے بھی نابلد، جہاں دو چار گھر مسلمان کے موجود ہوں، خواہ سڑکیں نہ ہو، بجلی نہ ہو اور دوسری سہولتیں بھی نہ ہوں، مسجد کے چبوترے پر بوریہ بچھائے وہیں فروکش، خاموش اور غیر محسوس طریقہ پر کام میں مصروف، لیکن آہستہ آہستہ اس کی تعلیم اور اس کی صحبت سے پوری آبادی کا رنگ ڈھنگ بدل جاتا ہے، عقیدہ کی اصلاح ہوتی ہے، لوگ فسق اور گناہ سے توبہ کرتے ہیں، ننھے چھوٹے بچے اسلامی وضع کا نمونہ بن جاتے ہیں، جو بوڑھی پیشانیاں سجدہ کی لذت سے ناآشنا تھیں؛ وہی اتباع سنت کا مظہر بن جاتی ہیں، ان کے ذریعہ نہایت خاموش، ٹھوس، دوررس اور وسیع الاثر انقلاب پورے سماج میں آتا ہے، اور آہستہ آہستہ نیچے سے اوپر تک کی سطح پر ایک شاندار روحانی انقلاب رونما ہوجاتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے غور کیجئے؛ اگر ہندوستان میں یہ مدارس اور ان کے فضلاء نہیں ہوتے تو مسلم حکومت کے زوال کے بعد سے آج تک ہم کس حشر میں ہوتے، ہمارے نام اور کام میں کہیں اسلام کا ادنیٰ سا رنگ بھی ہوتا؟ ہمیں حلال وحرام کے بنیادی مسائل کی رہنمائی بھی کس سے حاصل ہوسکتی؟ اور ہمیں فکری وتہذیبی ارتداد سے بچنے کا کوئی سامان مہیا ہوتا؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے، مسلمان اس ملک میں خون کے دریاؤں سے تیر کر باہر نکلے ہیں، انہوں نے ظلم وجور کا برہنہ رقص نہ جانے کتنی بار دیکھا ہے، معیشت کے نقصان

اٹھائے ہیں، تعلیم میں پسماندگی کو سہا ہے، گاہے اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کو تڑپتے ہوئے اور اپنی عزت وآبرو کو سرِ بازار نیلام ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے، ان پر لالچ کے ہتھیار بھی آزمائے گئے ہیں، اور مال وجائداد سے لے کر عزت وجاہ اور کرسی واقتدار کی طمع بھی انہیں دلائی گئی ہے، کہ وہ دین کی مضبوط رسی کو چھوڑ دیں؛ لیکن یہ سارے ہتھیار کیوں ناکام ہوئے، اور غارت گرانِ ایمان کو کیوں کفِ افسوس ملنا پڑا؟ یقیناً یہ انہیں مدارس اور ان کے فضلاء کی بے لوث کاوشوں اور انتھک محنتوں کا نتیجہ ہے۔

ھارون : اچھا تو اب مسلمانوں کی دنیوی تعلیم کی کمی دور کرنے کی کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئے؟ ہم کونسے ٹھوس قدم اٹھائیں جس کی وجہ سے ہماری قوم کا پچھڑا پن دور ہو، کیا آپ مدرسہ والوں کے پاس اس کی کوئی تدبیر اور کوئی پروگرام ہے؟ جو ہمارے ماسٹر اور پروفیسر صاحبان تک پہونچایا جاوے۔

سلیم : علمائے کرام نے تو ہندوستان بھر میں مدارس ومکاتب اسلامی کا سلسلہ جاری کر کے غریب وامیر ہر ایک کیلئے علوم دینیہ کے حصول کی راہیں کھول دی، اب آپ کے پروفیسر صاحبان اور دانشوران قوم کا فریضہ ہے کہ جو ایجوکیشن انہوں نے کالج ویونیورسٹیوں میں لیا ہے، اسکی روشنی لیکر وہ اٹھے، اور مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے ایسے اسکول قائم کریں، جہاں اسلامی ماحول میں معیاری دنیوی تعلیم کا مدارس کی طرح مفت نظم ہو، تاکہ مسلمانوں کے وہ بچے جن کی تعداد مدارس کے بچوں کے مقابلہ میں ۹۸ ر فیصد ہیں، وہ دین ودنیا دونوں میں کامیابی سے ہم کنار ہوسکیں، ہر گاؤں اور محلے میں تعلیمی کمیٹی اور انجمنیں بنا کر بچوں کی کوچنگ کلاس کا انتظام کریں، خاص کر کے مسلم اسکولوں میں حساب، سائنس اور انگریزی کے نتائج کی خرابی وغیرہ کو دور کرنے کی منصوبہ بند کوشش کی جائے، سائنس، ٹیکنالوجی خصوصاً انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم میں مہارت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور صحیح بات یہ ہے

کہ ہمارے دنیوی ایجوکیشن کے ماہرین پروفیسران ودانشوران قوم کوعلمائے کرام کومشورے دینے کے بجائے خودٹھوس اور قابل عمل راہیں تجویز کر کے جانی مالی اوروقتی قربانی دینی ہوگی، ان مدارس کے علماء کو پوچھو کہ ملک بھر میں مکاتب اور مدارس دینیہ کی جال بچھانے کے لئے انکو کیسی جانی مالی محنت اور انتھک قربانی حتی کہ ذلت نفس بھی برداشت کرنی پڑی ہے، لہذا صرف علمائے کرام کومشورہ دینے یا ان پر الزام لگانے سے کام نہیں چلے گا، اسکے لئے خود بھی محنت کرنی پڑے گی۔

قافلے دیکھ اور انکی برق رفتاری بھی دیکھ	–	رہرو درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ

بدقسمتی سے جوادارے اور کالج مسلمانوں کی طرف منسوب ہیں، اور ان کومسلم ادارہ سمجھا جاتا ہے، وہ عام طور پر تعلیم کوایک مقدس قومی فریضہ سمجھنے کے بجائے ایک ایسی ''تجارت'' کا تصور رکھتے ہیں جوکم خرچ میں زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہو، غریبوں پر ان اداروں کے دروازے بند ہیں، اور انہیں لوگوں کیلئے یہاں حصول تعلیم کی گنجائش ہے، جوخطیر اور کثیر رقم خرچ کرکے غیر مسلموں کے اداروں میں بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کفایتی فیس مقرر کی جائے جوغریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کیلئے قابل برداشت ہو، تعلیم کوتجارت بنانے کا مزاج ہم اپنی قوم میں نہ بنائیں، اس کے ساتھ یہ بات بھی یادرکھئے کہ صرف کسی اسکول کے مینجمنٹ اور ٹیچروں کامسلمان ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ ان کے اندر صحیح اسلامی عقائد اور عملی زندگی میں دین سے محبت ہونا بہت ہی ضروری ہے، ورنہ مسلم اسکول کھولنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، سرکاری اسکولیں آخر کس کام کی ہیں کہ ہم انکوچھوڑ کر اپنی اسکولیں بنائیں، اور مسلم قوم کا کروڑوں روپیوں کا نقصان کریں، یقیناً اسکا فائدہ یہی ہونا چاہئے کہ ہمارا بچہ اسلامی

ماحول اورفضا میں اپنی دینوی تعلیم حاصل کرسکے، جو سرکاری اسکولوں میں انکو میسر نہیں ہوسکتی ہے۔اس کے لئے عیسائی مشنری اسکولوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

ھارون : اسلام کے نظام زکوۃ کو بھی علمائے کرام نے ہائی جیک کرلیا ہے، ساری زکوۃ کی رقومات مدارس میں چلی جاتی ہے، اسکوہم دینوی تعلیم اور سماجی ترقیات کے دوسرے فنڈ وغیرہ میں استعمال کرسکتے ہیں، آج مسلمانوں کو ایجوکیشن، میڈیا، ہسپتال، کالج، یونیورسٹی وغیرہ کی ضرورت ہے، اورقوم کی ساری کمائی مدارس کے پیچھے چلی جارہی ہے، لہذا ہمارے زکوۃ کے نظام کوشرعی، اخلاقی، سماجی اوراقتصادی وغیرہ مختلف پہلو سے دیکھنا ہے، اوراسکا صحیح استعمال کرنا ہے۔

سلیم : اس مسئلہ پرغور کرنے کے لئے دو باتیں پیش نظر رکھنی ضروری ہیں: اول یہ کہ زکوۃ کا مقصد کیا ہے؟ اورزکوۃ کی ادائیگی میں کیا رعایت ملحوظ ہے؟ دوسرے کیا یہ مقصد دینی مدارس کوزکوۃ ادا کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے؟ ----قرآن مجید نے زکوۃ کے آٹھ مستحقین ذکر کئے ہیں، ان آٹھ مستحقین میں پانچ وہ ہیں جن سے مقصد غرباء اور حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنا ہے، فقیر ومسکین سے عام محتاج مراد ہیں، غلام، مقروض اور مسافر سے مخصوص نوعیت کے اور وقتی طور پر پریشان حال لوگوں کی حاجت برآری مقصود ہے، مؤلفة القلوب اورمجاہدین فی سبیل اللہ کی رعایت کا منشاء اسلام کی سربلندی اوراعلاء کلمۃ اللہ ہے، ''عاملین'' کی مدزکوۃ سے متعلق انتظامی اُمور کی انجام دہی اوراس کے اخراجات کی تکمیل کے لئے ہے، پس ان آٹھ مستحقین زکوۃ پرغور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کے بنیادی طور پر دومقاصد ہیں: غرباء کی حاجت پوری کرنا، اسلام کی بلندی اوراس کی دعوت واشاعت اورحفاظت وصیانت کے نظام کوتقویت پہنچانا۔

مصرف زکوۃ کی روح کوسامنے رکھ کر دینی مدارس کے نظام اوراس کے کردار پرغور کیجئے:

تو معلوم ہوگا کہ دینی مدارس کی حیثیت عام درس گاہوں کی نہیں ہے، عام درس گاہوں کا مقصد بچوں کو ایسی تعلیم سے آراستہ کرنا ہے، جو آئندہ ان کو ملازمت دلائے اور زیادہ سے زیادہ کمانے کے لائق بنائے، لیکن دینی مدارس کی حیثیت اس سے مختلف ہے، خاص کر ہندوستان میں اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔

جب ہندوستان سے مسلمانوں کے اقتدار کا سورج غروب ہونے لگا اور انگریز نہایت چالبازی کے ساتھ اپنے قدم بڑھانے لگے تو انہوں نے ہندوستان کو مستقل طور پر اپنے زیر اثر رکھنے کی غرض سے رعایا کی فکر ونظر میں تبدیلی کو بھی ضروری سمجھا اور بے سروپا اعتراضات اور خلاف واقعہ شکوک وشبہات اسلام پر شروع کئے، تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنے مذہب کے بارے میں غیر مطمئن اور بدگمان ہوجائے، اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے ایمان کا سودا کریں، اس پس منظر میں علمائے کرام نے طے کیا کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں دینی درسگاہوں کا جال بچھا دیا جائے، اور ایک ایسی نسل کو وجود بخشا جائے، جو مادی منافع کے پیچھے دوڑنے کے بجائے اپنی دنیا کو قربان کر کے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت پر کمر بستہ رہے، فاقہ مستی اسے گوارا ہو، معمولی کھانا اور معمولی پہننے پر وہ قناعت کرسکے، اور خس پوش جھونپڑیوں میں چٹائیوں پر بیٹھ کر اپنے آپ کو خدا کے دین کی حفاظت اور سر بلندی کے لئے وقف رکھے۔

غور کیجئے کہ گذشتہ ڈیڑھ دوسو سال میں اسلام کے خلاف اس ملک میں جتنی یورشیں ہوئی ہیں، ان کا مقابلہ کس نے کیا؟ جب ملک کی گلی کوچوں میں عیسائی پادری لوگوں کو دعوت ارتداد دے رہے تھے تو کس نے شہر شہر اور قریہ قریہ ان کا تعاقب کیا؟ جب آریہ سماجی تحریک اُٹھی اور اس نے افلاس زدہ جاہل وناخواندہ مسلمانوں کو ہندو مذہب کی طرف لوٹنے کی دعوت دی تو کون لوگ تھے، جو اس فتنہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوئے؟ جب پنجاب سے

انگریزوں کی شہہ پر مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، تو کون لوگ اس فتنۂ کبریٰ کے خلاف اٹھے اور ہر سطح پر اس فتنہ کی بیخ کنی کا فریضہ انجام دیا؟ جب کچھ لوگوں نے مستشرقین سے متاثر ہو کر حدیث نبوی ﷺ کے حجت و دلیل ہونے کا انکار کیا تا کہ شریعت کا طوق اپنے گلے سے نکال پھینکا جا سکے، تو کن لوگوں نے ان جھوٹے بازی گروں کو للکارا، اسلام کے خلاف مسلمان نوجوانوں کو کمیونزم کا نشہ پلایا گیا، تو یہ کون لوگ تھے جنہوں نے پوری معقولیت کے ساتھ اس طوفان کا راستہ روکا؟ اور جب مسلمانوں کے بچے کچے شرعی قوانین کو بھی منسوخ کرنے کی سازشیں رچی جانے لگیں، تو کن لوگوں نے تحفظ شریعت کی تحریک چلائی اور ان کالی گھٹاؤں کو اپنا رخ بدلنے پر مجبور کیا؟ یہ سب انہیں بے نوا فقیروں اور ناسمجھ مسلمانوں کی تنقیدوں کا ہدف بننے والے مولویوں کا کارنامہ ہے، سیاسی قائدین نے سیاسی فائدے اٹھائے اور موقع وحال کے مطابق اپنے ضمیر کی تجارت بھی کی، دانشور کہلانے والے حکومت کے اونچے عہدوں پر فائز المرام ہو کر اعلی تنخواہیں وصول کرتے رہے، اور جہاں حکومت نے ضرورت محسوس کی ان کی زبان سے اپنی باتیں کہلوائیں، اور انہوں نے بھی بے تکلف حق نمک ادا کیا، لیکن یہی دینی مدارس ہیں، جنہوں نے مادی نقصان کے باوجود استقامت کی راہ اختیار کی۔

یہ مدارس ہی ہیں کہ ان کی وجہ سے ہندوستان میں اسپین کی تاریخ دوہرائی نہ جا سکی، اور مذہبی غیرت وحمیت اور اسلامی شعار کا احترام واہتمام جس قدر اس ہندوستان میں پایا جاتا ہے اکثر مسلم ممالک بھی اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتے؛ اس لئے بلا خوف تردید اور بغیر کسی طرفداری کے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس وقت اسلام کی حفاظت وبقاء، اس کی دعوت واشاعت اور اس کی سر بلندی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی مدارس ہیں، اور یہ بھی ایک

حقیقت ہے کہ ان مدارس میں ایک بہت بڑی تعداد ان بچوں کی ہے جو غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس ان مدارس کو زکوۃ ادا کرنے میں زکوۃ کے دونوں مقاصد کی بیک وقت تکمیل ہوتی ہے، غرباء کی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے، اور اسلام کی سر بلندی کے مقصد میں بھی مدد ملتی ہے۔

اس لئے ہمارے فقہاء نے خوب سوچ سمجھ کر ضرورت مند علماء اور علم دین حاصل کرنے میں مشغول طلبہ کو زکوہ ادا کرنے کی ترغیب دی ہے، اور اس کو زیادہ باعث فضیلت بتایا ہے، مشہور محدث امام عبداللہ بن مبارکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی اعانتیں علماء ہی پر خرچ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مقام نبوت کے بعد علماء سے بڑھ کر کوئی بلند مرتبہ نہیں۔

اور یہ کچھ فقہاء کی اپنی بات نہیں بلکہ خود قرآن مجید سے ماخوذ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **للفقراء الذين احصروا فی سبيل الله لا يستطيعون ضربا فی الارض يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لا يسئلون الناس الحافاو ماتنفقوا من خير فان الله به عليم** (بقرة : ۲۷۳) (صدقات میں) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں، ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے، ناواقف انہیں غنی خیال کرتا ہے، سوان سے ان کی احتیاط کے باعث، تو انہیں ان کے چہرہ کے نقوش سے پہچان لے گا، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالی اس کا خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو محتاج اور ضرورت مند حضرات دین کے کام کی وجہ سے کسب معاش میں مستقل طور پر لگنے سے عاجز ہوں، وہ صدقات اور اعانتوں کے زیادہ مستحق ہیں، اسی لئے اکابر مفسرین کا رجحان یہی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اس سے اشارہ اصحاب صفہ یعنی صفہ میں مقیم طالبان علوم نبوت کی طرف تھا، (دیکھئے،

تفسیر کبیر:۶۳۶/۳،تفسیر قرطبی:۳۴۰/۳) بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے یہ طریقہ مروج تھا کہ اہل ثروت صحابہؓ اپنے صدقات کی کھجور اصحاب صفہ کے لئے پیش کیا کرتے تھے، اور حضور ﷺ کی طرف سے ان کو اس کی ہدایت ہوتی تھی، اس لئے یوں تو تمام محتاج وضرورت مند مسلمانوں کی زکوۃ سے مدد کرنی چاہئے، لیکن دینی مدارس کا خصوصی استحقاق قرآن سے بھی ثابت ہے، حدیث سے بھی، سلف صالحین کے عمل سے بھی، اور یہ زیادہ مکمل طریقہ پر مقاصد زکوۃ کو پورا کرتا ہے، اور بالخصوص ہندوستان کے موجودہ حالات میں اسلام کی بقاء اور حفاظت کے لئے یہ نہایت ہی مؤثر ذریعہ اور طاقتور وسیلہ ہے۔

ھارون : دینی ودنیوی یعنی عصری علوم دونوں کی حقیقت، خاصیت، فوائد اور اسکے نتیجوں کے بارے میں تھوڑی روشنی ڈالیں تاکہ میں بھی اسکی حقیقت سمجھ کر اس سلسلہ میں کوئی لائحۂ عمل طے کرسکوں؛ ساتھ میں یہ بھی بتائیں کہ ان حقیقتوں، خاصیتوں اور اسکے فوائد ونتائج سے ہماری عملی زندگی میں کیا اثر وفرق مرتب ہوتا ہے؟ اور دینی مدارس کے کچھ امتیازی اور خصوصی اوصاف ہوں تو اسکو بھی ضرور بیان فرمائیں؟

سلیم : بھائی آپ نے بہت ہی عمدہ سوال کیا ہے، اسکا جواب جاننا اور سمجھنا آج کے سائنسی دور کے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ تو سنئے، پہلے میں آپ کے سامنے مدرسوں میں پڑھائے جانے والے علوم کی بنیادی خصوصیات ذکر کرتا ہوں، اسکے بعد اسکے نتیجے میں انسانی سماج پر اسکے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بھی ذکر کروں گا۔

دینی مدارس کی اہم ترین امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی بنیاد علم حقیقی پر قائم ہے، یعنی دین اسلام پر جو کہ مذہب کا واحد محفوظ ایڈیشن ہے، یہ ایک بے حد اہم بات ہے کیوں کہ دوسرے جتنے بھی تعلیمی نظام ہیں، ان سب کی بنیاد علم ظنی پر قائم ہے نہ کہ علم حقیقی پر۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی مدارس میں جو لوگ تعلیم وتربیت حاصل کرتے ہیں، وہ اس حیثیت میں

ہوتے ہیں کہ اپنے عقیدہ وعمل کو اعتماد کی بنیاد پر قائم کرسکیں، وہ اس یقین کے ساتھ جئیں کہ انھوں نے جو کچھ پایا ہے وہ عین سچائی ہے، اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں۔

اکثر دینی مدارس میں قرآن کو تقریبا مکمل طور پر بطور نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ یہی معاملہ حدیث کا ہے، وہ مدارس کے نصاب میں لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل رہتی ہیں۔ یہ کوئی سادہ بات نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مدارس اپنے طلبہ کو ذہنی اور روحانی حیثیت سے ایک ایسی تربیت دیتے ہیں جو کسی اور نظام تعلیم میں سرے سے ممکن ہی نہیں۔ دوسرے اداروں میں اگر تعلیم کی بنیاد انسانی علم پر ہے تو دینی اداروں میں تعلیم کی بنیاد خدائی علم پر ہے، میں چند تقابلی مثالیں دوں گا جن سے اندازہ ہوگا کہ دینی مدرسہ اور غیر دینی مدرسہ میں کیا فرق ہے؟ وہ کون سے امتیازی اوصاف ہیں جو غیر دینی تعلیم گاہوں کے مقابلہ میں دینی تعلیم گاہوں کو حاصل ہیں۔

غیر دینی درس گاہیں عملا ایک ہی مقصد کے تحت قائم ہیں، اور وہ یہ ہے کہ طالب علم کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ دنیا میں اچھا جاب حاصل کر سکے، ہر جگہ جاب رخی تعلیم (Job-oriented education) کا رواج ہے، گویا کہ یہ تعلیم گاہیں انسان کو حیوانِ کاسِب (earning animal) بنانے کے کارخانے ہیں۔

دینی مدارس کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک لفظ میں کہا جاسکتا ہے کہ دینی مدارس خدارخی تعلیم (God-oriented education) کے ادارے ہیں، وہ انسان کے اندر اعلی مقصدیت کا شعور جگاتے ہیں، وہ انسان کو مادی سطح سے اٹھا کر روحانی یا ربانی سطح پر جینا سکھاتے ہیں۔

غیر دینی مدارس عملی طور پر یہ سبق دیتے ہیں کہ دنیا کی مادی چیزوں کا حصول ہی ہماری زندگی کی آخری منزل ہے۔ جب کہ دینی مدارس ہر طالب علم کے اندر یہ ذہن بناتے ہیں کہ

دنیا کی مادی چیزیں تمہاری ضرورت ہیں نہ کہ تمہارا مقصد۔

غیر دینی مدارس کا جو فلسفہ ہے اس میں انسان کے لئے آزادی کا پیغام تو موجود ہے مگر آزادی کے حدود (limitations) کا کوئی تعین نہیں، اس کا ایک نتیجہ وہ ہے جو جدید ترقی یافتہ ملکوں میں بے قید جنسی تعلقات اور بے قید لذت پسندی کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ غیر دینی درسگاہوں میں اس بے قیدی پر روک لگانے کا کوئی قانون نظری طور پر موجود نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سماجوں میں ظاہری ترقیوں کے باوجود حقیقی انسانیت کا ارتقاء ممکن نہ ہوسکا۔

اس کے برعکس دینی درسگاہوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی بنیاد خدائی شریعت کے اصول پر قائم ہے، چنانچہ دینی درسگاہوں کے فلسفۂ تعلیم میں انسان کے لئے جس طرح آزادی ایک معلوم اصول کی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح یہاں یہ بھی پوری طرح معلوم ہے کہ آزادی کے حدود کیا ہیں، کب تک آزادی ایک رحمت ہے، اور وہ کون سی حد ہے جس سے تجاوز کرنے کے بعد آزادی اس کے لئے برعکس طور پر عذاب بن جائے گی۔

غیر دینی تعلیمی نظام میں ایک بڑا خلا یہ ہے کہ اس کو کسی بھی معاملہ میں نقطۂ آغاز (starting point) کا علم نہیں۔ اس کا سارا انحصار ذاتی تجربات اور مشاہدات پر ہوتا ہے۔ انسان اپنی لازمی محدودیت (limitation) کی بنا پر کبھی یہ جان نہیں پاتا کہ کسی معاملہ کا حقیقی نقطۂ آغاز کیا ہے، اس لئے ایسی درسگاہوں میں تربیت پائے ہوئے ذہن ابدی طور پر فکری ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں، وہ کبھی علم حقیقی کے درجہ تک نہیں پہنچتے۔ اس کے برعکس دینی درسگاہ اپنے الٰہی علم (divine knowledge) کی بنا پر اس حیثیت میں ہوتی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں پہلے ہی قدم پر صحیح نقطۂ آغاز کو پالے اور نتیجۃً فکری ٹھوکر کھانے سے بچ جائے۔

اس کی ایک مثال ڈارِوِن کا بندر سے انسان بننے کا ارتقاءِ حیات کا فلسفہ ہے، اس معاملہ میں غیر دینی درسگاہوں میں تعلیم پائے ہوئے افراد کے پاس نقطۂ آغاز کے لئے کوئی معلوم

اصول موجود نہ تھا،انہوں نے اٹکل سے حیاتیاتی ارتقاء کا مفروضہ (hypo thesi) قائم کیا،سوسال سے بھی زیادہ مدت تک اس مفروضہ کو واقعہ ثابت کرنے کے لئے بے شمار اعلی دماغوں نے اس پر اپنی عمریں صرف کردیں،اس پر ہزاروں بلین ڈالرخرچ کئے گئے؛مگران کا مفروضہ آج بھی صرف مفروضہ ہے،بلند بانگ دعووں کے باوجود کسی بھی درجہ میں وہ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ چنانچہ نظریۂ ارتقاء کے محقق علماءخود یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ڈارون کا یہ نظریہ اب بھی صرف ایک کام چلاؤ نظریہ (workable theory) ہے نہ کہ کوئی ثابت شدہ علمی حقیقت۔

اس کے برعکس دینی درسگاہ میں تربیت پائے ہوئے انسان کا ذہن اول دن سے بالکل صاف ہوتا ہے،قرآن کی بنیاد پر،وہ اول دن سے اس یقین کا حامل ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا آغاز خدائی تخلیق کے ذریعہ ہوا؛نہ کہ محض بے شعور مادی عوامل کے ارتقاء سے،اس طرح دینی درسگاہ کا ایک انسان حیاتیات کے معاملہ میں اس نقطۂ آغاز کو پہلے ہی دن پالیتا ہے،جس کو غیر دینی درس گاہ میں تربیت پائے ہوئے لوگ سوسال سے زیادہ مدت تک مہنگی قسم کی علمی سرگرمیوں کے باوجود پانے میں ناکام رہے۔

غیر دینی درسگاہوں میں جو فلسفۂ حیات رائج ہے،اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ انسان لذت اور مسرت کے حصول کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنالے،چنانچہ آج غیر دینی درسگاہوں کے تعلیم پائے ہوئے تمام لوگ اسی واحد مقصد کے تحت زندگی گزارر ہے ہیں۔

اس نظریہ کا عملی تجربہ بتاتا ہے کہ وہ ہلاکت خیز حد تک غلط ہے،اس ذہن کے لوگ اپنی ساری عمران چیزوں کے حصول میں لگادیتے ہیں،جنکو وہ بظاہر خوشی ولذت کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر جب ہزار کوشش کے بعد وہ ان مطلوب چیزوں کا ڈھیر اکٹھا کر لیتے ہیں؛تو اچانک ان

کومعلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں خواہ کتنی ہی زیادہ ہوں، وہ انہیں لذت ومسرت دینے والی نہیں، اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی فطری صلاحیت کے اعتبار سے لامحدوداستعداد (unlimited capacity) کا مالک ہے، جب کہ دنیا کی ہر چیز صرف محدودخوشی اور محدودلذت ہی دے سکتی ہے، گویاانسان اپنی طلب کے اعتبار سے کامل تسکین چاہتا ہے؛ جب کہ مادی چیزیں اپنی محدودیت کی بناپراس کو جزئی تسکین ہی دے سکتی ہیں،اسی فرق کا نتیجہ وہ چیز ہے جس کواکتاہٹ (boredom) کہا جاتا ہے،یہی وجہ ہے کہ آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیامیں مادی سازوسامان کی بے پناہ کثرت ہے،مگران سامانوں نے انسان کو جو چیز دی ہے وہ صرف مایوسی(frustration) ہے نہ کہ تسکین،جس کوحاصل کرنے کے لئے یہ مادی سازوسامان فراہم کیا گیا تھا۔

دینی مدرسہ میں تعلیم وتربیت پائے ہوئے انسان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، ایسے لوگ جس فلسفۂ حیات کا سبق لے کراپنی مادر علمی سے نکلتے ہیں، وہ یہ ہے کہ موجودہ دنیا امتحان کے لئے ہے نہ کہ حصول مسرت کے لئے ،یہ نقطۂ نظران کے رویہ کو یکسر بدل دیتاہے،وہ دنیا کی کامیابی کے بجائے آخرت کی کامیابی کواپنی منزل بناتے ہیں،دنیامیں عیش ڈھونڈنے کے بجائے آخرت میں جنت کاحصول ان کانشانہ بن جاتا ہے۔

سوچ کے اس فرق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم پائے ہوئے لوگ تعیش (luxury) کے بجائے ضرورت کواپنی توجہ کا مرکز بناتے ہیں،وہ فراوانی (adundance) کے بجائے قناعت کے اصول پرراضی رہتے ہیں،کل کی خوشی کااحساس ان کے لئے آج کے غم کو ہلکا کردیتاہے،وہ کبھی مایوسی سے دوچارنہیں ہوتے ،کیوں کہ جوکچھ انہیں موجودہ دنیامیں ملتاہے؛ اسی کووہ اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں،ان کا سینہ حرص اورحسد جیسے منفی احساسات سے پاک ہوتاہے، کیوں کہ حرص اورحسد جیسے احساسات مادی کمی کی زمین پرابھرتے ہیں،اوردینی تعلیم کے تربیت

یافتہ لوگ اپنے غیر مادی ذہن کی بناپر اس کمزوری سے پیشگی طور پر محفوظ ہوتے ہیں۔

دینی مدارس اور غیر دینی مدارس کے فرق کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ اصولی اعتبار سے ہے، جہاں تک عملی حیثیت کا تعلق ہے، دینی مدارس میں بہت سی خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے، مگر بنیادی بات یہ ہے کہ غیر دینی تعلیم گاہوں میں جو کمیاں ہیں وہ عین ان کے اصول اور فلسفہ کی بنا پر ہیں، اور اس اعتبار سے وہ ان کے نظام کا لازمی حصہ ہیں، جب کہ دینی تعلیم گاہوں میں جو کمیاں پائی جاتی ہیں وہ ان کی عملی کوتاہی کا نتیجہ ہیں، نہ کہ نظریۂ تعلیم میں نقص کا نتیجہ، اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ عملی کوتاہی کو اصلاحی کوشش سے دور کیا جاسکتا ہے، جب کہ نظریاتی نقص کو اس وقت تک دور نہیں کیا جاسکتا؛ جب تک کہ خود نظریہ ہی کو غلط قرار دے کر اس کو رد نہ کر دیا جائے۔

معاشی پہلو سے بھی دیکھا جائے تو مدارس کا کردار نہایت اہم ہے، صورت حال یہ ہے کہ ملک میں بے روزگاری عام ہے، لاکھوں ڈاکٹر اور انجینیر بے روزگار ہیں، جب کہ حکومت کی رپورٹ کے مطابق صرف گیارہ صوبوں میں چھوٹے بڑے ۲۹,۰۹۸ مدارس ہیں، اگر ہر مدرسہ میں اوسطاً دس افراد کا اسٹاف مانا جائے تو ان کی تعداد ۲,۹۰,۹۸۰ ہوتی ہے، پھر اندازہ کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں کم از کم پانچ لاکھ مسجدیں ہیں، ہر مسجد میں ایک امام اور ایک مؤذن کی ضرورت پیش آتی ہے، گویا مسجدیں دس لاکھ افراد کیلئے روزگار کا ذریعہ بھی ہیں، اس طرح گیارہ صوبوں کے مدارس اور ملک کی مساجد کے ذریعہ ۴۴,۰۷,۹۸۰ /افراد کو روزگار ملتا ہے، یہ تعداد صرف ۱۱/صوبوں کی ہے یہ اس تعداد کے علاوہ ہے جو ملک کی دیگر ریاستوں میں مدارس کی ہے، تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں بھی ان مدارس کا اہم حصہ ہے، یہ ضرور ہے کہ ان اداروں میں تنخواہیں کم ملتی ہیں اور مذہبی جذبہ کے تحت معمولی اجرتوں پر لوگ کام کرتے ہیں، لیکن بہر حال یہ ایک بہت بڑی تعداد کیلئے روزگار کا ذریعہ ہیں۔

هارون : بھائی صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے ذہن میں آنے والے بہت سے اشکالات کا بہترین اسلوب میں تشفی بخش جواب دیا۔ جزاک اللہ۔اب میں بھی کل سے آپ کے ساتھ دارالعلوم میں دوبارہ واپس پڑھنے آجاؤں گا۔ان شاء اللہ تعالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ....

شرعی عدالتوں کی قانونی حیثیت

ھارون : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خالد : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

ھارون : ارے بھائی! کیا آپ کے مفتیان کرام اور قاضیوں نے آجکل کوئی نیا فتوی جاری نہیں کیا ہے؟ آج کی سائنس اورٹیکنالوجی کی مہذب دنیا میں انسان چاند پر کمند ڈال چکا ہے،لیکن ہمارا مسلم سماج ابھی ان مولویوں کے شکنجے سے آزاد نہیں ہوا ہے، ملک میں فتوں اورشرعی عدالتوں کے نام پر انکی ایک مستقل حکومت چل رہی ہے، خاص کر کے عورتوں پر تو ان کے ظلم وستم کی حد ہوگئی ہے، آج کے موڈرن زمانہ میں بھی وہ قرون وسطی والے نکاح وطلاق کے پرانے اورفرسودہ مسائل میں امت کو الجھاکر نئے نئے فتنے پیدا کررہے ہیں۔

اس سے پہلے شاہ بانو کیس پھر گم شدہ فوجی کی بیوی گڑیا کا مسئلہ،عمرانہ کے خسر والا مسئلہ ،گوڑگاؤں کی عاسو بی بی سے زنا بالجبر اورابھی عورتوں کا بغیر حجاب کے انتخابی مہم میں حصہ نہ لینے کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کا فتوی وغیرہ یہ سب واقعات سماج کے پچھڑے پن اورعورتوں کی مظلومیت کی عکاسی کررہے ہیں،اسی لئے تو سپریم کورٹ کے ایڈوکیٹ (Advocate) وشنولوچن مدان نے سپریم کورٹ میں ایک درخواست دی ہے،جس میں یہ دعوی کیا ہے کہ شرعی عدالتوں کا قیام ملک کے عدالتی نظام کی بالادستی کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے،انھوں نے مذکورہ عورتوں نیز دارالعلوم دیوبند کے فتوی کا حوالہ دیتے ہوئے سپریم کورٹ سے گذارش کی ہے کہ وہ حکومت کو ہدایت دے کہ موجودہ تمام اسلامی شرعی عدالتیں اوردارالقضاء فوراً تحلیل کرکے ان پر مکمل پابندی عائد کردی جائے ، نیز حکومت یہ اعلان بھی

کر دے کہ اس قسم کے فتوے کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، مسٹر مدان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ملک میں جو فوجداری قوانین ہیں؛ ان کو کام کرنے نہیں دیا جارہا ہے، اور علمائے کرام نے اس پورے معاملہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔

مرکزی وزیر قانون ہنس راج بھاردواج نے فتوی کے متعلق تو سیاسی جواب دے دیا کہ مسلمانوں کا داخلی معاملہ ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ بھی کہا کہ ملک کا دستور صرف سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی ماتحتی میں چلنے والے عدالتی نظام کو ہی تسلیم کرتا ہے، گویا کہ ان کے بیان کے مطابق بھارت کا دستور کسی اسلامی عدالت کو نہیں مانتا ہے؛ لہذا نکاح وطلاق کے اسلامی نظام میں زمانہ کی ترقی اور حالات کے پیش نظر کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے۔

خالد : بھائی ! آپ نے سپریم کورٹ ، ملک کا دستور اور سپریم کورٹ کے وکیل صاحب کے حوالے سے گفتگو کی ہے، اس کا تعلق ملک کے دستور سے ہے، لہذا میں اس کا جواب بھی قانونی انداز میں ہی دوں گا، اس لئے اس کو غور وتوجہ سے سننا ہوگا۔

تو سنئے ؛ سپریم کورٹ کے وکیل مسٹر مدان صاحب کی درخواست کے متن کو میں نے بھی اخبارات میں پڑھا ہے، ہمیں بہت ہی افسوس ہے کہ سپریم کورٹ جیسی ملک کی سب سے بڑی عدالت کے وکیل صاحب ہو کر بھی مسٹر مدان صاحب کو اسلامی مدارس کے دارالافتاء اور دارالقضاء کے نام سے چلنے والی شرعی عدالتوں کے نظام سے ذرہ برابر بھی واقفیت نہیں ہے، ورنہ وہ اس طرح کی درخواست عدالت میں پیش ہی نہیں کرتے ، انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ شرعی عدالتوں میں کس نوعیت کے مسائل اور جھگڑوں کی سماعت ہوتی ہے اور فیصلے سنائے جاتے ہیں، صحیح اور سچی بات یہ ہے کہ اسلامی عدالتوں میں عموماً مسلمانوں کے خاندانی اور سماجی جھگڑوں کے ہی سلسلہ میں فیصلے اور تصفیئے ہوتے ہیں ، نکاح ، طلاق ، خلع ، وقف ، وراثت وغیرہ چند ہی عنوانات شامل ہیں اور جن کو حکومت نے خود ہی پرسنل لا کے نام سے باقی رکھا ہے۔

اسکی دلیل یہ ہیکہ پرسنل لا کے عنوان پر لکھی گئی دسیوں کتابیں ہماری لائبریریوں میں موجود ہیں، ان میں ان چند موضوعات کے علاوہ فوجداری وغیرہ کسی بھی قانون کا ذکر نہیں ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کتابوں کے لکھنے والے، جن میں علماء کرام بلکہ ہندو مسلم قانون داں حضرات بھی شامل ہیں؛ وہ جانتے ہیں کہ پرسنل لا میں انہی چند مسائل سے بحث کی جاتی ہے، اور جو علماء کرام اس کا فیصلہ کرتے ہیں وہ صرف اس لائن کے تعلیم یافتہ ہی نہیں بلکہ تربیت یافتہ بھی ہوتے ہیں، اور جو فیصلہ بھی وہ کرتے ہیں؛ وہ شرعی قوانین کے مطابق کرتے ہیں، اور یہ وہی شرعی اسلامی قوانین ہیں؛ جنکی بھارت کے دستور کی دفعہ ۲۵ کے مطابق اقلیتوں کو آزادی دی گئی ہے، دستور ہند کی دفعہ ۲۵ میں ہندوستان کے ہر شہری کو اپنے ضمیر، مذہبی عمل اور مذہبی تبلیغ کی پوری آزادی دی گئی ہے، دستور ہند کی دفعہ ۲۹ میں کلچر رائٹس کے تحت عمومی طور پر کہا گیا ہے کہ ہندوستانی شہریوں کا کوئی بھی طبقہ جو اپنا الگ کلچر اور زبان رکھتا ہو اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے کلچر اور زبان کی حفاظت کرے، دوسری بات یہ ہے کہ مذہبی آزادی دستور کے اس حصہ میں گئی ہے جس کا تعلق شہریوں کے بنیادی حقوق Fandamentalrights سے ہے اور دستور کی دفعہ ۳۷ کے مطابق یہ بنیادی حقوق دوسرے رہنما اصول Direetive PrinciPales کے مقابلہ میں اصل ہیں، اور رہنما اصول اس کے تابع ہیں، جس کی دفعہ ۴۴ کا یہ لوگ بار بار ذکر کرتے ہیں۔

انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ کی دفعہ ۲ میں ہے کہ شریعت ایکٹ کے نفاذ کے بعد کوئی دوسرا رواج یا دستور جو اس وقت تک عمل میں رہا ہو، شریعت کے خلاف ان معاملات میں جو مسلم پرسنل لا کے مطابق مسلمانوں میں نافذ کئے جانے چاہئے؛ لاگو نہیں ہوگا، دفعہ ۱۳(۲) نے ایسی قانون سازی کو غلط کہا ہے؛ جس سے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

یہ انسانی حقوق کے اس عالمی منشور Univarsal Declaration of

Human rights کے تحت ہے جس کو اقوام متحدہ نے ۱۹۴۸ میں جاری کیا تھا، اور جس کا ایک مستقل ممبر ہندوستان بھی ہے، اس منشور کے آرٹیکل ۱۸ میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ ہر آدمی کو مذہب کی آزادی ہوگی، اس میں مذہب بدلنے کی آزادی اور اپنے پسندیدہ مذہب پر عمل کرنے کی آزادی بھی شامل ہے، ہندوستان نے اس عالمی منشور پر اپنا دستخط ثبت کیا ہے، اس طرح مذہبی آزادی ہر ہندوستانی شہری کا ایک ایسا حق بن جاتا ہے؛ جسکو کسی بھی حال میں ساقط نہیں کیا جاسکتا۔

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اس مسئلہ میں ملک کے دستور کی دفعہ ۲۵، ۲۶، ۲۹ اور دفعہ ۳۷ نیز ۱۹۳۷ کا شریعت ایکٹ اور Univasal Declaration of Human rights یہ سب ہمیں قانونی اجازت دیتے ہیں کہ ہم اپنے سماجی مسائل قرآن شریف کی روشنی میں مفتیان کرام اور قاضی حضرات سے حل کرواسکتے ہیں، اور ان حضرات کی طرف سے شریعت کی روشنی میں دئے گئے فتوی اور فیصلے خود حکومت کے دئے گئے اختیارات پر ہی عمل کرنا ہوگا، نہ کہ اپنی طرف سے حکومت کے مقابلہ میں نئی عدالت چلانا ہوگا۔ اور اس طرح پرسنل لا اور شریعت ایکٹ کے مطابق مسائل حل کرنے کیلئے علمائے کرام اور مفتیان عظام کو تربیت دینے کے ادارے بھی قائم کرنا ہوگا، یہی ادارے دارالقضاء اور دارالافتاء ہیں، لہذا یہ تو علمائے کرام کا حکومت کی مدد کرنا ہوا مقابلہ کرنا نہیں ہوا، حکومت کے مقابلے میں متوازی نظام قائم کرنے کا تو سوال ہی پیدانہیں ہوتا، بلکہ ملک میں عدل وانصاف قائم کرکے یہ ملکی عدالتوں کا بوجھ مفت میں حل کرتے ہیں، لہذا یہ شرعی عدالتیں تو شکریہ کی مستحق ہوئی نہ کہ ملامت کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب عدالت کے باہر دو فریق کے اپنے جھگڑے اور مقدمات کے فیصلہ کروانے اور لوک عدالتیں قائم کرنے کی حکومت خود حوصلہ افزائی کرتی ہے، اور ان

کے کیئے ہوئے فیصلوں کو حکومت فخریہ انداز میں بیان کرتی ہے، تو شرعی عدالتوں میں بھی دونوں جماعتوں یا فریق کو قرآن شریف اور حدیث شریف کی روشنی میں آخرت کا خوف دلا کر صلح کرنے پر راضی کرلیا جاتا ہے، اور اس طرح ہندوستانی سماج کو گناہوں اور لڑائی جھگڑوں سے پاک کرنے ہی کی کوشش کی جاتی ہے، جس کی لوک عدالت کی طرح حکومت اور عدالت عالیہ کی طرف سے حوصلہ افزائی ہونی چاہئے ؛ نہ کہ حوصلہ شکنی، اور اس میں صرف مسلمانوں کے ہی مقدمات نہیں آتے ؛ بلکہ کبھی ایک فریق ہندو ہوتا ہے، اس کا حق کسی مسلمان نے دبا دیا ہے، تو وہ بھی شرعی عدالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسا کہ امارت شرعیہ پٹنہ اور احمد آباد وغیرہ کے واقعات سے پتا چلتا ہے۔

امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ جو ۱۹۲۱ سے قائم ہے، وہ ۸۵ / سال میں ایسے ہزاروں کیس کے فیصلے دے چکی ہیں ؛ جو وہاں کی ہائی کورٹ میں بھی حل نہیں ہو سکے، لہذا اگر شرعی عدالتوں پر خدانخواستہ کوئی پابندی عائد ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ حکومت کی کورٹوں کو ہی بھگتنا ہوگا کہ ان میں مقدمات کی بھرمار ہو جائے گی، اور عدالتوں کے فیصلے کی تاخیر کا اندازہ تو ابھی ہم نے دیکھا کہ ۱۹۸۴ء کے سکھ مخالف دنگوں کے خلاف کیس کا حل ۲۱ / برسوں کے بعد ابھی شروع ہوا ہے، اور اصل مجرمین کو سزا کب ملتی ہے؟ وہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا، اور فیصلوں کی تاخیر انصاف کا گلا گھونٹنا ہی ہوتا ہے، انگریزی میں کہاوت ہے

Justice dely is Justice denied

مسٹر وشنولوچن مدان کو ہندوستان کے دیہاتی علاقوں اور جنگلی آبادی کی وہ پنچایتیں اور جماعتیں نظر نہیں آتیں ؛ جس میں پنچایتوں کی طرف سے عورت کے ساتھ زنا بالجبر یا اس کی شرمگاہ میں مرچ وغیرہ ڈال کر اس کو پورے گاؤں میں ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔

ھارون : آج کا مہذب اور ترقی یافتہ انسان جس نے سائنس اور ٹکنالوجی کے علاوہ

معاشرتی زندگی کے بے شمار مسائل پر تحقیق وریسرچ کر کے نئے نئے علوم وفنون کو وضع کیا، قانون اوراصول قانون کے دفتر کے دفتر لکھ دیئے ،اور مشہور ماہر قانون ڈاکٹر راسکو پاؤنڈ، جون آسٹن jon Astan ،جو جزف ودکرچ Josef woodkrch ،الکس کیرل ،سگمنڈ فرائڈ ،ابراہیم میسلو Abraham Maslow وغیرہ سینکڑوں ماہرین قانون اورسماجیات ونفسیات کے ماہرین نے انسانی سماج اورفرد کے متعلق باریک سے باریک باتیں تحریر فرما کراس فن کو مکمل کردیا ہے، پھر بھی ہم مذہبی کتابوں اور علماء کرام ومفتیان عظام کے بھی محتاج رہیں گے، مذہب کے افیون اور بھوت سے ہم کو نجات ہی نہیں ملے گی۔ عبادات اور مذہبی رسومات تو ہم علمائے کرام کے کہنے کے مطابق ادا کریں، لیکن سماجی زندگی کے مسائل ہم اپنے قانون کے مطابق ہی چلائیں جیسے کہ ہندو اور عیسائی برادری کررہی ہے، بالفاظ دیگر جو خدا کا ہے وہ خدا کو دیں، اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیں تو کیا حرج ہے؟

خالد : میں آپ کے سامنے ایک ایسی حقیقت اور سچائی کی بات بیان کرنا چاہتا ہوں کہ شاید آپ اسکا یقین نہیں کریں گے؛ لیکن میں دلائل سے واضح کروں گا، وہ یہ کہ آج تک انسان اپنی زندگی کا قانون دریافت نہ کرسکا، کہنے کو اگر چہ ساری دنیا میں قانونی حکومتیں قائم ہیں؛ مگر یہ تمام قوانین نہ صرف یہ کہ اپنے مقصد میں بری طرح ناکام ہیں، بلکہ جبری نفاذ کے سوا ان کی پشت پر کوئی حقیقی وجہ جواز بھی موجود نہیں ہے، ایک حقیقت ہے کہ یہ قوانین اپنے حق میں علمی اور نظریاتی بنیاد سے محروم ہیں، فلر L.L.fuller کے الفاظ میں ’’ قانون نے ابھی اپنے آپ کو نہیں پایا ہے‘‘ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے، جسکا نام ہے’’ قانون خود اپنی تلاش میں‘‘ The law in Quest of itself حتی کہ ایک عالم قانون کے الفاظ میں ’’ اگر دس قانون دانوں کو قانون کی تعریف بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو بلا مبالغہ ہم کو گیارہ مختلف قسم کے جوابات سننے کیلئے تیار رہنا چاہئے ‘‘۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ماہرین قانون کو وہ صحیح بنیاد ہی نہیں ملی ؛جسکی بنیاد پر وہ مطلوبہ قانون کی تشکیل کرسکیں ، فرائڈمین W.Fried maen کے الفاظ میں ''یہ ایک حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب کو اس مسئلہ کا حل ابتک اس کے سوانہیں مل سکا کہ وہ گاہ بگاہ ایک انتہاء سے دوسری انتہاء کی طرف لڑھک جایا کرے۔

قانون کا سب سے پہلا اورلازمی سوال یہ ہے کہ وہ کون ہوجسکی منظوری سے کسی قانون کو قانون کا درجہ دیا جاے، ماہرین قانون ابتک اس سوال کے جواب کا حل حاصل نہ کر سکے۔

اسی طرح قانون کیلئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اس بات کی کوئی معقول وجہ موجود ہوکہ وہ کیوں کسی چیز کو''جرم'' قرار دیتا ہے۔ مثلا زنا کا ارتکاب سوسائٹی میں زبردست فساد پھیلاتا ہے، وہ ناجائز اولاد کے مسائل پیدا کرتا ہے، وہ رشتۂ نکاح کو کمزور کردیتا ہے، وہ چوری اورخیانت کی تربیت کرتا ہے، وہ قتل اوراغوا کوفروغ دیتا ہے، وہ سارے سماج کے دل ودماغ کو گندا کردیتا ہے ؛مگراسکے باوجود قانون اسے کوئی سزانہیں دے سکتا، کیوں کہ اسکے پاس زنا بالرضا کوجرم قرار دینے کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے، اس مشکل کا جواب صرف خدا کے قانون میں ہے؛ کیوں کہ خدا کا قانون مالک کائنات کی مرضی کا اظہار ہوتا ہے، کسی قانون کا خدائی قانون ہونا بذات خود اس بات کی کافی وجہ ہے کہ وہ بندوں کے اوپر نافذ ہو، اس کے بعداسکے لئے کسی اورسبب کی ضرورت نہیں، اس طرح خدائی قانون ،قانون کی اس ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ کس بنیاد پر کسی فعل کوقانون کی زد میں لایا جائے ،تمدنی قوانین کی دریافت میں اس درجہ کی بلکہ اس سے زیادہ کوششوں کے باوجود ایک فیصد بھی کامیابی نہیں ہوئی ،تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ محض تلاش کے نامکمل ہونے کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو چیز تلاش کی جارہی ہے اس کا پانا انسان کے بس ہی میں نہیں ہے وما

اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

میں چندایسی مثالیں پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ یہ دعوی کس قدر صحیح ہے کہ صرف خدائی بنیاد ہی حقیقی بنیاد ہے جس سے ہم انسانی زندگی کا قانون اخذ کرسکتے ہیں۔اسلام کی نظر میں عورت ومرد دونوں برابرنہیں ہیں، چنانچہ اس نے دونوں صنفوں کے درمیان آزادانہ اختلاط کوسخت ناپسند کیا ہے، جب صنعتی دورشروع ہوا،تو اسلام کے اس اصول کا بہت مذاق اڑایا گیا،اسکو دورِ جہالت کی یادگار قرار دیا گیا، بڑے زوروشور سے یہ بات کہی گئی کہ عورت مرد دونوں یکساں ہیں،اوردونوں مساوی طور پرنسلِ انسانی کے وارث ہیں،ان کے میل جول کے درمیان کوئی دیوار کھڑی کرنا ایک جرم عظیم ہوگا ،چنانچہ ساری دنیا میں اورخاص طور سے مغرب میں اس اصول پر ایک نئی سوسائٹی ابھرنا شروع ہوئی؛مگرطویل تجربہ نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ پیدائشی طور پر دونوں برابر نہیں ہیں،اسلئے دونوں کو یکساں فرض کر کے جوسماج بنایا جائے وہ لازمی طور پر بے شمار خرابیاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا،ڈاکٹر الکسس کیرل عورت ومرد کا فعلیاتی Physiological فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرداورعورت کا فرق محض جنسی اعضاء کی خاص شکل،رحم کی موجودگی،حمل یا طریقۂ تعلیم ہی کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ اختلافات بنیادی قسم کے ہیں،خود نسیجوں کی بناوٹ اور پورے نظام جسمانی کے اندرخاص کیمیائی مادے جوخاصیۃ الرحم سے مترشح ہوتے رہتے ہیں،وہ ان اختلافات کا حقیقی باعث ہیں،صنف نازک کی ترقی کے حامی ان بنیادی حقیقتوں سے ناواقف ہونے کی بنیاد پر یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جنسوں کوایک ہی قسم کی تعلیم،ایک ہی قسم کے اختیارات اورایک ہی قسم کی ذمہ داریاں ملنی چاہئے حقیقت یہ ہے کہ عورت مرد سے بالکل ہی مختلف ہے،اس کے جسم کے ہرایک خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے،اس کے اعضاء اورسب سے بڑھکر اسکے اعصابی نظام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔عورتوں کو چاہئے کہ اپنی

فطرت کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیں، اور مردوں کی نقالی کرنیکی کوشش نہ کریں‘‘

امریکہ کی ایک تحقیق میں ۲۰ سال تک ذہین طلباء کے ریکارڈ کے مطالعہ سے پتہ چلایا کہ لڑکے حساب، کمپیوٹر، سائنس اور انجینیرنگ میں بہتر صلاحیت دکھاتے ہیں، اور لڑکیاں بایالوجی، سماجیات اور عمرانیات میں زیادہ دلچسپی دکھاتی ہیں۔

مردوں کا دماغ خواتین کے مقابلہ ۴ گنا تیز ہوتا ہے، سائنس دانوں نے پایا کہ کسی شے کو دیکھنے کے بعد اسکی اطلاع آنکھ سے دماغ تک پہنچنے میں جو وقت لگتا ہے وہ مدت مردوں کے مقابلے عورتوں میں زیادہ لگتی ہے۔

امریکی ماہرین کی ایک ٹیم نے برین اسکینگ (FMRI) کے ذریعہ یہ معلوم کیا ہے کہ مرد اپنے دماغ کی صرف ایک جانب سے سنتے ہیں، جب کہ عورتیں اپنے دماغ کی دونوں سمت کو استعمال کرتی ہے۔

یہ ریسرچ بتاتی ہے کہ عورت اور مرد کے اس دماغی فرق کی بنا پر دونوں کے دیکھنے اور سننے میں فرق ہو جاتا ہے، مرد اپنے دماغی بناوٹ کی بنا پر کسی ایک چیز کو زیادہ توجہ سے دیکھتا ہے، اسکے مقابلے میں عورت کی دماغی بناوٹ کی بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت مختلف چیزوں کو دیکھتی اور سنتی ہے، مرد کا مرکز توجہ ایک چیز ہوتی ہے اور عورت کی توجہ کا مرکز کئی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس ریسرچ سے اس بات کا بھی جواب ملتا ہے کہ اسلام میں عورت اور مرد کی گواہی کے درمیان فرق کیوں رکھا گیا ہے۔

اس فرق کی بنا پر ہمیشہ یہ امکان رہے گا کہ جس واقعہ کی گواہی دینا ہے اس واقعہ کو مرد کے دماغ نے اپنی پوری صورت میں رجسٹر کیا ہو، جب کہ عورت کے معاملہ میں یہ امکان ہے کہ مختلف فطری بناوٹ کی بنا پر کسی ایک عورت کے دماغ نے واقعہ کو اس کے تمام اجزاء کے ساتھ رجسٹر نہ کیا ہو۔ ایسی حالت میں دو عورتوں کو گواہ بنانے میں یہ حکمت ہے کہ اگر واقعہ کا

ایک پہلو ایک عورت سے چھوٹ جائے تو دوسری عورت اس کی تلافی کردے۔

سائنسی تحقیق کے مطابق قرآن کا یہ حکم صرف ایک حکم نہیں رہتا بلکہ وہ خود فطرت کا ایک اصول بن جاتا ہے۔

اسی طرح اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اسکو بھی تہذیب جدید نے بڑے زوروشور کے ساتھ جہالت کا قانون قرار دیا ہے، مگر تجربہ نے ظاہر کردیا ہے کہ اسلام کا یہ اصول انسانی فطرت کا عین تقاضا ہے، کیوں کہ چند زوجیت کے قانون کو ختم کرنا دراصل درجنوں غیر قانونی زوجیت کا دروازہ کھولنا ہے، اقوام متحدہ کے ڈیموگرافک سالانہ ۱۹۵۹ء کا حوالہ دونگا، اس میں اعداد شمار کے ذریعہ بتایا گیاہیکہ یورپی ملکوں میں حرامی بچوں کا تناسب ساتھ فی صدی ہے، اور بعض مما لک مثلاً پناما میں تو چار میں سے تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں، یعنی ۷۵ فیصدی حرامی بچے، لاطینی امریکہ میں اس قسم کے بچوں کی تعداد سب اسے زیادہ ہے، اقوام متحدہ کے اس ڈیموگرافک سالنامہ سے معلوم ہوتاہے کہ مسلم ملکوں میں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب نفی کے برابر ہے، مسلم مما لک دور جدید کی اس عام وبا سے محفوظ کیوں ہے، اس کا جواب متحدہ اقوام کا سالنامہ مرتب کرنے والے اڈیٹروں نے یہ دیا ہے کہ چونکہ مسلم مما لک میں چند زوجیت (Polygamy) کا رواج ہے، اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے، چند زوجیت کے اصول نے مسلم ملکوں کو وقت کے اس طوفان سے بچالیاہے، اس طرح تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ سابق خدائی اصول ہی زیادہ صحیح اور مبنی برحقیقت تھا۔

خلاصہ یہ کہ وضعی قانون کوئی قابل قبول اصول قانون دریافت کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہاہے، مزید یہ کہ وہ آئندہ بھی ناکام ہی رہے گا؛ کیوں کہ انسان کی محدودیت اس راہ میں حائل ہورہی ہے۔

وہ واقعہ جس نے انسان کیلیئے اصول قانون کی دریافت کو ناممکن بنادیا ہے، اسی میں الٰہی قانون کی صداقت کا قرینہ چھپا ہوا ہے؛ کیونکہ ایک طرف ذہن انسانی کی محدودیت اور دوسری طرف حقائق کی وسعت ظاہر کررہی ہے کہ کوئی ایسا ذہن ہو، جو انسانی ذہن سے برتر ہو، اور جسکے اندر سارے حقائق موجود ہوں۔

پروفیسر سپیر صدر کالج جنیوا لکھتے ہیں کہ ''پوری نسل انسانی کو پیغمبر اسلام ﷺ پر فخر کرنا چاہئے کیونکہ آپ نے انسانیت کے لئے وہ قانون چھوڑا، جسکے اعلی معیار پر انسانیت اگر آئندہ دو ہزار سال میں بھی آجائے تو بڑی باعثِ مسرت کامیابی ہوتی''۔

فرینچ مستشرق لی بان لکھتے ہیں کہ ''اسلام کے طفیل عورتوں کے حقوق محفوظ اور خاندانی روابط مضبوط ہوئے، اورادنی درجہ کا غلام خاندان کا ایک معزز فرد بن گیا، زکوۃ نے اخلاق عامہ کی تطہیر کی، عدل واحسان نے شعوری طور پر دلوں میں گھر کرلیا، معاشرہ کی بنیادیں مضبوط ہوگئیں، خصوصا عورتوں کا مقام بہت بلند ہوگیا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو عزت وحرمت کا مستحق بنادیا، عربی تمدن میں موجودہ تمدن جیسی تمام سہولتیں عورتوں کو میسر تھیں، اسلام نے جاہلی بندھنوں سے عورت کو نکالنے میں پہلا رول ادا کیا ہے، انہیں میراث کا حق دیا، انہیں ملکیت کا حق دیا، نکاح وطلاق اور تعداد زوج میں جو بے قیدی چلی آرہی تھی اسمیں اصلاح کی ، اسلام نے پردہ کا حکم ضرور دیا؛ لیکن مجالس علم، مساجد اور دوسرے فلاحی کاموں سے انہیں کبھی نہیں روکا۔

ہزار بار حکیموں نے اسکو سلجھایا	-	مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہاں کا وہیں
قصور زن کا نہیں اس خرابی میں	-	گواہ اسکی شرافت پہ ہیں مہ وپروین

فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور - کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ھارون : بھائی! آخر یہ دارالقضاء اور دارالافتاء یعنی شرعی عدالتیں کیا ہیں؟ قرآن شریف

اور احادیث مبارکہ سے اس کا کوئی ثبوت اور فضیلت واہمیت بھی معلوم ہوتی ہے؟ یا صرف آپ لوگ اپنی حکومت باقی رکھنے کے لئے ھی یہ سب کچھ ڈراما کھیل رہے ہیں؟ اور کیا زمانہ کی رفتار کے اعتبار سے نئے مسائل میں اجتہاد واستنباط بھی کرتے ہیں؟ یا پرانے مسائل پر ہی لکیر کے فقیر ہوکر عوام کو الجھا کر نئی نئی مصیبتیں کھڑی کرتے ہو؟ اگر آپ حضرات نے زمانے کی رفتار کے اعتبار سے کوئی ترقی کی ہو، اور عالم اسلام میں اس سلسلے میں کوئی پیش رفت ہوئی ہے، تو اسکو بھی بیان کریں؟

خالد : ایسا نظام جس کے ذریعہ انسانوں کے باہمی نزاعات میں اللہ تعالی کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کیا جاوے اسکو نظام قضاء کہتے ہیں۔ نظام قضاء کی ضرورت واہمیت پر کتاب وسنت اور عقل ونقل شاہد ہیں اور اس کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے۔

اللہ تعالی خود خالق ہے، اسی کا حکم مخلوق پر چلنا چاہئے، جس طرح خلق میں اور دوسری صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں اسی طرح وہ اپنے حکم میں بھی کسی کو شریک نہیں بناتا **الا لہ الخلق والامر** (اعراف:۵۴) سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا، حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے **ولا یشرک فی حکمۃ احدا** (کہف:۲۶) اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کس کو۔ اسی طرح حکم قرآنی **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم**، اور **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون** اور **من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون** اسی طرح **انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا** (النور) مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا **فاحکم بینھم بما انزل اللہ** اور **فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم** (النساء) پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان

دار نہ ہوں گے، جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں لوگ آپ سے تصفیہ کرائیں، **وان احکم بینهم بما انزل الله ولا تتبع اهوائهم** ،اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور **فاحکم بین الناس بالحق ولاتتبع الهوی** ،اور **واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل** اور **یریدون أن یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به** وہ لوگ اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جاتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں۔ یہ تمام آیات نظام قضاء پر صراحۃ دلادت کرتی ہے۔

اسی طرح جب ہم اس نظام کے لئے کتب احادیث کے ابواب پڑھتے ہیں تو امہات کتب حدیث میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں ''امارۃ'' اور ''قضاء'' کا خصوصی باب نہ ہو، مجموعہ احادیث میں کسی نہ کسی عنوان سے امارت وقضاء کے متعلق احادیث کا عظیم ذخیرہ موجود ہے۔

چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے جلد ثانی جزء ۲۹ میں تقریبا ۹ صفحات پر ان روایات کو ذکر فرمایا ہے، جس میں امارۃ وقضاء کے متعلقات کا بیان ہے، اور ان روایات کا عنوان کتاب الاحکام متعین فرمایا ہے، اسی طرح امام مسلمؒ نے تقریبا چوبیس صفحات پر اور امام ابوداودؒ نے چالیس صفحات پر، اور امام نسائیؒ نے دس صفحات پر آداب قضاء کے موضوع پر احادیث کا احصاء کیا ہے، امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ دونوں ہی امارت قضاء کی روایات کو امام بخاری کی طرح ابواب الاحکام کے ذیل میں ذکر کر رہے ہیں۔

حضوا کرم ﷺ نے بہ نفس نفیس نزاعات کی سماعت کی ہے، اور ان کا فیصلہ فرمایا ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''سننا اور ماننا مسلمان پر ضروری ہے، چاہے وہ پسند کرے یا اسے ناگوار ہو، جب تک اسے کسی معصیت کا حکم نہ دیا گیا ہو، جب معصیت کا حکم دیا جائے تو سننا اور ماننا نہیں''۔

ارشادنبوی ﷺ ہے ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جو امیر کی اطاعت کرے تو اس نے میری اطاعت کی، اور جو امیر کا حکم نہ مانے تو اس نے میری نافرمانی کی''

علاوہ ازیں قضاء کا حاصل امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر ہے اور یہ ایک فعل محمود اور شرعاً مامور بہ ہے۔

بھائی...... اس طرح یہ بات بھی سمجھئے کہ شریعت کے اصولوں میں ایسی گہرائی و گیرائی اور لچک ہے کہ ان کی روشنی میں ہر زمانہ حتی کے آج کے ترقی یافتہ سائنس اور ٹکنالوجی کے دور میں بھی پیش آمدہ تمام مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے، یہ صرف خوش کن دعوے نہیں ہے بلکہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ اور اسلامی لائبیریوں میں رکھے ہوئے فقہ اسلامی کے ذخیرے اسکی گواہی دیتے ہیں، دورِ اول یعنی خلافت امویہ وخلافت عباسیہ کی ابتداء میں جب اسلامی حکومتوں کا سایہ جزیرۃ العرب سے نکل کر افریقہ، ایشیا، بلکہ یورپ تک پھیل گیا تھا اور طرح طرح کے تمدنی، معاشرتی، معاملاتی، اور نئے نئے مسائل کا سامنا ہوا تو مفتیانِ کرام کے اس مقدس گروہ نے اس کا حل ایک لمحے کی تاخیر کیئے بغیر پیش کیا، جس سے نئی اسلامی حکومتوں اور علماء کو کسی اور تہذیب وقانون کا دست نگر ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اس دور میں فقہائے سبعہ مدنیہ اور ائمہ اربعہ نیز ان کے ممتاز شاگردوں کے کارہائے نمایاں پر اجمالی نظر ڈالنے سے ہی مذکورہ دعوے کی تصدیق ہوسکتی ہے، بعد کے ادوار میں تو اسکے بعد کتابوں کا سیل رواں بہ رہا تھا، ۳۵ جلدوں میں المبسوط، ۸۰ جلدوں میں الکفایة ، ۴۰ جلدوں میں المحیط البرھانی، ۳۷ جلدوں میں فتاوی ابن تیمیہ ۲۰ جلدوں میں شرح المھذب، فتاوی عالمگیری، مجلہ الاحکام العدلیہ وغیرہ سینکڑوں کتابیں فقہائے کرام کی محنت اور کاوش کے نتیجے میں اسلامی کتب خانوں کی زینت اور حضرات علمائے کرام ومفتیان عظام کارات

دن کا اوڑھا بچھونا بنی ہوئی ہیں، مزید تفصیل کے لئے حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی کتاب **الثقافة الاسلامیه فی الهند** کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ماضی قریب کے علمائے کرام میں شاہ عبدالعزیزؒ، مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت تھانویؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولنا سجادؒ، مفتی محمد سفیعؒ، مفتی مہدی حسنؒ، مفتی محمود الحسنؒ، مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ مفتی رشید لدھیانویؒ وغیرہ مفتیان عظام کا بیش بہا فقہی ذخیرہ ہمارے سامنے ہے۔

موجودہ زمانے کے جدید بے لگام تمدنی ترقی کی وجہ سے ہر صبح نئے مسائل کا طوفان لے کر طلوع ہوتی ہے، بقول حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ **کلما زادت الفجور کثرت المسائل** یعنی جس قدر فسق و فجور میں اضافہ ہوگا مسائل بھی اسی قدر بڑھتے جائیگے۔

ان پیچیدہ تمدنی مسائل کے حل کے لئے انفرادی کوششوں کے بجائے اجتماعی بحث وتحقیق کا نظام زیادہ بہتر ہے، لہذا **اشاوروا الفقهاء والعابدین** کے پیش نظر حضرات علماء کرام اور حکومتوں نے مختلف فقہی اکیڈمیاں قائم فرمائی ہیں، جس میں تنظیم اسلامی کانفرنس OIC کے ماتحت کام کرنے والی اسلامی فقہ اکیڈمی جدّہ، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیر انتظام **المجمع الفقهی الاسلامی**، کویت کی اسلامی تنظیم برائے طبی علوم، پاکستان کی مجلس تحقیق مسائل حاضرہ، مولانا تقی عثمانی صاحب کے فقہی مقالات، اور ہندوستان کی اسلامک فقہ اکیڈمی، جمعیۃ علماء ہند کی **المباحث الفقهیه** اور سعودی عرب کے علماء کرام کی **هیئة کبار العلماء** وغیرہ متعدد اکیڈمیاں سرگرم عمل ہیں۔ اورانہوں نے تمام جدید مسائل خاص کر کے تجارت، بینکنگ، اور جدید میڈیکل سائنس وغیرہ پر تحقیقی مقالے تیار کئے ہیں انکی فہرست پڑھکر ہی ہم لوگ حیران ہوجائینگے، ابھی D.N.A، کلوننگ اور جینٹک انجینیر نگ وغیرہ مسائل کے سلسلہ میں مختلف عرب ملکوں کے سیمنار کی جو روئداد آئی ہے وہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل

ہے،اور خود اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی جو فقہ کی نشاۃ جدیدہ کے معمار حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی باقیات صالحات ہے،اس نے بھی تمام جدید مسائل پر بہت ہی شاندار کتابیں اور ۳۵ فقہی مجلدات شائع کئے ہیں،ان علمائے کرام اور مفتیان عظام کو تو مبارک بادی دینی چاہئے کہ اس ناقدری کے دور میں اپنوں کی بے اعتنائی اور غیروں کی حوصلہ شکن سازشوں کے باوجود بھی وہ حضرات اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، بقول شاعر....

چراغ اپنا جلائے ہوئے ہے وہ مرد درویش	-	جسکو حق نے دئے ہیں انداز خسروانہ

ھارون : بھائی! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے میرے ہر سوال کا تشفی بخش جواب دیا،اور آپ کی صحیح دینی معلومات کے ساتھ دنیوی وملکی قانون معلومات کو منظّم انداز میں سن کر ہی میرے اعتراضات دور ہو گئے کہ جب مدارس اسلامیہ کے طلبہ حالات کی نزاکت کو خوب اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں،اور اسکا قانونی زبان میں جواب دیتے ہیں تو مدارس کے علمائے کرام کا تو پوچھنا ہی کیا۔

خالد : بس اکبر کے اس شعر پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

یورپ والے جو چاہیں دل میں بھر دیں	-	جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر	-	تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کردیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ......

اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام

منہاج : جاوید بھائی! السلام علیکم۔

جاوید : بھائی! وعلیکم السلام، بھائی سنائیے، آج کل کیا چل رہا ہے، اخبارات والے کیا لکھ رہے ہیں؟

منہاج: بھائی! اخبارات میں کیا لکھا جاتا ہے، رات دن لڑائی، جھگڑے، لوٹ مار، خونا مرکی کے سواء اور کچھ نہیں ہوتا، آج یہاں لڑائی تو کل وہاں فساد، اخبارات پڑھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں چین وسکون اور آرام وراحت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

جاوید : سلیم بھائی! آخر ایسا کیوں ہے؟ آج سے چند سالوں پہلے تو ایسا نہیں تھا، جب کہ انسان نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، آج جب کہ وہ چاند پر پہونچ چکا، اور اب وہاں بستر بوریا ڈال کے رہنے کی سوچ رہا ہے، جدید ٹیکنالوجی نے راحت و آرام والے بہتر سے بہتر مکانات، بنگلے، گاڑیاں اور سردی گرمی سے بچنے کے اعلی انتظامات کئے ہیں، غرض چین و سکون کا ہر قسم کا سامان انسان نے مہیا کرلیا ہے، پھر بھی یہ بے چینی اور بے سکونی کیوں ہے؟

منہاج : مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں مالداری غریبی کی لڑائی ہے، جو غریب ہیں؛ وہ مالدار سے شکایتیں کرتے ہیں، اور جو مالدار ہے؛ وہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی فکر میں ہے، آج دنیا نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت ترقی کی، لیکن یہ سب ترقی لوہے اور دھات میں ہوئی، انسان کی ترقی نہیں ہوئی، انسان تو جیسے پہلے روٹی، کپڑے اور مکان کی تلاش میں مارامارا پھرتا تھا، آج بھی ویسے ہی پریشان ہے، آمدنی میں اضافہ ہوتا نہیں ہے اور بچوں کی ٹیم بڑھتی ہی جاتی ہے، اور یہ صرف غریب اور مفلس ملکوں کا حال نہیں بلکہ امریکہ، روس اور برطانیہ

جیسے مال دار ملکوں کا بھی یہی حال ہے، وہاں کا مالدار زیادہ مالدار بنتا جارہا ہے، اور غریب بیچارہ روٹی، کپڑے اور مکان کی فکر میں رات دن حیران اور سرگرداں ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہوگیا ہے: انتہائی امیر اور انتہائی غریب، اس نظام کے تحت انگلستان میں رہنے والا ہندوستانی صنعت کار ۳۳۰ ملین پاؤنڈ کی مالیت کا گھر اپنی بیوی کے لئے خریدتا ہے، جب کہ ۳۰۰ ملین سے زائد ہندوستانی ایک دن میں آدھے پاؤند پر گذارا کرتے ہیں، مزید برآں لاکھوں ایشیائی، افریقی، امریکی اور یورپی بھی بھوک کے ہاتھوں موت کا شکار ہورہے ہیں، معاشی تفاوت صرف صنعت کاروں تک محدود نہیں ہے، کمپنیوں کے سربراہوں اور متوسط درجے کے ملازمین کی آمدنی کا فرق بھی یورپ میں بہت بڑھ گیا ہے۔

اناج وغلّہ کی عالمی قیمتوں میں گذشتہ تین سالوں میں ۸۳ فیصد تک اضافہ ہوا ہے، چاول کی قیمتوں میں صرف دو مہینوں میں ۷۵ فیصد کا ریکارڈ اضافہ نوٹ کیا گیا، چند ہفتوں کے اندر ۱۰ کروڑ لوگ غربت کی سطح سے نیچے چلے گئے، کروڑوں لوگوں نے اپنی غذاء میں کٹوتی کردی، ورلڈ بینک کے صدر نے ۳۳ ملکوں میں غذائی فسادات کا اندازہ لگایا ہے اور کہا ہے کہ ان ملکوں کا سیاسی استحکام داؤ پر لگا ہوا ہے۔

اگست ۲۰۰۷ء سے مئی ۲۰۰۸ء تک ہر آنے والا دن امریکی معیشت کے لئے کسی نہ کسی بڑی اور بُری خبر کے ساتھ نمودار ہوتا رہا ہے، پہلے ہاؤسنگ انڈسٹری تباہ ہوئی اور چند مہینوں میں ۱۳ لاکھ جائدادیں نیلام ہوگئیں، پھر بینک اور مالیاتی ادارے تاراج ہونے لگے اور ستمبر سے دسمبر تک ۴۰ بڑی بینکوں کا دیوالیہ نکل گیا، اس سال اپریل کے مہینے میں ایرلائنس کی باری آئی اور چھ بڑی کمپنیاں بند ہوگئیں۔

۱۵ر ستمبر ۲۰۰۸ء کومغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا بدترین بحران سامنے آیا، جب کہ امریکہ کے دوسرے بڑے بینک لیہمن برادرز (LEHMAN BROTHERS) کا خسارہ ناقابلِ برداشت حدود کو پار کر گیا، نیویارک اسٹاک ایکسچینج میں ایک شیئر (حصص) کی قیمت ۸۰ر ڈالر سے گر کر ۱۶۵ر ڈالر پر آ گئی، اور لیہمن برادرز کے ۱۳۰ر ملکوں میں پھیلے ہوئے ۱۶۰۰۰ر ملازمین کی نوکریاں خطرے میں پڑ گئیں، اسی دن امریکہ کی بین الاقوامی شہرت کی حامل انشورنس کمپنی AIG (امریکن انٹرنیشنل گروپ) کرش کر گئی، اوراس نے اپنے بقاء کے لئے امریکن حکومت سے ۸۵ر ارب ڈالر کی رقم کا مطالبہ کر دیا، صورت حال اس قدر خطرناک ہوگئی کہ نیویارک اسٹاک ایکسچینج ایک ہی رات میں ۴۸۰ر پوائنٹس سے گرا، اور امریکی شیئر مارکیٹ ۶۰ر گھنٹوں میں ۸ فیصد گر گئی، صرف ستمبر کے مہینے میں بینکوں کے ایک لاکھ انسٹھ ہزار ملازمین اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے، ان میں وال اسٹریٹ کے تیس ہزار ملازمین بھی شامل ہیں، اس کے ساتھ ہی یورپین ممالک سے لے کر مشرق بعید تک پورا سرمایہ دارانہ نظام لڑکھڑا گیا، اور کمیونزم کے بعد کیپٹل ازم کا اقتصادی نظریہ ونظام ناکام ہوکر زمین بوس ہوتا نظر آیا، یہ تو امریکہ کا حال ہوا، مسلمانوں کی اقتصادی حالت بھی بہت اچھی نہیں ہے۔

چناں چہ UNDP کی ۱۹۹۶ء کی رپورٹ کے مطابق یورپ میں ایک آدمی کی اوسط آمدنی ۲۲ ہزار ڈالر تھی، اور بقیہ عیسائی سماج میں ۱۰ ہزار ڈالر، جب کہ غریب مسلم ممالک میں ۲۰۰ سے بڑھ کر محض ۳۸۰ ڈالر اور امیر ممالک میں ایک سے بڑھ کر دو ہزار تھی، یہ عالمی منظر نامہ تھا، ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی پوزیشن اس سے مختلف نہیں ہے، اقلیتی کمیشن کا اندازہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں ۱۰ گنا پس ماندہ ہیں، اقلیتی شکایات ومسائل کا جائزہ لینے کے لئے گوپال سنگھ پینل بنایا گیا تھا، ۱۴ر جون ۱۹۸۳ کو

اس نے وزارت داخلہ کو اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ:

''مسلمان بحیثیتِ گروہ تمام پہلوؤں سے قومی اوسط کے مقابلہ میں غریب تر ہیں، ان کی سماجی صورت حال، اقتصادی کارکردگی، قومی امور میں شمولیت، سطح آمدنی، بچت اور سرمایہ کاری کی سطح نیز تعلیمی کارکردگی یکساں اور غیر متفرق طور پر دیگر مذہبی گروہوں اور طبقوں سے بہت کم ہے''۔

۱۹۸۳ء میں جو صورت حال تھی، اس میں تھوڑا سا فرق تو ضرور پڑا ہے، تعلیمی صورت حال بہتر ہوئی ہے، اور معیشت پر بھی اس کا اثر پڑنا لازم ہے لیکن مجموعی صورت حال اب بھی ناگفتہ بہ ہے۔

تو آپ سے سوال ہے کہ آخر ساری دنیا میں یہ اقتصادی منڈی کیسے ہوگئی؟ کیا یورپ وامریکہ کا سرمایہ دارانہ نظام اپنی ابتداء ہی سے غلط تھا؟ یا اس میں کچھ غلط پالسیاں شامل ہوگئیں، جس نے اس نظام کو چوپٹ کر کے رکھ دیا۔ آپ کے نزدیک اس کے کیا اسباب ہے؟ ذرا تفصیل سے سمجھائیں۔

جاوید:

انجام ستم اب کوئی دیکھے نہ دیکھے	-	میں صاف ان آنکھوں سے مگر دیکھ رہا ہوں
صیاد نے لوٹا تھا عنادل کا نشیمن	-	صیاد کے لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں

بھائی! اس کا جواب پانے کے لئے آپکو موجودہ کاغذی کرنسی کی حقیقت اور اس کی تاریخ بھی سمجھنی ہوگی، مغرب کے اس سرمایہ دارانہ نظام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب لوگ سونا چاندی کا کاروبار کرتے تھے، یعنی سنار، وہ اپنے سونے کی حفاظت کے لئے مضبوط و مستحکم مکان و تجوریاں بنواتے تھے، عام لوگ بھی اپنی بچت کا سونا حفاظت کے لئے ان کے

پاس جمع کرتے، یہ سنار حفاظت کرنے کی مخصوص رقم لیتے اور لوگوں کو رسید لکھ دیتے کہ اس شخص کا اتنا سونا ہمارے پاس جمع ہے، اب وہ شخص اس رسید سے مکان، زمین یا کوئی چیز خریدتا یا اپنا قرضہ ادا کرتا، اس طرح چالاک سناروں نے اندازہ لگایا کہ لوگ جمع شدہ سونے کا دسواں حصہ خرچ کرتے ہیں اور نو حصے ان کے پاس جمع رہتے ہیں۔حرص، لالچ اور بددیانتی سے لوگوں کو امانت رکھے سونے کے بدلے نوا لگ الگ رسیدیں جاری کرنی شروع کردیں، یعنی نہ سناروں کے پاس سونا موجود، نہ لوٹانے کی طاقت، محض لوگوں کے اعتماد پر رسیدوں کا کاروبار چلتا رہا اور یہودی سناروں کا کاروبار بڑھتا رہا، جب یورپ میں موجودہ بینکنگ کا نظام شروع ہوا تو چوں کہ سارا سرمایہ ان کی تجوریوں میں تھا، اس لئے بینکوں پر خود بخود ان کا قبضہ ہوگیا، عوام کے پاس جو تھوڑی بہت بچت تھی اس پر قبضہ کرنے کے لئے ان چالاک سناروں نے لوگوں کو دوسرا جھانسا یہ دیا کہ اگر تم خود کاروبار کروگے تو سرمایہ ڈوب بھی سکتا ہے، اس لئے نقصان کے غم میں گھلنے کے بجائے اپنی رقم ہمیں دے دو، ہم تمہیں ہر ماہ، ہر سال ایک مقررہ منافع دیتے جائیں گے، اس طرح عام لوگوں کا بچا ہوا روپیہ بھی ان کے قبضہ میں آگیا، اب یہ سنار، بینکار بن کر پورے یورپ کے آقاء و مالک بن بیٹھے، ان سناروں کی بھاری اکثریت یہودی تھی، یہودیوں کی سودخوری کی تاریخ ضرب المثل رہی ہے، جس پر تمام آسمانی کتب شاہد ہیں، ظہور اسلام کے وقت مدینہ اور عرب کے تمام قبائل یہودیوں کے سود کی جال میں جکڑے ہوئے تھے اور تمام تجارت و بازاروں پر ان کا کنٹرول تھا، یاد رہے کہ سود خوری خود غرضی، ظلم، استحصال اور لوٹ خسوٹ کا ذہن پیدا کرتی ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سود خور کی حرص و لالچ اور حرام خوری کی عادت کی بدولت قمار بازی (سٹہ) کی لت پڑ رہی ہے، آج دنیا کے اسٹاک ایکسچینجز کی تقریباً ستر فیصد رولنگ (سرمایہ کی گردش) سٹہ یعنی جوے پر ہو

رہی ہے، سود کینہ وحسد پیدا کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں فساد اور جنگیں چھڑتی ہیں، سود خور جنگیں بھڑکا کر اقوام اور قیدیوں کو غلام بناتے ہیں، مثلاً پہلی جنگ عظیم کے وقت برطانیہ پر اور دوسری جنگ عظیم تک امریکہ پر کوئی قرضہ نہیں تھا، ان یہودی بینکاروں نے جنگ عظیم کی آگ بھڑکا کر مختلف حیلوں سے برطانیہ وامریکہ بلکہ پورے یورپ کو جنگ میں الجھا کر اپنا مقروض وتابع دار بنالیا۔

ان بینکاروں کی بھیانک شکل کبھی سامنے نہیں لائی جائے گی، واشنگٹن ڈی سی مین روڈ کے ایک طرف ورلڈ بینک کا دفتر ہے، دوسری طرف آئی، ایم، ایف (IMF) کا، ایک دنیا بھر کے ملکوں کو قرضہ دیتا ہے، دوسرا وصول کرتا ہے، ان دونوں کے اصل مالکوں کا نام زبان پر لانے کی جرأت نہ صدر بش میں تھی نہ اوباما میں ہے۔ نہ ٹونی بلیئر میں تھی نہ گورڈن براؤن میں ہے، ان سب حکمرانوں کی حیثیت یہودی بینکاروں کے زرخرید باندی غلام سے زیادہ نہیں، شاید اسی لئے ایک یہودی اسکالر سمویل ہنٹنگٹن نے یہودی کرش آف سولائزیشن پالسی کو کلیش آف سولائزیشن بنا کر پیش کیا، تاکہ مغربی تہذیب کے خاتمہ کو تہذیبوں کا تصادم بنا کر مسلمانوں کے سر منڈھ دے اور تباہی پھیلانے والے درندوں کو صاف بچالیا جاوے۔

نظامِ سرمایہ داری کے اس بحران کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان اسباب کو سمجھنا ہوگا، جو اس کا سبب بنے ہیں، دھوکا، فریب، جعل لوٹ اور ناانصافی پر مبنی اس نظام کو اپنی موت پر آپ مرنا ہی تھا، اور اس کی موت اور تباہی کا سامان خود اس نظام کے اجزاء میں پوشیدہ تھا، لیکن بظاہر جو واقعہ اس بحران کے ظہور کا فوری طور پر سبب بنا وہ امریکہ کا بدنام زمانہ ''رہن کا بحران'' (Subprim Martagage Crisis) تھا۔

یہ بحران خود نظامِ سرمایہ داری کی مکروہ فریب کاریوں کا مظہر ہے، یہ نظام لوگوں کے

اندر خرچ کرنے Consumption کی لامحدود ہوس پیدا کرتا ہے، اور خرچ کرنے کے لئے پیسہ نہ ہوتو سودی قرضوں کا جال بچھاتا ہے، گذشتہ چند سالوں میں عالمی سرمایہ داری کے سرخیل امریکہ میں فضول خرچی کی یہ کیفیت اپنے عروج کو پہنچ گئی، ۴۰ فیصد سے زیادہ خاندان اپنی آمدنی کا تین فیصد صرف کریڈٹ کارد کے سود پر خرچ کرنے لگا ہے، قرضوں کے اس ڈیمانڈ نے مالیاتی اداروں میں منافع کمانے کی حرص پیدا کی، انہوں نے نئے نئے قرض خواہ تلاش کرنے شروع کئے، (Subprime) سب پرائم قرض خواہ دراصل وہ قرض لینے والے ہوتے ہیں جو بڑے قرض لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، بینکوں نے سود کی لالچ میں انہیں اپنی سکت سے زیادہ قرضے لینے پر آمادہ کیا، قرضے فراہم کرنے کے لئے بینکوں کے پاس وافر رقومات موجود نہیں تھی، تو انہوں نے خصوصی بانڈس Mortgage Bonds جاری کئے اور انہیں بازار میں بیچ کر رقومات جمع کیں، یہ سب فریب اور دھوکا دہی کے طریقے تھے، جو سرمایہ دارانہ معیشت کا خاصہ ہوتے ہیں۔

بینکوں نے سود کی لالچ میں لوگوں کو آسائش وخواہشات کی راہ پر ڈال دیا کہ آؤ! ہم سے قرضہ لے کر اپنی خواہشیں پوری کرو، ہمیں سود دو، مثلاً ایک امریکی شخص بینک سے دو لاکھ ڈالر قرضہ لے کر مکان خریدتا ہے، دو سال بعد اسے بینک کا لیٹر ملتا ہے کہ اب تمہارے مکان کی قیمت (ویلیو) ڈھائی لاکھ ہوگئی، اس لئے ہم سے مزید ۵۰/ ہزار ڈالر قرضہ لے کرنئی کار، نیا ٹی وی، نیا فرنیچر خرید سکتے ہو، چناں چہ وہ شخص بینک سے مزید ۵۰/ ہزار ڈالر قرضہ لے کرنئی چیزیں خرید لیتا ہے، غرض بینکوں نے سود کی حرص ولالچ میں ایسے لوگوں کو قرضہ دیا، جن میں قرضہ لوٹانے کی طاقت نہیں تھی، جب بینکوں سے قرضہ لینے والے لوگوں کی بھاری اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہوگئی، جن کے پاس قرضہ کی ادائیگی کے لئے نہ آمدنی تھی نہ کام، اور

بینکوں نے محسوس کر لیا کہ ہمارے اکثر قرضے وصول نہیں ہوں گے، تو انہوں نے امریکی حکومت کے سامنے ہاتھ اٹھا دئے کہ اگر تم نے مزید سرمایہ فراہم نہیں کیا تو ہمارے پاس مارکیٹ چھوڑ کر بھاگنے کے سواء کوئی راستہ نہیں بچا ہے، امریکی حکومت خوب جانتی ہے کہ بینکوں یا زیادہ صحیح الفاظ میں بینکاروں (سرمایہ داروں) کی راہِ فرار سے ملک میں ایسی تباہی مچے گی، کہ چند دن حکومت چلانا مشکل ہو جائے گا، اس لئے صدر بش نے بینکوں کو چلانے کے لئے ۷۰۰/ارب ڈالر کا پیکیج کانگریس کے سامنے پیش کر دیا، پہلے مرحلے میں کانگریس نے اسے منظور کر دیا، ۷۰۰/ارب ڈالر کی خطیر رقم سے بینکاروں کی جیبیں بھرنے کے بجائے اس سرمایہ سے امریکہ میں نئی صنعتیں وانڈسٹریاں لگا کر عوام کو روزگار فراہم کیا جاتا، (کیوں کہ یہ ۷۷۰/ارب ڈالر عوام ہی کے پیسے تھے، جو عوام کے ٹیکسوں سے وصول کئے جائیں گے) اس بحران کی دوسری اہم وجہ صدر بش کی احمقانہ جنگی پالسیاں ہیں، جو اس نے اسرائیل اور یہودی بینکاروں کا آلۂ کار بن کر دنیا بھر میں روا رکھی ہیں، صدر بش کے جنگی جنون نے امریکہ کا جنگی خسارہ ماہانہ ۷۰/ارب ڈالر تک پہنچا دیا یعنی فی منٹ ۱۲,۵۰۰/ ڈالر، ان احمقانہ جنگوں نے امریکی معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

انسانی معاشرے میں ہوس اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ میں افضل سے افضل اور بہتر سے بہتر چیز لینا چاہوں گا، اپنی گنجائش اور اپنی چادر نہ دیکھوں، یہ نہ دیکھوں کہ فضول خرچی کیا ہوتی ہے اور میانہ روی کیا ہوتی ہے؟ میں بس یہ دیکھوں کہ مجھے بہتر سے بہتر چیز کس طریقے سے مل سکتی ہے؟

تو نتیجہ یہ نکلا کہ پوری امریکہ اسٹاک مارکیٹ ڈوبی، امریکن بینک ڈوبیں، امریکن معیشت ڈوبی اور اس کے ساتھ ساتھ ہر وہ معیشت ڈوبی، جو امریکہ پر انحصار کرتی

تھی، یورپ کے سارے بینکوں کا اچھا خاصا بڑا کاروبار امریکہ میں تھا، وہ سب ڈوبے، آج کی صورت حال یہ ہے کہ دنیا بھر کی بینکنگ کا شعبہ اور امریکہ اور یورپ کا اقتصادی نظام اس وقت تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔

منھاج : ماشاء اللہ! آپ کی پر مغز اور بہترین معلومات نے مجھے آمادہ کیا کہ آپ سے اناج اور غلے کی آسمان کو چھونے والی قیمتوں اور مہنگائی کے متعلق دریافت کروں کہ آپ کے نزدیک اس قدر مہنگائی کی وجوہات کیا ہیں؟ جبکہ دنیا میں اناج، غلہ اور پھل کافی مقدار میں پک رہا ہے، پھر بھی قیمتیں کم ہونے کے بجائے کیوں بڑھ رہی ہے؟

جاوید : بھائی! آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔اس کی بھی اصل وجہ میں آپ کو بتاتا ہوں، عالمی معاشی بحران کا دوسرا سبب وہ سٹہ بازی ہے جسے اصطلاحاً Speculation کہا جاتا ہے، دراصل سرمایہ دارانہ نظام میں عالمی مارکیٹ کی حیثیت ایک بڑے جواخانہ (Casino) کی ہے، جہاں مختلف بہانوں سے سٹہ بازی کی جاتی ہے، یہ سٹہ بازی گذشتہ سال اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی اور روزانہ ۳.۲ ٹریلین ڈالر کے اوسط سے صرف کرنسی (Forex) میں سٹہ پر مبنی تجارت ہونے لگی، جب کہ اس کے مقابلہ میں حقیقی تجارت محض روزانہ ۴۰ بلین ڈالر تک محدود رہی۔

پہلے یہ سٹہ بازی زیادہ تر مالیاتی اشیاء (Financial Products) یعنی شیئرز، کرنسی اور سونے چاندی تک محدود تھی، اشیاء کی تجارت میں سٹہ بازی کا دخل نسبۃً کم تھا، لیکن سٹہ بازوں نے اشیائے ضروریہ میں مستقبل کے سودے (Future Trading) بڑے پیمانے پر شروع کئے، اور مصنوعی طریقوں سے قیمتیں بڑھانے لگے، ۲۰۰۷ء اور ۲۰۰۸ء میں ان سٹہ بازوں نے تیل کے دام آسمان پر پہنچادئے، اور تیل کی قیمت پہلی دفعہ ۱۰۰ ڈالر فی بیرل کے نشانہ کو پار کرگئی، تیل کے قیمت کا اثر تمام ہی بنیادی چیزوں کی قیمتوں پر پڑنا تھا، نتیجۃً

اشیاء کی قیمت تیزی سے بڑھنے لگیں۔

سٹہ بازوں نے گذشتہ سال تیل کے ساتھ اسٹیل اور غذائی اجناس کی قیمتوں کو بھی بری طرح متأثر کیا، ہمارے ملک میں سٹہ بازی کے واضح نقصانات کے پیش نظر نہرو کے زمانے میں اس پر (اشیاء ضروریہ کے سودوں پر) پابندی لگائی گئی تھی، لیکن بی جے پی کی حکومت نے ۲۰۰۳ میں یہ پابندی اٹھالی اور غذائی اجناس میں بھی مستقبل کے سودوں کے نام پر سٹہ بازی کی جانے لگی۔

اس سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد سود، ذخیرہ اندوزی اور جوا (سٹہ) ہے، اس نظام کہ ثمرات ونتائج یہ ہیں کہ دنیا بھر میں امیر زیادہ امیر اور غریب زیادہ غریب ہوتا جا رہا ہے، اور پوری دنیا کا سرمایہ ووسائل چند مٹھی بھر ہاتھوں میں منتقل ہو رہا ہے، اس وقت پوری دنیا کا ۸۰ر فیصد سے زائد سرمایہ ۵۰۰ر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ملکیت بن چکا ہے، تقریباً دنیا کے ہر ملک میں سرمایہ ووسائل چند لوگوں کے ہاتھوں میں سمٹ گیا ہے، مثلاً بھارت کی آبادی ایک ارب ہے، یہاں ۸۰ر کروڑ انسانوں کے پاس جتنا سرمایہ ہے، اتنا ملک کے چار مشہور سرمایہ داروں کے پاس ہے۔

موجودہ دور کے تمام ماہرین معاشیات اس نکتہ پر متفق ہیں کہ اقتصادی تباہی سے دنیا کو بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ سود ختم کیا جاوے، سود کی شرح کو گھٹاتے ہوئے صفر کی حد پر لایا جائے، یا سود کی شرح صرف اتنی رکھی جائے کہ نظام چلانے کے اخراجات نکل سکیں۔

گذشتہ آٹھ سال سے یورپی اقتصادی کونسل نے شرح سود ساڑھے تین فیصد برقرار رکھی ہے اور یہاں کے ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ اسے تدریجاً کم کرتے کرتے صفر پر یا ایک فیصد کر دیا جائے مگر یہاں کے خون خار بینکار، جن کی بھاری اکثریت صیہونیوں پر مشتمل

ہےاور سودی نظام کے بدولت پوری دنیا کے آقاء بنے ہوئے ہیں، وہ اس انسانیت دشمن منحوس نظام کو جاری رکھنا چاہتے ہیں، کیوں کہ سود کی بدولت ان کا ایک ایک فرد اس قدر طاقت ور ہو گیا ہے کہ درجنوں ملکوں سے زیادہ دولت و سرمایہ ایک ایک کے پاس جمع ہو گئی ہے، جیسے جورج سورسSores Geoigeاور روشیلڈRothchildوغیرہ وغیرہ جیسا ایک شخص برطانیہ اور فرانس جیسی مضبوط معیشت کو بھی ایک رات میں تباہ کرسکتا ہے، جورج سورس نے اسی کی دہائی میں مشرق بعید (انڈونیشیا، ملیشیا، ہانگ کانگ) وغیرہ کی معیشت ایک رات میں تباہ کی تھی۔

امریکی کانگریس کی حالیہ رپورٹ کے مطابق تیل کی قیمتوں میں اضافہ بھارت اور چین کی بڑھتی کھپت کی وجہ سے نہیں، بلکہ پٹرولیم کی تجارت میں سٹہ بازی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

فنڈ مینجمنٹ کے امریکی ماہر مائیکل ماٹر نے ذیلی کمیٹی کے سامنے گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ سٹہ بازوں کے ذریعہ لمبی مدت کی سٹہ بازی کے سودوں کے ذریعہ تقریباً ۸۴۷ملین بیرل پٹرول خریدا گیا ہے، یعنی چین کی مانگ میں جتنا ۵ سالوں میں اضافہ ہوا ہے اتنا تیل امریکی سرمایہ کاروں نے پہلے ہی خرید کر رکھ لیا ہے، اب جب اتنی بڑی مقدار میں تیل منڈی سے ہٹ گیا ہے اور مزید تیل مستقل خریدا ہی جا رہا ہے، تو اتنی پیداوار کہاں سے ہوگی، یہی باتOpecکے وزراء اور دبی زبان میں سعودی شاہ عبداللہ نے بھی کہی کہ مانگ میں زیادتی یا سپلائی میں کمی کے علاوہ دیگر عوامل کی وجہ سے قیمتیں بڑھ رہی ہے، مگر یہ سٹہ باز اتنے طاقت ور ہیں کہ حکومت اور میڈیا سب ان کے قبضہ میں ہیں۔

عالمی بینک (World Bank) کے ماہر اقتصادیات مسٹر مشیل کی رپورٹ میں دعوی کیا گیا ہے کہ دنیا بھر میں اناجوں اور خوردنی تیلوں کی قیمتوں میں اضافہ کی ۷۵ فیصد وجہ اناجوں (مکئی) سے ایندھن بنانے کی وجہ ہے۔

برطانوی امدادی تنظیم آکسفام کی تحقیق ہے کہ حیاتیاتی ایندھن کی وجہ سے بڑھنے والی مہنگائی کی وجہ سے دنیا بھر میں ۳۰ ملین لوگ بھوک مری وغریبی کی لپیٹ میں آگئے ہیں، امدادی ایجنسی کا کہنا ہے کہ ایندھن کی مانگ کی بڑھوتری سے لگاتار عالمی خوراک کی صورتِ حال سنگین ہورہی ہے، اس وقت دنیا بھر میں تاریخ کا سب سے کم اناج کا ذخیرہ موجود ہے۔

خودامریکہ نے یہ نشانہ مقرر کیا ہے کہ وہ ۲۰۱۵ء تک اپنی ضروریات کے لئے ۱۵رملین گیلن حیاتیاتی ایندھن پیدا کرے گا، جس کے لئے اسے ۱۶۳رملین میٹرک ٹن مکئی درکار ہوگی، اوراس کی وجہ سے یقیناً بازار میں مکئی کم ہوگی، وہ لوگوں کے پیٹ کی آگ بجھانے کے بجائے امریکی، یورپی گاریوں کی ایندھن کی ٹینکوں کا جہنم بھرنے کے کام آئے گی۔

امریکہ میں دنیا کی کل آبادی کا ۴.۵ فیصد رہتا ہے، مگر دینا کے وسائل کا وہ ۳۰ فیصد استعمال کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں جنوبی ایشیاء جو کہ کل دنیا کی آبادی کا ۲۲.۵ ہے، اس کے حصہ میں صرف ۲۰.۰روسائل آتے ہیں، امریکہ میں دنیا کے تمام کاروں کا ۴را حصہ موجود ہے، دنیا میں بجلی، ایندھن، پٹرول اور کوئلہ کی کل کھپت ۴را حصہ تنہا امریکہ کرتا ہے، جو ۲۵، ۲۶اور ۲۷ ہے ایک عام ہندوستانی کے مقابلہ عام امریکی ۲۰ گنا زیادہ توانائی استعمال کرتا ہے، (The affluent socity by J.K. Galbraith TOI 11/01/04)

خوراک کے معاملہ میں یہ بات بار بار آچکی ہے کہ ایک امریکی سالانہ ۹۰۹ کلوگرام اناج استعمال کرتا ہے، یورپی یونین ۵۵۲ کلوگرام فی کس زیریں صحاراافریقہ ۱۶۲کلوگرام اور بھارت میں ۱۷۹کلوگرام ہوتا ہے۔

منھاج : علم معاش کونسبتاً ایک نیاعلم تصور کیا جاتا ہے۔اگر ''ایڈم اسمتھ'' کی کتاب ''دولت اقوام کے اسباب وعلل کی جستجو'' (An Enquiry into Nature and Carses

of Wealth of Nations) کو سب سے پہلی کتاب اور نقطۂ آغاز مان لیا جائے تو معاشیات کی تاریخ دو،سوا دوسو سال سے کچھ ہی زیادہ بنتی ہے۔دوسری بات یہ کہ معاشیات کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ایک اینگلوسیکسن یعنی یورپ کا دیا ہوا علم ہے، کیونکہ معاشیات کے بیشتر اصول وقوانین اینگلوسیکسن اقوام کے افراد کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

کیا اس کے مقابلے میں اسلام واقعی ایک متبادل سماجی ومعاشی نظام پیش کرتا ہے جو سرمایہ داری اور سوشلزم سے مختلف ہے؟ کیا اسلام موجودہ صنعتی تہذیب کی پیچیدگیوں اور ان سنگین مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے،جن کے سامنے موجودہ سماجی فلسفے اپنے آپ کو مجبورِ محض پاتے ہیں؟ کیا اسلامی معاشیات جیسے کسی علم کا واقعی وجود ہے، یا ہوسکتا ہے، اور مسلم ممالک میں اس سلسلے میں کوئی پیش رفت ہوئی ہے؟اور علم معاش کے بارے میں مسلمانوں نے پچھلے دور میں کوئی دلچسپی لی ہے؟یا سب کچھ یورپ وامریکہ نے ہی دنیا کو سکھلایا ہے؟اور کیا موجودہ زمانے میں اسلام کے معاشی نظام کا کوئی نظریہ بھی ہے جو موجودہ بینکنگ ،انشورنس اور اسٹاک ایکسچینج کے بدلے میں کوئی اچھا نظام پیش کرسکتا ہے، یورپ والوں کا یہ کہنا ہیکہ مسلمانوں کے پاس ہمارے موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا کوئی واقعی اور حقیقی بدل ہے ہی نہیں۔صرف زبانی دعوے اور سوچ وفکر کی ہی بات ہے تو اس اعتراض کی حقیقت کیا ہے؟

جاوید : بہ حیثیت علم،معاشیات کی تدوین جس زمانہ میں ہوئی وہ اینگلوسیکسن تہذیب کے عروج کا زمانہ تھا۔اس لئے قدرتی طور پر معاشیات کے علمی کارناموں میں ان کا حصہ دوسری تہذیبوں کے مقابلہ میں قدرے زیادہ ہے،لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسری عالمی تہذیبوں اور دوسرے زمانوں میں معاشی مسائل کے بارے میں سرے سے کوئی

غور وفکر ہی نہیں کیا گیا اور ان کا دامن ان کارناموں سے خالی ہے۔

دراصل معاشی افکار کی تاریخ اس طرح مرتب کی جاتی رہی ہے کہ اس کو خالص اینگلوسیکسن اقوام کا کارنامہ قرار دیا جاسکے۔ اس کلیہ سے اگر کوئی استثناء ہے تو وہ ابن خلدون ہے جن کے خیالات کو معاشی افکار کی تاریخ میں جگہ دی گئی ہے۔ مشہور جرمن ماہر معاشیات جوزف شوم پیٹر (Josepg Schumpeter) نے اپنی کتاب ''معاشی تجزیہ کی تاریخ'' (History of Economic Analysis) میں ابن خلدون کے کارناموں کا خصوصی تذکرہ کیا ہے، اس ایک استثناء کے ساتھ غالبا یہ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ عام طور پر معاشی مؤرخین اور ماہرین معاشیات نے معاشی فکر کی اسلامی روایت اور معاشیات کے ضمن میں مسلم مفکرین کے علمی کارناموں کو نظرانداز کیا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ طرز عمل ارادی ہے یا غیرارادی، تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمد شیبانیؒ، ابوعبیدؒ، ماوردیؒ، ابن حزمؒ، غزالیؒ اور ابن تیمیہؒ کے معاشی افکار کا سنجیدگی سے گہرا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اگر ان کے اور دوسرے مسلم مفکرین کے معاشی افکار کا تفصیلی اور عمیق مطالعہ کیا جائے اور موجودہ معاشی تصورات کے ارتقاء سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو ان مفکرین کے بارے میں ہمارے علم میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

عام طور پر معاشیات کی تاریخ جس طرح بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ معاشی غور وفکر کا آغاز ارسطو (322-384 قبل مسیح) سے ہوا۔ بارہویں اور تیرہویں صدی عیسویں میں کلامی مکتب فکر (Scholastic School) کے علماء نے ارسطو کی فکر کو آگے بڑھایا، پھر چودہویں اور پندرہویں صدی عیسوی میں تجارت پسند (Mercantalist) اور سولہویں وسترہویں صدی عیسوی میں زراعت پسند (Pysiocrats) مفکرین نمودار ہوئے، اس

پورے عہد میں معاشی غور وفکر کی صورت حال یہ رہی کہ اہم معاشی مسائل کے بارے میں جہاں تہاں اظہار خیال کیا گیا اور سماجی فلسفہ کے ضمن میں بعض معاشی تصورات کا استعمال کیا گیا۔جس کتاب میں علم معاشیات کو منضبط اور مربوط شکل میں پیش کیا گیا وہ آدم اسمتھ کی ''دولت اقوام'' (Wealth of Nations) تھی جو 1776ء میں شائع ہوئی ۔

ارسطو سے لے کر کلامی اسکول کے علماء کے ظہور کے درمیان ایک بڑا زمانی فاصلہ ہے جس میں کسی طرح کی علمی تحریک نظر نہیں آئی ۔مغربی مؤرخین نے یہ کہہ کر اس زمانی خلا کو پر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ازمنۂ وسطٰی ایک تاریک عہد تھا جس میں یورپ جہالت اور غفلت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، درست !لیکن کیا اس زمانے میں پوری نسل انسانی کا ذہن اتنا بنجر ہو چکا تھا کہ دنیا کے کسی حصہ میں بھی معاشی موضوعات جیسے پیداوار، تقسیم، تبادلہ، بازار، قیمت اور زر کے بارے میں کوئی سوچ بچار نہیں کیا گیا؟ غالب گمان یہی ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہونا چاہیے، فکر انسانی میں تو ایک تسلسل ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جب دنیا کا کوئی حصہ تاریک عہد (Dark Ages) میں داخل ہو جاتا ہے تو دانشوری کے مراکز دوسرے حصوں میں منتقل ہو جاتے ہیں، اس لئے منطقی بنیاد پر معاشی افکار کی تاریخ میں بھی تسلسل ہونا چاہئے، لیکن جس طرح یہ تاریخ لکھی جاتی رہی ہے اس میں تسلسل کے بجائے ایک بڑا تاریخی خلاء پایا جاتا ہے۔

اس حقیقت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ جب یورپ ''تاریک عہد'' میں تھا اور اس کی ذہنی قوتیں سوئی پڑی تھیں اس وقت اسلامی دنیا علمی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔اس کی یونیورسٹیاں طلبہ اور اساتذہ سے آباد تھیں۔اس کے علماء، دانشور، فلاسفہ، مفکرین اور فقہاء مختلف علوم کی آخری سرحدوں پر علمی تحقیق اور چھان بین میں مصروف تھے، انسانی اعمال کے معاشی پہلو بھی

ان کی توجہ وتحقیق سے محروم نہیں رہے اور اس میدان میں بھی انہوں نے دوسرے علوم کی طرح اہم اور وقیع کام سرانجام دیا۔

معیشت کی اہمیت کی وجہ سے یہ موضوع ہمیشہ سے علماء کی فکر کا محور رہا ہے، تدوین فقہ کے بالکل ابتدائی دور میں ہمیں امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا نام ملتا ہے، جنہوں نے ''کتاب الکسب'' تالیف فرمائی اور اس میں کسب کے جائز و ناجائز ذرائع اور ان سے متعلق فضائل واحکام پر روشنی ڈالی، یہ اصل کتاب تو غالباً اب تک شائع نہیں ہوسکی ہے، لیکن اس کا خلاصہ علامہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی (م:۴۸۳ھ) نے اپنے کتاب ''المبسوط'' میں درج کیا ہے، اسی طرح ابتدائی دور کی کتابوں میں ہمیں قاضی ابویوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' اور علامہ ابوعبید کی ''کتاب الاموال'' بھی ملتی ہے، جس کا تعلق ایک اسلامی حکومت کی مدات آمدنی اور مداتِ خرچ سے ہے، ذیلی طور پر فقہ المعاملات اور تجارت کی بحثیں ہمیں ان فقہی کتابوں میں تو ملتی ہی ہیں، جن میں تمام مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کے علاوہ جو کتابیں ''احکام سلطانیہ'' یعنی حکومتی قوانین ''احکام قضا'' یعنی عدالتی قوانین اور ''احکام سیر'' یعنی بین الاقوامی تعلقات سے متعلق قوانین پر لکھی گئی ہیں، ان میں بھی اقتصادیات سے متعلق احکام اچھے خاصے آجاتے ہیں، غرض کہ ہمارے فقہاء نے ان مسائل کو ہمیشہ خصوصی اہمیت دی ہے۔

مقام مسرت ہے کہ ان کاوشوں میں علماء ہند کی بھی نمایاں خدمات ہیں، غالباً موجودہ دور میں اس موضوع پر پہلی کتاب مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی ''اسلامی معاشیات'' ہے جو بڑے سائز کے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس موضوع پر مولانا نے بڑی نادر تحقیقات پیش کی ہیں، مولانا ہی کی نگرانی میں ان کے ایک فاضل شاگرد ڈاکٹر محمد یوسف الدین

نے بھی اس موضوع پر مقالہ لکھا، اور ڈاکٹر انوار اقبال قریشی سابق صدر شعبۂ معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی نے بھی دو ضخیم جلدوں میں ''اسلام کے معاشی نظریئے'' کے نام سے اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا، اور دوسری کتاب اسلام اور نظریۂ سود (Islam and Theory of Interest) بھی منظر عام پر آ گئی ہے۔

مولانا گیلانیؒ کے بعد اس سلسلے میں دوسرا اہم نام مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کا لیا جا سکتا ہے، ان کی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' اپنے موضوع پر نہایت اہم اور جامع تالیف ہے، اس کے بعد اس موضوع سے متعلق علمی خدمات میں تین شخصیتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ہندوستان سے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور ڈاکٹر احمد علی ندوی گجراتی، جن میں سے اول الذکر کا کام طریقۂ استثمار پر ہے اور ثانی الذکر کا مالیات سے متعلق فقہی قواعد پر، اور تیسری شخصیت پاکستان سے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ہے، جن کی تالیفات عام طور پر مقبول و متداول ہیں، عالم اسلام میں اس وقت علماء اور معاشی ماہرین کی ایک قابل لحاظ تعداد نیز متعدد ادارے اسلامی معاشی نظام کی تشکیل و ترقی کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد زیادہ تر مسلم ممالک نوآبادیاتی تسلط سے آزاد ہو گئے۔ لیکن سیاسی آزادی سے قبل ہی بیشتر مسلم ممالک میں اسلامی اقدار کی دریافت نو اور اسلامی تشخص کی بازیافت کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ مختلف مسلم ممالک میں ایسے مفکر اور علماء پیدا ہوئے جنہوں نے اسلامی نظام کے عناصر اور اس کی برکتوں پر از سر نو زور دیا اور اسلامی تعلیمات کی تعبیر عصری مسائل کے حوالے سے کی۔

1967ء میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی کتاب ''غیر سودی بینک کاری'' شائع ہوئی

جس میں غالباً پہلی بار تجارتی بینک کاری کو غیر سودی بنیادوں پر قائم کرنے کا تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا، اس وقت ان مسلم ماہرین معاشیات کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہو چکا ہے، جو معاشی عمل اور معاشیات کا مطالعہ اسلامی تناظر میں کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی معاشیات کے موضوع پر انگریزی اور عربی میں قابل لحاظ علمی سرمایہ اکٹھا ہو چکا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت دنیا میں سود، قمار اور محرمات سے پاک بینک انشورنس، میچول فنڈ اور شیئرز میں سرمایہ کاری کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اسلامک بینکنگ کی کوششوں میں مسلمانان ہند کو اولیت حاصل ہے، تو غلط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ۱۸۵۶ء میں حیدر آباد دکن میں غیر سودی سوسائٹی پہلی بار قائم ہوئی، حیدر آباد ہی میں ۱۹۲۵ء میں انجمن امداد قرض بلا سود کا قیام عمل میں آیا، غالباً ۱۹۳۶ء میں غیر سودی کوآپریٹیو بینک کا قیام ہوا، اسلامک بینکوں کے لئے استثمار کا بھی سب سے پہلا ماڈل ''مضاربہ ماڈل'' کے نام سے الہ آباد کے ایک پروفیسر نے پیش کیا، ۱۹۷۴ء میں دبئی اسلامک بینک قائم ہوا، جو ایک مکمل بینک تھا، ۱۹۷۵ء میں (IDB) کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۷۶ء میں شاہ فیصل نے سوڈان اور بحرین وغیرہ میں اسلامی بینک قائم کئے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اسلامک بینکنگ کو پذیرائی حاصل ہو رہی ہے، یہاں تک کہ غیر مسلم مالکان بھی مسلمانوں کا سرمایہ حاصل کرنے کے لئے اپنے یہاں اسلامی استثمار کا کاؤنٹر کھول رہے ہیں، اور غیر مسلم کمپنیاں بھی اسلامی انشورنس کی دہائی دے رہی ہیں، ان حالات میں ایک طرف تو ایسے افراد کی ضرورت ہے، جو جدید معاشی نظام سے واقف ہوں اور فقہ اسلامی پر ان کی گہری نظر ہو، دوسری طرف ان اداروں کی نگرانی کی ضرورت ہے؛ تا کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے یہ ادارے صحیح راستے سے منحرف نہ

ہوجائے اوردین کے نام پر بے دینی کورواج دینے کاذریعہ بن جائیں، ان دونوں مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہیکہ دینی مدارس میں اسلامی معاشیات کوداخل کیا جائے؛ کیوں کہ ملت کے مختلف کاموں کے لئے افرادسازی کامدارس سے بڑااور کوئی مرکز نہیں، ان کی حیثیت پاور ہاؤس کی ہے، جس سے امت کے تمام کاموں کے لئے انرجی حاصل ہوتی ہے، یہ مدارس امت کے لئے قلب کا درجہ رکھتے ہیں، جو اس جسم کے ایک ایک عضوکوخون پہنچاتا ہے۔

ماضی میں اسلامی مفکرین ،فقہاء اورصوفیا نے بھی قیمتوں کے نظام ،زر،تجارت، تبادلہ، بازار ،تجارتی چکر،عوامی مالیات ،حکومت کے حقوق وفرائض اور مالیاتی پالسی جیسے موضوعات پرغوروفکرکیا ہے۔اسلامی فکرکی یہ وراثت اسلامی معاشیات کا سرمایہ ہے،لیکن اس ورثہ کوازسرنو دریافت کرنے کی ضرورت ہے،تاکہ عصرحاضرکی ضروریات کی روشنی میں ان کی افادیت کافیصلہ کیا جاسکے اوراگرمناسب ہوتو اس روایت کوآگے بڑھانے کے لئے اقدامات کیے جائیں۔

منهاج : آج کل یہ سوال عام ہے کہ سرمایہ داری اورسوشلزم میں کیا فرق ہے،اوران کے مقابلے میں اسلام کا معاشی نظام جس کو پوری انسانیت کے لئے امن واطمینان کا ضامن بتلایا جاتا ہے، وہ نظام کیا ہے؟ اوراس کے ذریعہ ملکی معیشت کے مسئلے کس طرح حل ہوسکتے ہیں؟ کیا آپ کے پاس اس کامکمل پروگرام اورمعاشی پیکیج ہے جوآج کی معاشی دنیامیں چل سکے؟ اوروہ دنیامیں کتنا اثرانداز ہوسکتا ہے؟

جاوید : اصل بات یہ ہے کہ اسلام کامعاشی نظام سینکڑوں سال تک دنیامیں عملی طورپرنافذ رہا،اوراس کی یہ برکتیں ہردوراور ہرملک میں ہرشخص نے مشاہدہ کی ہیں کہ جب کسی جگہ یہ نظام

رائج ہوا وہاں ان معاشی ناانصافیوں کا نام ونشان نہیں تھا، وہاں مزدوراور سرمایہ داری کی کوئی تفریق نہیں تھی، سب ایک ہی برادری کے افراد تھے اورایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ تعاون کرتے تھے، وہاں مزدور اور کسان حقیر وذلیل نہیں تھا، اس کی ایسی ہی عزت کی جاتی جیسی برادری کے دوسرے افراد کی، وہاں صنعت اور تجارت پر اجارہ داریاں نہیں تھی، جن کی وجہ سے ملک کی دولت بڑے سرمایہ داروں کے لئے مخصوص ہوکر رہ جائے وہاں ان تمام دروازوں کو بند کردیا گیا تھا جن کی وجہ سے ''بڑے لوگ'' اشیاء صرف کی قیمتوں پر حاکم بن کر بیٹھ جائیں، گرانی غریبوں کی کمر توڑتی رہے اور غریب عوام مصنوعی قحط کا شکار ہوکر رہ جائیں۔

اسلامی نظام قائم ہوتو ظالمانہ نظام ختم ہوکر بینکاری کا نظام سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے گا جس کے نتیجے میں بینک میں روپیہ جمع کرنے والے عوام بینک کے جمع شدہ سرمائے کے نفع میں شریک ہوں گے اوراس سے دوطرفہ فائدے ہوں گے۔ ایک طرف بازار پر سے چند افراد کا تسلط ختم ہوگا اوراس سے ارزانی پیدا ہوگی، دوسری طرف منافع کے حصے دار بہت زیادہ ہوں گے اور بڑی بڑی تجارتوں کا متناسب منافع بینکوں کے واسطے سے عوام تک پہنچے گا۔ اور دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائروں میں گردش کرے گی۔

بینکاری کے نظام کوسود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلانے کی عملی شکل کو بینکاری کے ماہرین نے قطعی طور پر قابل عمل اور زیادہ مفید قرار دیا ہے۔

اشیاء کی گرانی اور سرمایہ کے ارتکاز کا دوسرا بڑا سبب ہمارے معاشرے میں ''سٹہ'' کی اندھی تجارت ہے، اس کاروبار کی وجہ سے مال کے ذخیرے ابھی بازار کے قریب بھی نہیں آنے پاتے کہ اس پر سینکڑوں سودے ہوجاتے ہیں، ایک تاجر مال کا آرڈر دے کر مال کی روانگی سے

پہلے ہی اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔دوسرا تیسرے کے ہاتھ اورتیسرا چوتھے کے ہاتھ۔یہاں تک کہ جس وقت مال بازار میں پہنچتا ہےتو وہ بعض اوقات خرید وفروخت کے سینکڑوں معاملات سے گزر چکا ہوتا ہے۔اوراس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بازارتک پہنچتے پہنچتے اس کے دام کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں،بیس روپیہ کی چیز پچاس ساٹھ روپے میں بکتی ہے۔یہ سارانفع سٹہ باز لےاڑتے ہیں اورعوام کی جیب خالی ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسلامی نظام میں اس اندھے کاروبار کی گنجائش نہیں،اسلام میں مال کے قبضے سے پہلے اسے بیچنا ناجائز ہے،لہذا اسلامی نظام قائم ہوتو سٹہ کا یہ سارا کاروبار ممنوع ہوجائے گا جس سے اشیائےصرف لازمی طور پرسستی ہوں گی اورمنافع کی وہ زائدمقدار جواس اندھے کاروبار کی وجہ سے چندسرمایہ داروں کے ہاتھ میں کھیلتی ہے،اس سے غریب عوام مستفید ہوسکیں گے۔

ہمارے موجودہ نظام معیشت میں ارتکاز دولت کا تیسرا سبب ’’قمار‘‘ ہے،انشورنس کا پورا نظام اسی قمار پر قائم ہےاس کے علاوہ گھوڑوں کی ریس معمہ بازیاں،انواع واقسام کی لاٹریاں،کھیل تماشوں کے سیزن ٹکٹ،یہ سب قمار کی وہ ہلاکت آفریں اقسام ہیں جن کی زدسب سے زیادہ غریب عوام پر پڑتی ہے،اوران کے ذریعہ غریب عوام کی کمائی کا ایک روپیہ جمع ہوکرکسی ایک کی جیب میں چلا جاتا ہے اور باقی سب لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں،اسلامی حکومت میں قمار کی یہ تمام صورتیں ممنوع ہوں گی،اورعوام کو بےوقوف بنانے کے یہ دروازے بند ہوجائیں گے۔

انشورنس کے موجودہ نظام میں انشورنس کمپنیوں کے جمع شدہ سرمائے سے سب سے زیادہ فائدہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے جوآئے دن مختلف حادثات کے بہانے رقمیں

وصول کرتے رہتے ہیں،غریبوں کواس سے فائدہ اٹھانے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔گویا اس طریقے سے بڑے بڑے سرمایہ دار اپنے جانی ومالی نقصانات کی ذمہ داری بھی ان غریب عوام پرڈال دیتے ہیں،جن کا نہ کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے،نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کوآگ لگتی ہے اس طریقے کو بدل کراسلامی حکومت ''امداد باہمی'' کی ایسی اسکیم قائم کرے گی جوسوداور قمار سے خالی ہواور جن سے غریب عوام زیادہ بہتر طریقے سے مستفید ہوسکیں گے۔

زمین سے جونفع اٹھایا ہےاس کا کرایہ ان کے ذمہ واجب ہے۔

ہمارے معاشرے میں زرعی پیداوار کی فروخت اتنے واسطوں سے ہوکر گذرتی ہے کہ ہردرمیانی مرحلے پر قیمت کا حصہ تقسیم ہوتا چلا جاتا ہے،آڑھیوں،دلالوں اوراس طرح کے دوسرے درمیانی اشخاص(MIDDLE MEN) کی بہتات سے دوطرفہ نقصان ہوتے ہیں،ایک طرف بازارمیں گرانی پیداہوتی ہے۔اسی لئے احادیث کی روسے اسلام میں دیہاتی کاشتکاراورشہری تاجر کے درمیانی واسطوں کو پسند نہیں کیا گیا۔

نفقات کے بارے میں اسلامی قانون کوتمام وکمال نافذ کیا جائے اور بیوی بچوں کے علاوہ جن خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت اسلام نے خاندان کے کشادہ دست افراد پرڈالی ہے،اس کو قانونی شکل دے کر یتیموں،بیواؤں،بیماروں اور اپاہجوں کے معاش کا بندوبست کیا جائے۔

''رشوت''ایک ایسا جرم ہے جوشاید کسی بھی نظام حیات میں جائز نہ ہو،ہمارا قانون بھی اسے ناجائز قرار دیتا ہےلیکن ملک کی جیتی جاگتی زندگی میں آکر دیکھئے تو وہی رشوت جسے قانون میں بدترین جرم کہا گیا ہے،نہایت آزادی کے ساتھ لی اوردی جارہی ہے۔ایک معمولی کانسٹیبل سے لے کراونچے درجے کے افسران تک خوشی سے وصول کرلیتے ہیں،اس کا

لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس کی جیب گرم ہو وہ سینکڑوں جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دندناتا پھرتا ہے۔اور جس کی جیب خالی ہو وہ سو فیصد معصوم اور برحق ہونے کے باوجود انصاف کو ترس ترس کر جان دے دیتا ہے،اس صورت حال کو مضبوط اور ایمان دار انتظامیہ ہی ختم کرسکتی ہے، اگر اونچے درجے کے رشوت خور افسروں کو چند بار علی الاعلان عبرتناک سزائیں دی جائیں اور آئندہ رشوت کے لئے کچھ اور سخت سزائیں مقرر کردی جائیں تو رفتہ رفتہ یہ لعنت مٹ سکتی ہے۔

معاش کے سلسلے میں عوام کی پریشانیوں کا تیسرا اہم سبب وہ مغربی معاشرت ہے،اسلام ہمیں سادہ طرز زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے، اگر اسلامی نظام قائم ہو تو ہمیں اپنی معاشرت میں مندرجہ ذیل اصلاحات کرنی ہوں گی:۔

رہن سہن کے پرتکلف،عیش پرستانہ اور مہنگے طریقے یکسر چھوڑ دینے ہوں گے جو ہم نے مغرب سے درآمد کئے ہیں،اور جن کی وجہ سے عوام اقتصادی بدحالی کا شکار ہیں،اس وقت ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم اپنے لباس،اپنی وضع قطع،اپنے طرز رہائش،اپنی تقریبات غرض معاشرت کے ہر شعبے میں مغرب کی اندھی تقلید کررہے ہیں،چنانچہ اس معاملہ میں ہر شخص دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے،اور اس غرض کے لئے جب محدود آمدنی کافی نہیں ہوتی تو رشوت،چور بازاری،اسمگلنگ اور دوسرے ناجائز طریقوں سے کام لیتا ہے۔

شادی بیاہ اور تقریبات وغیرہ پر اخراجات کی ایک مناسب حد مقرر کردی جائے جس سے زائد خرچ کرنا قانوناً جرم ہو۔

ملازموں،مزدوروں اور کسانوں کا سماجی رتبہ (SOCIALSTATUS) بلند کرنے کی شدید ضرورت ہے، اسلامی تعلیمات کی رو سے مزدور اور آجر ایک ہی برادری

کے دوفرد ہیں جواپنے سماجی مرتبے کے لحاظ سے بالکل برابر ہیں۔

آخر میں ہمیں ایک بنیادی نکتے کی طرف توجہ دلانی ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہیکہ ظلم واستحصال درحقیقت اس بیمار ذہن کی پیداوار ہوتا ہے جو خدا کے خوف ،آخرت کی فکر اورانسانی اخلاق سے بے نیاز ہو،لہذا ہماری معیشت میں جو بدعنوانیاں پائی جاتی ہیں ان کا اصل سبب خودغرضی ،سنگدلی ، کنجوسی اور مفاد پرستی کی وہ انسانیت سوز صفات ہیں جو ہماری زندگی کے ہر شعبے پر چھا چکی ہیں،اگر اسلام کا نظام حیات قائم ہوتو چونکہ اس کی بنیاد ہی خدا کے خوف اورآخرت کی فکر پر ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ قانون کے ساتھ ساتھ قلب اورذہن کی اصلاح کی طرف پوری توجہ کی جائے،تعلیم وتربیت اورنشرواشاعت کے تمام وسائل کو کام میں لاکر ان اسلامی تعلیمات کو ایک تحریک کی شکل میں پھیلایا جائے جو دل میں خدا کا خوف اورآخرت کی فکر پیدا کریں،جن کے ذریعہ باہمی اخوت اورایثاروہمدردی کے جذبات پروان چڑھیں اورجن سے ایسے ذہن تیار ہوسکیں جواللہ کی خوشنودی اورآخرت کی فلاح کودنیا کی ہر مادی منفعت پرفوقیت دیتے ہوں۔

دنیا کا تجربہ اس بات کا گواہ ہے کہ نرا قانون کا ڈنڈا کبھی کسی قوم کی اصلاح نہیں کرسکا، اور جب تک قانون کی پشت پرایک مضبوط روحانی عقیدہ نہ ہو،ظلم واستحصال کوروکا نہیں جاسکتا۔اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایثار ومروت ،انفاق فی سبیل اللہ اورسخاوت واستغناء کے جوفقید المثال واقعات ملتے ہیں ان کا بنیادی سبب یہی خدا کا خوف اورآخرت کی فکر تھی جوقوم کے ہر ہر فرد کے رگ وپے میں سما گئی تھی،اگرآج پھراس جذبے اورعقیدے کونئی زندگی دی جائے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورآج بھی لوٹ سکتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاداس تصور پر ہے کہ انسان سرمایہ اوردولت کا خودمختار مالک

ہے، اورروز مرّ ہ کی ضروریات کے علاوہ ذرائع پیداوار پر بھی اسکی ملکیت بے قیداورآزاد ہے، وہ جس طرح چاہے اپنی ملکیت، زمین جائداد، تجارت، کارخانہ، فیکٹری کواستعمال کرے ، اپنے تیارشدہ مال کی جو قیمت چاہے لگائے ،غرض اپنے کاروبارمیں اسے آزادی ہے۔ اورحکومت اسکی ملکیت میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتی۔ مال اور پونجی سے نفع اٹھانے کا ہر طریقہ اسکے لئے جائز ہے، اسی تصوّر کی وجہ سے سود، قمار، سٹہ اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ بری رسموں نے رواج پکڑا۔

قوم کے لاکھوں آدمیوں کے جمع کئے ہوئے سرمایہ سے جونفع حاصل ہوتا ہے، وہ صرف چند مالداروں کی جیب میں چلا جاتا ہے، جو بینک سے لاکھوں روپیہ کا قرض لے کر بڑی بڑی تجارتیں کرتیں ہیں۔ سرمایہ داری کی دوسری وبا سٹہ ہے؛ اس کاروبار کی وجہ سے مال کے ذخیرے ابھی بازار میں آتے نہیں کہ اس پر سینکڑوں سودے ہوتے ہیں، ایک تاجر مال کا آرڈر دے کر مال کی روانگی سے پہلے دوسرے کو، دوسرا تیسرے کو، تیسرا چوتھے کو، یہاں تک کہ بازار میں پہونچتے پہونچتے اسکی قیمت تین چار گنی ہوجاتی ہے۔ یہ سارا نفع سٹہ باز لے اڑتے ہیں، اسلامی نظام میں سود کی طرح اس اندھے کاروبار کی بھی گنجائش نہیں۔ مال قبضے میں آنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔ اسی طرح شراب، فلموں اور حرام اشیاء کی تجارت جائز نہیں ہے۔

اسلامی نظام قائم ہوتو سٹہ کے حرام ہونے کی وجہ سے چیزیں اتنی مہنگی نہیں ہوگی ، یہی حال بیمہ کمپنیوں کا ہے؛ مالدار لوگ ہی زیادہ تر اس سے فائدہ اٹھا کر غریبوں کا خون چوستے ہیں، اسی طرح بڑے بڑے مالداروں کو رشوت کی وجہ سے کارخانے اور فیکٹری کے لائسنس اور پرمٹ جلدی سے مل جاتے ہیں جس کی وجہ سے چھوٹے تاجروں کا بازار میں آنے کا راستہ بند ہوجاتا ہے۔ یہ ساری خرابیاں سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام

سے اکٹھا کر روس اور چین نے سوشلزم کی بنیاد ڈالی، سوشلزم جب میدان میں آئی تو اس نے سرمایہ داری کی خرابیوں کو تو دیکھا لیکن ٹھنڈے دل سے اسکا علاج نہیں سوچا، اور وہ معاملہ کی دوسری انتہا پر جا کھڑی ہوئی۔ سرمایہ داری نے اتنا کیا تھا کہ انسان پیداوار اور جائداد کا مالک ہے، اشتراکیت میں اس کا بالکل ری ایکشن ہوا۔ اسنے کہا کہ کوئی آدمی کسی زمین جائداد کا مالک نہیں ہے۔ زمینوں، کارخانوں کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے تصرف سے نکال دو، تو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ امریکہ اور روس میں کوئی فرق نہیں۔ امریکہ میں چند مالداروں کی اجارہ داری ہے، سارا نفع وہ گسٹتے ہیں، تو روس میں کمیونسٹ پارٹی کے چند افراد کی اجارہ داری تھی، محنت کش مزدوروں اور کسانوں کو اسکی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی لئے کہا تھا ؎

زمام کار گر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا	-	طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

جبکہ اسلام کا یہ کہنا ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز خواہ زمین ہو خواہ کارخانہ یا روپیہ پیسہ، سب اللہ تعالی کی ملکیت ہیں، قرآن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: **لله مافی السموات والارض** آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالی ہی کا ہے۔

ہاں! وہ اپنی ملکیت کی چیزیں نفع اٹھانے کے لئے اپنے بندوں کو دیتا ہے، **ان الارض لله یورثها من یشاء** بلاشبہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اسکا مالک بنا دیتا ہے، ان ہدایات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالی نے انفرادی طور پر ملکیت عطا کی ہے، **نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیاة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات** لیکن یہ خود مختار، خود غرض اور بے لگام نہیں ہے، اسکو جائز نفع کے لئے تو استعمال کرسکتا ہے لیکن اسکے ذریعہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا۔

آمدنی کے ناجائز ذرائع کے دروازہ کو بالکل بند کر دیا، **یایھا الذین آمنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل** اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے مت کھاؤ، آمدنی کے ناجائز ذریعوں پر پابندی لگانے کے علاوہ مالداروں سے غریبوں کو دولت پہنچانے کے لئے اسلام نے مالدار پر زکوۃ جیسی بہت سی چیزیں واجب کی ہیں۔ جو اسکا احسان نہیں بلکہ اسکے مال پر واجب ہونے والا حق ہے۔ زکوۃ کے علاوہ عشر، خراج، صدقۂ فطر، قربانی، کفارہ، نفقات، وصیت اور وراثت کے ذریعہ دولت کے تالاب سے چاروں طرف نہریں نکلتی ہے اور پورے سماج کی کھیتی سرسبز وشاداب ہوتی ہے۔ قانونی پابندیوں کے ساتھ اسلام مجموعی حیثیت سے سنگ دلی، کنجوسی، بے رحمی اور خودغرضی کے بجائے ہمدردی، فراخ دلی، سخاوت اور سب سے بڑھ کر خوف خداوندی اور فکر آخرت کی تعلیم دیتا ہے۔ انسان کو ہر مرحلہ پر یہ تعلیم دی کہ یہ دنیا چند دنوں کی بہار ہے، عیش وعسرت روپیہ پیسے کے ڈھیر کا نام نہیں بلکہ روح کے سکون اور اطمینان کا نام ہے۔

اسلام انسان کو ذلت ورسوائی کے گڑھے سے نکال کر احترام وعزت دینا چاہتا ہے، اسکے نزدیک انسانی فطرت اتنی ذلیل نہیں ہوئی ہے کہ ذاتی اور پرائیویٹ ملکیت کے نتیجے میں بے انصافی اور ظلم وستم ہو بلکہ کمیونزم کا یہ اصول انسان کی عزتِ نفس سے کھلواڑ کرتا ہے، آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے عرب کے بادیہ نشینوں میں جب اسلام کی صبح درخشاں ہوئی تو ہر شخص اپنی ملکیت کا خود مالک تھا، خودغرضی کا ذرّہ برابر وہم نہ تھا بلکہ ایثار وقربانی کا یہ عالم تھا کہ دوسروں کی خاطر لبوں لگے ہوئے پیالے اور لقمہ جدا ہو جاتے تھے اور قرآن پاک کی آیتیں ان کی تعریف میں نازل ہوتی تھی: **ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ** ترجمہ: اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے

اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اوراپنے سے دوسروں کومقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پرفاقہ ہی ہو(حشر:۹) **ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا** ترجمہ:اوروہ لوگ خدا کی محبت کی بنیاد پر غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (الدّھر:۸) **ولا یجدون فی صدورھم حاجة مما اوتوا** ....اور ہرایک کی روزی کا مسئلہ خدا تعالی کے ہاتھوں میں ہے،قرآن پاک میں ارشاد ہے: **نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیاة الدنیاورفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا:** ترجمہ:دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کررکھی ہے،اورہم نے ایک کودوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا ہے۔(زخرف:۳۲) یہ ہے اسلام کے سنہرے اصول جن پر چل کے دنیا اپنا اقتصادی نظام اچھی طرح چلاسکتی ہے اور راحت وچین کی زندگی بسر کرسکتی ہے۔

منہاج : آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے ذہن میں پیدا ہونے والے اعتراضات کے تشفی بخش جوابات دئے، جزاکم اللہ خیراً۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ.......